ذخیرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا

الانسان فی القرآن

یعنی

قرآن مجید کی روشنی میں انسان کے مختلف حالات و مقامات

از ارشادات

سراج السالکین شمس العارفین حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب قدس سرہٗ

حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

خلیفہ مجاز عاشق یزدانی مجدد عصر قطب زماں حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شرقپور شریف)

بحسن سعی

زیب سجادہ عالیہ صاحبزادہ صاحب سید محمد باقر علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ حضرت کیلیانوالہ شریف (گوجرانوالہ)

محرم الحرام ۱۳۸۷ھ ، اپریل ۱۹۶۷ء

الناشر

المکتبۃ السعیدیہ

متصل حضرت شاہ محمد غوث رح ، لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسّھا

الانسان فی القرآن

یعنی

قرآن مجید کی روشنی میں انسان کے مختلف حالات اور مقامات

از ارشادات

سراج السالکین شمس العارفین حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب قدس سرہ حضرت کیلیانوالہ شریف

خلیفہ مجاز

عاشق یزدانی مجدد عصر قطب زمان حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرقپور شریف

بحسن سعی

زیب سجادہ عالیہ صاحبزادہ سید محمد باقر علی شاہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ

محرم سنہ ۱۳۸۷ھ ——— قیمت { مجلد دس روپے / غیر مجلد آٹھ روپے ——— اپریل سنہ ۱۹۶۷ء

Marfat.com

86000

~~60500~~

مطبوعہ: پنجاب پریس لاہور

Marfat.com

فہرست عنوانات

عنوان	نمبر صفحہ
پیش لفظ	د
مقدمہ	۳
مصنف کتاب حضور رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر سوانح حیات	۷
فاتحۃ الکتاب	۲۵
باب اوّل۔ عالم ارواح	
روح وما قبل روح	۴۱
باب دوم۔ عالم شہود	
ابتدائے آفرینش	۵۵
تخلیق انسان	۵۶
معیتِ رُوح	۵۹
معرفتِ الٰہی	۶۵
معیتِ خداوندی	۷۱
نفس	۷۵
امانتِ الٰہی کا حامل	۸۱
حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں سکونت	۸۶
نسبتِ انسان	۱۰۵
فریبِ نفس اور شیطانی دھوکے	۱۳۸
خواص بشریہ	۱۳۸
صراط المستقیم	۱۴۶
سید المرسلین	۱۵۱
آپ کی بشریت	۱۵۱
سراجاً منیرا	۱۶۸
رحمۃ للعالمین	۱۸۴
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم	۱۹۴
اطاعت اور اتباع	۲۲۰
انسان کی علم و عرفان میں سیر	۲۲۷
معرفتِ الٰہی	۲۵۵
زندہ اور مردہ	

عنوان	نمبر صفحہ
باب سوم۔ عالم برزخ	
کیفیات برزخ فی الدنیا	۲۶۶
برزخ فی الآخرہ	۲۶۷
تقدیر انسان	۲۸۴
قضاء و قدر	۲۹۵
ولایت، کرامت اور استدراج	۲۹۹
علم غیب	۳۰۸
علم الانسان وعلم الرحمٰن	۳۲۱
باب چہارم۔ عالم عقبیٰ	
یوم القیامت	۳۲۶
کشفِ ساق	۳۲۸
نامۂ اعمال	۳۳۵
لواء الحمد	۳۴۰
صراط	۳۴۷
دوزخ اور جنت	۳۵۰
ضمیمہ۔ الٰہیات	
توحید	۳۶۱
توحید فی الذات	۳۶۲
توحید فی الاسم	۳۶۲
توحید فی الخلق	۳۶۳
توحید میں تعلیم	۳۶۸
توحید پر عمل	۳۷۳
اعتقاد فی التوحید	۳۸۶
ردّ امکانِ کذب	۳۸۸
ردّ خلفِ وعید و امتناعِ نظیر	۴۰۳
انسان ازلی سعید ہے	۴۳۷
حلف بالقرآن	۴۴۹

Marfat.com

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

لائق احترام قارئین کرام! آپ کو علم ہوگا کہ کتاب "الانسان فی القرآن" تصنیف لطیف قدوۃ العارفین سراج السالکین حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری نقشبندی مجددی قدس سرہٗ خلیفہ مجاز عاشق یزدانی شیر ربانی حضرت اعلیٰ میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پہلا ایڈیشن ۱۳۷۲ھ ہجری میں حضرت مصنف قدس سرہٗ کے وصال مبارک کے متصل بعد طبع ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں فروخت ہوگیا۔ چونکہ اس کتاب میں انسان کی ابتدائے آفرینش سے لیکر جنت و دوزخ بلکہ ابدالآباد تک کے حالات و مقامات اور اس کے روحانی تنزل وارتقاء وغیرہ نہایت اہم اور گراں قدر مضامین و مسائل نہایت ہی عمدگی اور دلکش پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس اہمیت و افادیت کا احساس کرتے ہوئے حضور قدس سرہ العزیز کے لخت جگر اور آپ کے مکمل جانشین سیدی مولائی حضرت صاحبزادہ سید محمد باقر علی شاہ صاحب زینت بخش آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف نے مذکورہ کتاب کی دوبارہ طباعت کا مصمم ارادہ کر لیا اور لکھنے کے لیے کاتب صاحب کو دے دی۔

یہ حقیر ۱۳۸۶ھ ماہ شعبان المکرم میں سالانہ عرس مبارک کی تقریب سعید میں شمولیت کے لیے حاضر ہوا تو حضرت صاحبزادہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ ومد اللہ تعالیٰ فیوضہم نے بروقت ملاقات کتاب کی دوبارہ طباعت کا اظہار کرتے ہوئے مجھے فرمایا کہ پیش لفظ کے طور پر چند باتیں لکھو تاکہ وہ آغاز کتاب میں منسلک کر دی جائیں اور وہ باتیں اس انداز سے لکھی جائیں کہ ساری کتاب کا اجمالی خاکہ بیان ہو جائے تاکہ مطالعہ کتاب میں مزید سہولت و آسانی ہو۔

"ولی را ولی می شناسد" کے مطابق ایک عظیم المرتبہ صاحب تحقیق بزرگ کے کلام کے مضمرات و اشارات اور تمام گوشے درحقیقت اسی پایہ کے صاحب دل بزرگ پر پورے طور پر روشن و منکشف ہو سکتے ہیں۔ اور مجھ جیسے طفل مکتب کے لیے عظیم المرتبہ محقق بزرگ کے کلام کے متعلق کچھ عرض کرنا ایک مشکل امر ہے۔ تاہم الامر

Marfat.com

فوق الادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند حروف لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

اولیاء کرام وصلحاء عظام کی زندگی کا اہم ترین شعبہ اور فریضۂ اولین یہ ہوتا ہے کہ وہ راہِ شریعت سے برگشتہ انسانوں اور منزلِ عرفان سے بے خبر لوگوں کی ہدایت و رہنمائی اور ان کی اصلاح میں مصروف رہتے ہیں اور باطنی و روحانی جدوجہد کے ذریعہ ان کی اخلاقی حالت درست کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں کسی قسم کی ملامت وطعن وتشنیع کو خاطر میں نہیں لاتے۔ کسی کی وجاہت دنیوی، کسی کا اقتدار، کسی کی فرعونیت انہیں کلمۂ حق کہنے سے نہیں روک سکتی۔ اور یہی لوگ صحیح معنوں میں ورثۃ الانبیاء ہوتے ہیں۔ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہ تبلیغی کوششیں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اپنے اپنے وقت میں ان برگزیدہ ہستیوں نے بھٹکی ہوئی مخلوق کی کچھ اس انداز میں رہنمائی فرمائی کہ جو سعادت مند لوگ ان کے آستانے کے سچے غلام بن جاتے ہیں، ان کے رگ وپے میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے احکام کی اطاعت اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عشق اور جذبۂ اتباع سنت کی غیر فانی روح دوڑنے لگ پڑتی ہے۔ روحانی کیف ومستی اور نسبت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ جام نوش کر لینے کے بعد ان کے اس خمار ومستی کو زمانہ کی کوئی ترشی، حوادثِ روزگار کی کوئی تلخی دور نہیں کر سکتی۔

زیرِ نظر کتاب "الانسان فی القرآن" ان بزرگ ہستی کی تصنیف وتالیف ہے جن کی پاکیزہ زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک ساعت یادِ خدا اور عشقِ حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء میں گزرتا تھا۔ اتباع شریعت و اتباع سنت جن کا طرۂ امتیاز تھا۔ کتاب کا ایک ایک فقرہ ایک ایک جملہ رشد وہدایت اور تلقین وتربیت کے بلند پایہ مضامین ومطالب پر مشتمل ہے۔ رواں دواں طرزِ نگارش کتاب کے حسن وجمالِ معنوی کے ساتھ حسنِ صوری کی شان کو بھی دوبالا کر رہا ہے۔ خاصانِ حق تعالیٰ کی سحر انگیز شخصیتوں اور ان کے پرتاثیر کلمات کا کیا کہنا۔ دنیا والے تو ان کو گدڑی وکمبل میں دیکھ کر حقارت کی نگاہیں ڈالتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی عظمت ورفعت کے آگے عرش کی سربلندی جھکی ہوئی اور ہفت کشور کے تاج وتخت ان کے قدموں پہ قربان ہونے کے لیے بیتاب رہتے ہیں۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اس کائنات ہست وبود میں صرف انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اس کائنات رنگ وبو میں خلیفۃ اللہ ہونے کا رتبہ بھی حضرتِ انسان کو ہی عطا ہوا ہے۔ خلافتِ الٰہی وہ عظیم وبرتر اعزاز ہے کہ انسان کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ انسان اس عظیم اعزاز ورتبہ کا اہل وسزاوار

Marfat.com

کس صلاحیت واستعداد کی بنا پر قرار پایا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جس کے گرد انسان کے کمال وزوال، عروج ونزول کی تاریخ گھومتی نظر آتی ہے اور یہی وہ سربستہ راز ہے جس پر اللہ تعالیٰ سے قرب وبُعد، اس کی طاعت یا اس کی سرکشی جیسے امور موقوف ہیں۔

انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت، آسمانی کتابوں کا نزول، حقانی علماء کی تبلیغی واشاعتی سرگرمیاں اور پند وموعظت سے متعلق ان کی مساعی جمیلہ بھی اسی استعداد وصلاحیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس استعداد و صلاحیت کو بروئے کار لانا اور مذکورہ صلاحیت کو اپنی فلاح ونجات کے لیے کام میں لانا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ صراطِ مستقیم پر چلنا اور قائم رہنا پیدائشِ انسانی کی اصل غرض وغایت ہے۔ اور اس استعداد وصلاحیت کو ربانی تقاضوں کے مطابق استعمال کرنا ہی اصل نصب العین ہے لیکن خداداد صلاحیتوں کو اس کی رضا کے کاموں میں لگانا اور اس پر استقامت، رب تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل وکرم سے ہی ہو سکتی ہے۔ وَمَا تَشَآءُونَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔

"الانسان فی القرآن" میں انہی مذکورہ امور کو قرآن حکیم کی روشنی میں نہایت شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے اور روح کی تخلیق سے لے کر ابدالآباد تک انسان کے حالات وکوائف نہایت جامع اور مدلل انداز میں سپرد قلم کیے گئے ہیں۔

اہلِ علم حضرات جانتے ہیں کہ دینِ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک اعتقادیات دوسرے اعمال۔ اول الذکر حصہ مؤخر الذکر حصہ کے لیے بنیاد اور مبدء کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر معاذ اللہ اعتقاد درست نہ ہو بلکہ اس میں خلل اور نقص ہو اور فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعۃ کے اعتقادات صائبہ کے خلاف ہو تو اعمال صالحہ بے معنی ہو جاتے ہیں اور وہ ثمرات ونتائج جو اعمال خیر سے متوقع ہیں حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے اعتقاد کی درستی و صحت تمام فرائض سے اولین فریضہ ہے۔ اس میں ادنیٰ سی کوتاہی ولاپروائی خسران وحرمان ابدی کا باعث ہے۔ زیر نظر کتاب "الانسان فی القرآن" میں صحتِ اعتقاد پر خصوصیت سے زور دیا گیا ہے۔ اور ان تمام اعتقادی خطوط کو واضح واجاگر کیا گیا ہے جن پر مسلمان ہونے کی حیثیت سے انسان کے لیے چلنا اور مستقیم رہنا ضروری ہے۔ موجودہ دور پرفتن میں اعتقادی بگاڑ کی جو ہلاکت انگیز آندھیاں اُٹھ رہی ہیں اور عوام کالانعام تیز رفتاری سے فسادِ عقائد کا شکار ہو رہے ہیں اور گمراہی وضلالت کو اپنا رہے ہیں اس کتاب میں ان فتنوں بچاؤ کی تدابیر اور اس سلسلے میں لاحق ہونے والی غلط فہمیوں کی جڑوں کی مؤثر انداز میں پوری طرح بیخ کنی کی گ

Marfat.com

ہے اور غلط استدلالات کی سوفسطائیت کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔

کسی کتاب کے معیاری ہونے کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے موضوع و مقصد میں جامع اور مکمل ہو اور ادھر ادھر کی غیر متعلق باتوں سے محفوظ ہو۔ نیز طرزِ استدلال سنجیدہ، دل نشین اور لا جواب ہو۔ یہ خصوصیت بھی حضور قدس سرہٗ کی اس مبارک تصنیف میں علیٰ وجہ الاتم موجود ہے جس کا صحیح ادراک اہلِ علم کو ہی ہو سکتا ہے۔ کتاب کی جامعیت کا اندازہ اس کے مضامین سے لگایا جاتا ہے۔ کتاب چار ابواب اور ایک ضمیمہ پر مشتمل ہے۔ باب اول عالم ارواح، باب دوم عالم شہود، باب سوم عالم برزخ، باب چہارم عالم عقبیٰ۔

باب اول میں روح و ماقبل روح کے حالات درج ہیں۔ اس باب میں زنادقہ اور فرقہ حلولیہ وغیرہ کا رد کیا گیا ہے جو روح کو عین خدا اور قدیم مانتے ہیں۔ چنانچہ فرقہ حلولیہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حدوث و قدم کو نہیں پہچانتے اور قدم سے حدوث کو نہیں جانتے۔ جو شخص قدیم و حادث میں فرق نہیں جانتا وہ اپنی گفتار میں جاہل ہوتا ہے۔ اور یہ **حلولیوں کا مذہب ہے، جو سراسر باطل اور حقیقت سے کوسوں دور ہے۔**"

اور اس فرقہ حلولیہ کی غلطی کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایسے شخص کی نظر میں عالم امر کا مشاہدہ بلا حجاب ہوتا ہے۔ اور مذکورہ بالا باقی عالموں کے حجاب سے خلاصی پانے والا۔ اس کی نظر میں تمام حرکات و سکنات روح سے تعبیر ہوتی ہیں، بلکہ اس کے مشاہدہ میں غیر نہیں رہتا۔ تب وہ "ہمہ اوست" کا نعرہ بلند کرتا ہے اور یہی ان کی غلطی کا اصل ہے۔"

روح کے مخلوق ہونے کے متعلق صاف الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"پس اس عبارت سے یہ مقصود حاصل ہوا کہ یہ مدارج و منازل انسان کی حالت کے رو سے ہو بیان ہیں اور ان دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح جو ایک مقام کی حیثیت سے انسان کا نام ہے سراسر مخلوق ہے۔"

باب دوم میں عالم شہود کے عنوان کے تحت مندرجہ ذیل ابحاث پر تبصرہ کیا گیا ہے:

ابتدائے آفرینش، تخلیقِ انسان، معیتِ رُوح، معرفتِ الٰہی، معیتِ خداوندی، نسبتِ انسان، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا علم، اطاعت و اتباع وغیرہ۔

تیسرے باب میں عالم برزخ کے حالات، تقدیرِ انسان، قضا و قدر، ولایت، کرامت اور استدراج اور

Marfat.com

علم غیب وغیرہ عمدہ پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں۔

چوتھے باب میں یوم آخرت میں پیش آنے والے واقعات، کشفِ ساق کا معنی، نامۂ اعمال کی کیفیت، لواء الحمد، صراط، اور دوزخ وجنت سے متعلق تفصیلات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آخر کتاب میں ایک ضمیمہ لگایا گیا ہے جس میں الٰہیات کے اہم ترین مطالب ومقاصد مثلاً توحید فی الذات توحید فی السر، توحید فی الخلق، توحید میں تعلیم، توحید پر عمل اور اعتقاد فی التوحید جیسے بنیادی واصولی مسائل سپردِ قلم کیے گئے ہیں۔ نیز امکانِ کذب کا ردّ، خلفِ وعید کا ردّ، امتناعِ نظیر اور "انسان ازلی سعید ہے" وغیرہ نہایت مفید باتیں درج ہیں۔ الغرض اس کتاب میں قبل روح سے لے کر دخولِ جنت اور دوزخ تک بلکہ ابدالاباد تک انسان کے حالات ومقامات قرآن حکیم کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں اس کتاب میں علمِ تصوف وسلوک کے بنیادی قواعد واصول بیان کیے گئے ہیں۔ جس طرح عقائد کے اندر بیسیوں گمراہ فرقے بن چکے ہیں اور ہر فرقہ اپنی ہی حقانیت کا مدعی بنا ہوا ہے۔ ٹھیک اسی طرح تصوف وسلوک اور معرفت وفقر کے نام پر بے علم صوفیوں اور خلافِ شریعت پیروں نے عوام کو اپنی خواہشاتِ نفسانی کا شکار بنا رکھا ہے۔ اور اپنے عمل وکردار سے شریعت حقہ کے خلاف نفرت وحقارت کی زبردست مہم شروع کر رکھی ہے۔ اور لوگ بری طرح اس فتنہ میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ حضور قدس سرہٗ نے الانسان فی القرآن میں تصوف وفقر کے نام پر اٹھنے والے فتنوں سے حفاظت کے لیے سلوک وعرفان کے قواعد واصول بیان فر اتباعِ شریعت اور پیروی سنت پر زور دیا ہے۔ مخالفتِ شرع کے خطرناک نتائج سے آگاہ فرمایا ہے۔ اور اس بات کو واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو کوشش وسعی کے لیے ایک گونا اختیار دیا ہے اس میں انسان کو شتر بے مہار کی طرح ہرگز ہرگز نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنے آپ کو حدودِ شرع کا پابند رکھنا ضرو ہے۔ چنانچہ حضور قدس سرہٗ اس بات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لیکن سعی انسانی کئی وجہ پر ہے۔ تو مطابق فرمان لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ کے جدھر انسان سعی کرتا ہے، ذاتِ پاک اس کو ادھر ہی چلنے دیتے ہیں اور نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ کی سنت کے مطابق ادھر ہی چلاتے ہیں۔ انہی جائز (راستوں) میں سے ایک کج راہ قبولیتِ خلق ہے جس کو بزرگانِ دین نے لوہے کے زنار سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ بہت بڑا حجاب ہے بلکہ شیطانی تصرف کا آلہ اور بہت بڑی گمراہی کا سبب، نفس امارہ کا سرمایہ، نہ ٹلنے والی بلا اور شہد میں ملی ہوئی زہر ہے جو اخلاص کی زندگی

Marfat.com

کو ہلاک کر دینے والی اور اعمال صالحہ کو مثل خس و خاشاک کے جلا دینے والی ہے"۔

اس دور کے علماء و مشائخ، پیرانِ عظام قبولیت خلق کے چکر میں مبتلا نظر آتے ہیں، اِلاّ ماشاء اللہ۔ لیکن بزرگانِ دین کے نزدیک قبولیتِ خلق کی آرزو رکھنے سے بڑھ کر کوئی اور تباہ کن فتنہ نہیں۔ یہ ایسی ضرر رساں چیز ہے کہ اس سے انسان کا اخلاص غارت اور اعمالِ صالحہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ انسان ابلیس کا آلۂ کار بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو جاتا ہے۔ ضلالت و گمراہی اس کا محاصرہ کر لیتی ہے۔ نفس امارہ کو مسرت و شادمانی کا موقع مل جاتا ہے۔ قبولیتِ خلق کا احساس دین و ایمان کے لیے آفت اور شہد میں ملی ہوئی زہر ہے۔ چنانچہ اسی چیز کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

"ہیہات، آج کل تو معاملہ اُلٹ ہو رہا ہے۔ عمل صالح تو درکنار، علم کے حصول میں نیت ہی درست نہیں ہوتی۔ عالم اور مناظر اور مباحث بننے، فخر و تکبر کی دستار باندھنے، حصول دنیا کا ذریعہ بنانے کے لیے عمر ضائع کر بیٹھتے ہیں، اور فقط اسی یافت و یاب کو معراج کمال سمجھ لیتے ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ اسی پر بس نہیں ہے (بلکہ) اولیاء اللہ اور انبیاء کرام کے علم کو بھی اسی پر قیاس کرتے ہیں۔ بلکہ اپنے آپ کو ان سے زیادہ اکمل جانتے ہیں اور اپنے زعمی (خیالی) مراتب کی وجہ سے جہالت کے دریا میں ایسے مستغرق ہوئے ہیں کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ سے سر نکالنا ناممکن ہو گیا ہے۔ الاماں"۔

لوگوں کے غلط اور من گھڑت معیارِ ولایت پر تنقید کرتے ہوئے "شیطانی فریب" کے عنوان کے تحت ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"لیکن آج کل تو صرف شریعت کی پابندی اور سنت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر عمل ہی اعلیٰ درجہ کی ملامت ہے۔ مخلصوں کے لیے یہ وقت نایاب اور قیمتی ہے۔ کیونکہ آج کل معاملہ اُلٹ ہو رہا ہے۔ عوام شریعت کے خلاف چلنے والوں کو ولی سمجھتے ہیں اور پابندِ شریعت کو حقیر خیال کرتے ہیں۔ اور فرمانِ ایزدی ہے وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (یعنی غیر اسلامی طریقہ عند اللہ مردود و نامقبول ہے اور ایسے راستے کو اپنانے والا آخرت میں خسارہ اور نقصان اُٹھائے گا)۔

...... میرے حضرت قدس سرہٗ (حضرت اعلیٰ میاں شیر محمد صاحب قدس سرہٗ) فرمایا کرتے تھے کہ "یکے فقر رحمانی و یکے شیطانی"۔ سبحان اللہ! کیا ہی لطیف اور پر حقیقت ارشاد مبارک ہے"۔

Marfat.com

ایک جگہ فرماتے ہیں :

"ہیہات! آج عوام الناس کے نزدیک جو کوئی اسلام کے برخلاف راستہ اختیار کرے اور ایمان کے حکموں کو فنا کرے، ولی ہوتا ہے لیکن عند اللہ وعند الرسول ایسا شخص شیطان ہے"۔

حسب الحکم یہ چند سطور ہدیۂ قارئین کرام کردی گئی ہیں۔ کتاب کے مضامین سے متعارف کرانے کے لیے کتاب میں قائم کردہ عنوانات کی اجمالی فہرست بھی پیش کردی ہے۔ کتاب کی جامعیت وافادیت کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ الامر فوق الادب کے تحت ہوا ہے ورنہ درحقیقت یہ چند شکستہ حروف کتاب کی عظمت وجلالتِ شان کے اظہار کے لیے بالکل ناکافی ہیں۔ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" کے مطابق اربابِ علم ودانش خود اندازہ کرلیں گے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد تصنیف کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس زندقہ والحاد کے دَور میں اس طرح کی کتابوں کی اشاعت عام کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ تاکہ لوگوں کے قلوب علم وعرفان کی صحیح روشنی سے منور ومعمور ہوں۔ اور تاکہ انہیں تزکیۂ نفوس اور تزکیۂ قلوب کے لیے صالح غذا نصیب ہو سکے۔ اور جہل وکج روی کے راستوں سے نجات پا سکیں۔

آخر میں دعا ہے کہ مولیٰ کریم اس ناچیز کو اور حضور قدس سرہٗ سے تعلق رکھنے والے تمام خدام ومتوسلین کے سینے حضور قدس سرہٗ کی خاص نسبتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے معمور ومنور رکھے اور اس پر استقامت نصیب فرمائے۔ اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سنت اور آپ کے دین اسلام پر خاتمہ نصیب فرمائے، اور آخرت میں صالحین کے زمرے میں حشر فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

راقم حروف

محمد سعید احمد نقشبندی مجددی عُفِیَ عَنہُ

خادمِ حضور قدس سرہ العزیز

شاہ محمد غوثؒ لاہور

یکم محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۶۷ء

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ

تمام تعریف اس ذاتِ پاک ہی کے لیے ہے جس نے اپنی اُلوہیت و ربوبیت کے اظہار کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ابتدا فرمائی، اور ان کو علم لدنی سے عالم فرما کر انسان کی رہنمائی کا سبب بنایا۔ اس سلسلہ کا آغاز حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر کے ایک لاکھ چوبیس ہزار کا شجرِ رسالت یکے بعد دیگرے حسبِ ضرورت علم و کتاب اور معجزات سے بہرہ ور فرما کر ہماری رہنمائی کے لیے مرسل کیا اور اختتام نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا، اور آپ کو خاتم النبیین کا لقب عطا فرما کر سلسلۂ نبوت کو تکمیل تک اور شجرِ رسالت کو ثمر تک پہنچا دیا۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہو گئی اس لیے آپ کے بعد ولایتِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا آغاز ہوا اور عنایتِ الٰہی سے قیامت تک یہ سلسلہ قائم و دائم رہے گا۔ چنانچہ اس دورِ ظلمات میں بھی ایسے بزرگانِ دین پیدا فرمائے جنہوں نے حسبِ ضرورت ظاہری و باطنی تعلیم سے گم گشتگانِ راہ کے لیے مشعلِ ہدایت و رشد روشن فرمائی۔ اور آج جبکہ تفرقہ بازی اور کفر و الحاد اپنے شباب پر ہے ہمارے حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وقتِ مبارک میں بمصداق:

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً
طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ
وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِيْ أُكُلَهَا كُلَّ
حِيْنٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۗ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ
الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝
(پ ۱۳ - ع ۱۶)

کیا نہیں دیکھا تو نے کہ کس طرح بیان فرمائی اللہ تعالیٰ نے مثال کلمہ طیبہ کی مانند درخت پاکیزہ کے جڑ اس کی مضبوط ہے اور شاخیں اس کی آسمان میں۔ دیتا ہے وہ میوہ اپنا ہر وقت اپنے رب کے اذن سے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں واسطے لوگوں کے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

نسبتِ محمدی سے معمور ہو کر علمِ معرفت کے بیش بہا کلماتِ طیبہ اور عالمِ موجودات سے لے کر عالمِ معرفات تک

Marfat.com

کے مدارج کو بِاِذْنِ رَبِّھَا کے مطابق آگاہ فرما کر تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا کے ثمر رسانت سے حصہ عطا فرما کر مشکور فرمایا اور دین الحق سے ہر طرح خبردار کیا۔

یہ کتاب کن حالات میں تیار ہوئی؟ احباب حلقۂ ارادت تو اس سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ صرف ناواقف حضرات کی آگاہی کے لیے مختصر عرض کرتا ہوں کہ دراصل یہ کتاب حضور رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات متبرکہ، ملفوظاتِ مقدسہ اور مکتوباتِ مطہرہ کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں بعض احباب کے استفسارات کے جواب میں صفحۂ قرطاس پر شہود میں آئے اور جناب محترم سید منیر حسین صاحب تبرکاً ان کو قلمبند کر کے یہ نقلیں اپنے پاس جمع کرتے رہے۔

شروع شروع میں ان مضامین کو کتابی شکل میں لانے کا حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کو خیال نہ تھا۔ لیکن احباب ارادت کے اصرار پر آپ کچھ رضامند ہوئے۔ تاہم فرماتے کہ چونکہ ان مضامین کو کسی مستقل کتاب کے عنوان کے ماتحت تحریر نہیں کیا گیا، اور نہ ہی مجھے یہ خیال تھا۔ دوسرے میری زبان بھی کچھ پرانی قسم کی ہے، لہٰذا کتابی شکل میں لانے کے لیے ان کو دوبارہ تحریر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کاٹ چھانٹ کر کے ان کو ایک دوسرے سے مربوط کیا جائے اور تکرار وغیرہ ہٹا دیے جائیں۔ نیز عبارت کی قدامت کو بھی نئے اور شستہ الفاظ سے مزین کیا جائے۔ مگر قضاؤ قدر کے ارادۂ ازلی میں ایسا ہی مرقوم و منظور تھا کہ آپ وجع المفاصل کی قسم کے دردوں سے صاحبِ فراش ہو گئے اور یہ ارادہ ملتوی ہو گیا۔ بلکہ جب کبھی برادرانِ طریقت ان کی طباعت کے متعلق اظہارِ خیال کرتے آپ جواباً یہی فرماتے کہ "ان مضامین کو نظرِ ثانی کی ضرورت ہے۔ جب اس کا وقت آئے گا، مولیٰ کریم کو منظور ہوا تو ہو جائے گا ورنہ خیر۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔"

کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اس عاجز کے استفسار پر اتنا فرمایا کہ "اچھا، تم خود ہی (محترم) سید منیر حسین شاہ صاحب کی معیت میں ان کی نظرِ ثانی کر کے ان کو مربوط اور مسلسل کر لو ——— لیکن مجھ میں تو ان مضامین کو کماحقہٗ سمجھنے کی بھی اہلیت نہ تھی، چہ جائیکہ ان میں کسی قسم کی قطع و برید کرتا ——— بالآخر آپ نے اس مسلسل تکلیف کے دوران میں صرف اتنا کیا کہ ایک دو مضامین کو سن کر چند ایک فقروں کو منسوخ کر کے چند ایک کا ایزاد فرمایا اور اس مجموعہ کا نام "الانسان فی القرآن" تجویز فرمایا۔ کچھ مضامین کی ترتیب بھی سمجھا دی اور کتابت کی اجازت دے دی۔ ساتھ ہی یہ ہدایت بھی فرما دی کہ ہر ایک مضمون پہلے مجھے سنا لیا کرنا پھر کتابت کروایا کرنا۔

آپ کا اس اچانک اجازت دینے سے مجھے خوشی بھی ہوئی لیکن یقین جانیے کہ دل میں ایک دھڑکن بھی

Marfat.com

شروع ہوگئی کہ یہ اجازت بلا وجہ نہیں۔ شاید کہیں کتاب کی تیاری کے بعد ہمیں رشد و عرفان کے اس آفتاب سے حجاب نہ ہو جائے! ـــــ لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ قدرت کتابت کی بھی مہلت نہ دے گی۔ مسطر وغیرہ کی تیاری میں مزید دو مہینے گزر گئے اور ابھی کم و بیش پچاس صفحات تک ہی کتابت پہنچی تھی کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ رفیقِ اعلیٰ سے واصل ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

بالآخر آپ کے جانشین صاحبزادہ **حضرت سید محمد باقر علی شاہ صاحب** مدّ فیوضہم کے ایما سے کتابت کو جاری رکھا گیا، اور علاوہ کسی تحریری سہو کے تمام مضامین کو بغیر کسی ردّ و بدل کے من و عن لکھ دیا گیا ہے اور آپ کے الفاظ کو متبرک جانتے ہوئے اس حد تک پابندی کی گئی ہے کہ حتی الامکان عنوان بھی آپ کی عبارت ہی کے الفاظ سے اخذ کیے گئے ہیں اور مضمون کے تسلسل کو توڑا نہیں گیا ہے۔

انہی وجوہات کی بنا پر ایک عام ناظر اور قارئین کرام کو اس کتاب میں کئی مقامات پر تکرار نظر آئیں گے۔ اور پڑھتے پڑھتے قاری یہ محسوس کرے گا کہ یہ چیز پہلے بھی بیان ہو چکی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک طرح سے قرآن حکیم ہی کی اقتدا ہے، تاکہ ہر ایک مضمون اپنی سالمیت میں دوسرے مضامین کی احتیاج سے بے نیاز ہو۔ کتاب کا نفس مضمون تو میرے کسی تبصرے کا محتاج نہیں اور نہ ہی مجھ ایسے کم علم میں یہ اہلیت ہو سکتی ہے کہ ایک کامل عارف باللہ کی تحریر پر اس سے بڑھ کر کوئی مزید روشنی ڈال سکے۔ کتاب اپنی تعریف خود اور اپنی نوعیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ اور ہر ایک پڑھنے والا اپنی علمی وسعت کے مطابق مستفید ہوگا۔ صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے انسان کی ابتدا سے انتہا تک کے مقاماتِ جسمانی اور مدارجِ روحانی اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں، جو مقامِ اسرار، عالمِ ارواح اور اس کے علم، میدانِ دنیا اور اس کی حقیقت، عالمِ برزخ اور اس کی کیفیات، یوم القیامۃ اور اس کے حالات اور دوزخ و جنت تک کے مقامات پر مشتمل ہیں۔ گویا فرمانِ الٰہی كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ٥ (یعنی تم مُردہ تھے پس تمہیں زندہ کیا، پھر تمہیں مارے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ پھر تم اس کی طرف پھیرے جاؤ گے) کی تفسیر اور انسان کے اس حقیقی اور مسلسل سفر کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

اعتقاد کے میدان میں توحید و رسالت، ایمان و اسلام، قضا و قدر، علمِ غیب، علم الانسان و علم الرحمٰن، اور ردِّ امکانِ کذب و خلفِ وعید وغیرہم پر وہ حقیقت پرور اور بصیرت افروز تبصرہ فرمایا ہے جس کے مطالعہ سے ہر وہ مسلمان جو اس دورِ فتن میں راہِ راست سے بھٹک رہا ہو، صراطِ مستقیم پر آسانی سے چل سکتا ہے۔

Marfat.com

صرف عبدیت سے دور رہ کر جستجوئے حق شرط ہے۔

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، حضور رحمۃ اللہ علیہ نے تمام مضامین کو قرآن حکیم کے استدلال سے ثابت کیا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے سوائے کلام پاک کے کبھی کوئی کتاب مطالعہ نہیں کی۔ البتہ ابتدائی ایام میں صرف کشف المحجوب دیکھی تھی"۔ اور جو چند ایک احادیث ضمناً بیان ہوئی ہیں مسودات میں صرف یہ لکھا ہوتا کہ "یہاں پر فلاں حدیث شریف یا فلاں حوالہ دیکھ کر درج کر لیا جائے"۔ گویا یہ جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا صرف علم لدن سے عطائے الٰہی ہے جو آپ کے قول "عارف عالم ہوتا ہے اور عالم عارف نہیں ہوتا" کی تائید ہے۔

آپ کی درسی تعلیم صرف پانچویں چھٹی جماعت تک محدود تھی؛ جیسا کہ آپ کی سوانح حیات "انشراح الصدور بتذکرۃ النور" میں اس کا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے لیکن بایں ہمہ آپ کی تحریر اتنی بلند ہے کہ سوائے پورے عالم کے (جس کو عربی زبان اور دینی کتابوں پر پورا عبور ہو) آپ کے بیان کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتا۔ آپ اپنے کلام میں قرآن مجید کی آیات کو اس خوبی سے سمو لیتے ہیں جس سے عالم ہی محظوظ ہو سکتا ہے اور عربی یا قرآن حکیم سے ناواقف مفہوم سے قطعاً ناآشنا رہتا ہے۔ اس لیے ہم نے اس دوسرے ایڈیشن میں ایسی آیات کا ترجمہ نیچے حواشی کی شکل میں درج کر دیا ہے۔ گو اس کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیے پوری آیت بلکہ سیاق و سباق کے پورے مضمون کا جاننا ضروری ہے۔ تاہم ترجمہ کی افادیت مسلمہ ہے۔ پہلے ایڈیشن میں ایسی آیات کا ترجمہ درج نہیں تھا۔

ہر مندرجہ آیت کے اختتام پر اکثر "پ۔ ر" لکھ کر اس پر نمبر دیے گئے ہیں۔ پ سے مراد پارہ اور ر سے رکوع ہے۔ یعنی یہ آیت فلاں پارہ کے فلاں رکوع کی ہے۔ اسی طرح بعض جگہ پر اس شکل میں (۳۴ : ۱۷) نمبر درج ہیں۔ یہ سورۃ اور آیت کے نمبر ہیں۔ یعنی یہ چونتیسویں سورۃ کی سترھویں آیت ہے۔ وَقِسْ عَلٰی هٰذَا۔

محمد یوسف خوشنویس کان اللہ لہٗ
حضرت کیلیانوالہ شریف۔ ضلع گوجرانوالہ

۱۴ اپریل ۱۹۶۷ء
۳ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضور رحمۃ اللہ علیہ کی

مختصر سوانح حیات

آباو اجداد

حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق حضرت کیلیانوالہ شریف میں یہ مشہور ہے کہ یہ دو بھائی تھے جو شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ سے حضرت کیلیانوالہ شریف میں حضرت عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لائے جو اس وقت کے بزرگانِ عظام میں سے تھے۔ اور ان سے بیعت کر کے سلسلہ طریقت میں منسلک ہوئے۔ حضرت عبدالسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سیدزادوں کا نکاح اپنی صاحبزادیوں سے کر دیا۔ اب حضرت کیلیانوالہ شریف اور بعض دوسرے اضلاع میں یہ خاندانِ سادات آباد ہے۔

حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر ہیں۔ آپ قادری چشتی خاندان حضرت بابا فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت نوشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قلمی کتب موجود ہیں جن میں آپ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ میرے وقت میں حضرت شیخ احمد سرہندی اور حضرت شاہ جی صاحب بڑے بلند پایہ بزرگ ہیں۔

والدین

حضور رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد سید غلام علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دو بھائی تھے۔ ایک حافظ

Marfat.com

غلام مصطفٰے صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے آپ۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت اللہ بخش صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق رکھتے تھے اور بڑے دیندار بزرگ تھے۔ آپ موضع احمد نگر تحصیل وزیر آباد میں ہیڈ ماسٹر ہو گئے اور عمر کا بڑا حصہ وہیں گزرا۔ حضور کی والدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا کا سلسلہ طریقت بیعت سید فضل شاہ صاحب سے تھا جن کا سلسلۂ طریقت ایک دو واسطوں سے حضرت حاجی حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف والوں سے ملتا ہے۔ خدا کے فضل سے جو بات منہ سے نکلتی تھی پوری ہو کر رہتی تھی۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو آپ بہت دعائیں دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولیٰ کریم تم کو عرش بریں پہ رنگ لگائیں گے لیکن میں نہیں دیکھ سکوں گی۔ چنانچہ آپ کا یہ فرمان بالکل درست ہو کر رہا۔ حضور کے والدین کے مزارات حضرت کیلیا نوالہ شریف میں ہیں۔

قبل از پیدائش

حضور رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ اکبر سید حسین شاہ صاحب جب دس گیارہ برس کے ہوئے تو سید قربان علی شاہ صاحب کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور سائیں صاحب آپ سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ ایک دن حضور رحمۃ اللہ علیہ کے والدین نے سید حسین شاہ صاحب کو فرمایا کہ سائیں صاحب سے دُعا کرواؤ کہ مولیٰ کریم تمہیں ایک بھائی عطا فرمائے۔ چنانچہ سائیں صاحب سے دعا کی درخواست کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ بچے نو ماہ کے پیدا ہوتے ہیں، تیرا بھائی سات ماہ کا پیدا ہوگا اور صرف بالشت بھر ہوگا۔ لیکن جوان ہو کر قد و قامت میں تم سے بڑا ہوگا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ دنیا کے کاموں میں وہ آپ کے کام نہ آئیں گے۔ چنانچہ فقیہ صاحب کی دعا سے سات ماہ کے بعد حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اس عالمِ شہود پر ظہور فرمایا اور واقعی بالشت بھر قد و قامت کے تھے۔ دوسری پیش گوئیاں بھی حرف بحرف درست ثابت ہوئیں یعنی کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ اپنے برادرِ اکبر سے جسیم تھے اور دُنیوی کاروبار میں بھی ان کے کام نہ آئے۔

آپ کا اسم مبارک بھی سید قربان علی شاہ صاحب کے فرمان کے مطابق نُور الحسنؒ رکھا گیا۔

ولادت باسعادت

حضور رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم کے بیاض شریف میں حضور رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت

Marfat.com

بدیں الفاظ مرقوم ہے:

بوقت شب کہ از شب یک نیم پاس باقی بود، بروز چہار شنبہ یعنی شب چہار شنبہ برخوردار سعادت اطوار نور الحسن متولد شد۔ ۲۷ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ ہجری۔ مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۸۹ء موافق ۱۹ ماگھ سمت ۱۹۴۵ بکرمی۔

راقم سید غلام علی شاہ اوّل مدرس احمد نگر چٹھہ تحصیل وزیر آباد۔ ضلع گوجرانوالہ

شجرۂ نسب

حضور رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان صحیح النسب سید بخاری ہے۔ ذیل میں آپ کا شجرۂ نسب درج کیا جاتا ہے:

حضرت سید نور الحسن[۱] شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بن سید غلام[۲] علی شاہ بن سید حیات[۳] شاہ بن سید[۴] عالم شاہ بن سید[۵] سکندر شاہ بن سید[۶] عتیق اللہ شاہ بن سید[۷] جعفر بن سید[۸] جمال بن سید[۹] محمد بن سید[۱۰] محسن بن سید[۱۱] عبد الرشید بن سید[۱۲] نصر اللہ بن سید[۱۳] محمد بن سید[۱۴] عبد الوہاب بن سید[۱۵] اللہ داد بن سید[۱۶] احمد بن سید[۱۷] جمال الدین بن سید[۱۸] سلیمان بن سید[۱۹] یونس بن سید[۲۰] صالح الصوت سہروردی سفید فیل مست بن سید[۲۱] صلاح الدین سہروردی دہلوی سفید فیل مست بن سید[۲۲] احمد شیر شکن بن سید[۲۳] محمد بن میر سید[۲۴] عین الملک بن میر سید[۲۵] زین العابدین ثانی بن سید[۲۶] مودود بن سید[۲۷] عبد العزیز بن سید[۲۸] داؤد بن سید[۲۹] ابو طاہر بن سید[۳۰] جمال الدین، بن سید[۳۱] عبد المجید بن سید[۳۲] ابو الحسن بن سید[۳۳] حامد بن سید[۳۴] میر حمزہ بن سید[۳۵] محمد بن سید[۳۶] طاہر ربانی بن شہزادہ جعفر[۳۷] ثانی بن امام[۳۸] علی ہادی نقی بن امام[۳۹] محمد تقی بن امام علی[۴۰] رضا بن امام موسیٰ[۴۱] کاظم بن امام جعفر[۴۲] صادق بن ابو جعفر امام محمد[۴۳] باقر بن امام زین[۴۴] العابدین بن حضرت امام حسین[۴۵] بن حضرت فاطمۃ[۴۶] الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حضرت محمد[۴۷] مصطفیٰ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

Marfat.com

صغر سنی میں ایک کامل سے توجہ کی درخواست

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے مرشد سید فضل شاہ صاحبؒ احمد نگر میں تشریف لائے تو والدہ صاحبہ نے عرض کیا کہ شاہ صاحب یعنی سید غلام علی شاہ صاحب بوڑھے ہوگئے ہیں۔ اور سید حسین شاہ صاحب میٹرک کا امتحان دے آئے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ وہ پاس ہوجائیں اور کوئی ملازمت مل جائے۔ ہم کوئی تین چار سال کی عمر میں قریب ہی کھیل رہے تھے۔ اچانک خیال آیا اور سائیں صاحب کے پاس آکر کہا کہ "سائیں جی! میرے دل بھی دھیان کریا جے"۔ سائیں صاحب یہ سن کر جذب میں آگئے۔ ہم کو سینے سے لگا لیا اور فرمانے لگے "تیرے دل سوہنیاں ہیلوں، او تیرے دل سوہنیاں ہیلوں۔ او نور تو ہویوں نور"۔ حضورؒ فرماتے تھے کہ اس کے بعد کچھ دن مجھے اچھی طرح ہوش و حواس نہ رہے اور دنیا کے حالات مجھے دکھائی دیتے تھے۔

حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حضور شرقپور شریف میں اولیں شرف ملاقات

حضور رحمۃ اللہ علیہ اپنے برادر اکبر سید حسین شاہ صاحب کی معیت میں تبادلہ اراضی کے لیے شرقپور شریف میں تشریف لے گئے۔ حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضور کو سامنے کرتے سے پکڑ لیا اور سید حسین شاہ صاحب سے دریافت فرمایا کہ ان کا نام کیا ہے؟ شاہ صاحب نے عرض کیا نورالحسنؒ۔ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "نور بنا دوں"؟ حضورؒ فرمایا کرتے کہ میں کبھی کسی افسر بالا سے بھی مرعوب نہیں ہوا تھا لیکن حضرت اعلیٰؒ کا اس قدر رعب چھایا کہ میں بول نہ سکا۔ حضرت اعلیٰ صاحبؒ نے دل پر ٹھیس لگا کر فرمایا کہ مربعوں کے تبادلے کی اتنی بڑی ضرورت نہیں اگر چاہو تو ہم تمہاری قسمت کا تبادلہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ حضور رحمۃ اللہ علیہ اجازت لے کر واپس چک نمبر ۱۴ میں تشریف لے آئے۔

دوسری حاضری اور شرف بیعت

کچھ دنوں کے بعد حضور رحمۃ اللہ علیہ سائیں اللہ داد ساکن برج تاشہ کی معیت میں حضرت اعلیٰ صاحبؒ

Marfat.com

کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ محمد شفیع والی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتے ہی آپ نے حضورؒ کے دست مبارک کو اپنے دست مبارک میں لے کر سورۂ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تلاوت فرمائیں اور فرمایا "تم کو بتانا کیا ہے، کبھی کبھی آکر ہو جایا کرو۔ اس کے بعد حضور رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھیکیداری کا کام چھوڑ دیا اور آنا جانا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس قدر رابطہ بڑھا کہ جس وقت حضرت اعلیٰؒ کو خیال مبارک آیا اسی وقت دوڑے آئے۔ چار دفعہ کی حاضری کے بعد حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ طریقت کے مطابق کچھ بتانا ہی چاہیے۔ چنانچہ سورۂ اخلاص، درود شریف اور اسم ذات تلقین فرما دیے۔

کچھ عرصہ حضور رحمۃ اللہ علیہ جمعہ شریف کے دن ہی تشریف لاتے اور نماز جمعہ کے بعد اجازت ہو جانے پر چک ۱۴۷ میں تشریف لے جاتے۔

حضرت اعلیٰؒ کی خدمت میں قیام

جوں جوں دن گزرتے گئے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت اعلیٰؒ سے بتدریج رابطہ بڑھتا چلا گیا اور شوق و محبت الٰہی زیادہ سے زیادہ تر ہوتا گیا۔ جس کے نتیجے کے طور پر دُنیوی کاروبار سے طبیعت بالکل فارغ ہو گئی۔ حتیٰ کہ حضرت اعلیٰؒ سے ایک لمحہ بھی جدائی گوارا نہ رہی اور آپ نے گھر بار چھوڑ چھاڑ کر حضرت اعلیٰ صاحبؒ کی خدمت اقدس میں رہنا اختیار کر لیا۔

حضرت اعلیٰؒ کی حضورؒ کو توجّہ

حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک روز ہم حضرت اعلیٰؒ کی معیت میں باہر گئے۔ ہمارے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرتؒ جب توجہ دیتے ہیں تو اکثر احباب کو بڑا جوش و خروش پیدا ہوتا ہے لیکن مجھے کبھی کچھ نہیں ہوا۔ اگر آپ مجھے بھی ایسی توجہ دیں تو بہتر ہو۔ اس خیال کا آنا تھا کہ حضرتؒ نے تیز چلنا شروع کر دیا۔ ہمیں بھی محسوس ہو گیا کہ یہ تیز روی میرے اس خیال کا نتیجہ ہے، خدا خیر کرے۔ چنانچہ جب بیٹھک شریف میں پہنچے اور حضرت اعلیٰؒ

Marfat.com

اوپر تشریف لے گئے تو تھوڑی دیر بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے لوہے کی سلاخ تیز بھٹی میں سے انگار ہو کر میرے قلب میں داخل ہو گئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد آپ نیچے تشریف لائے اور پھر اوپر ہی چلے گئے۔ آپ کی طبیعت مبارک میں جوش سا معلوم ہوتا تھا۔ پھر جب آپ نیچے تشریف لائے تو میری طرف دیکھا۔ گو میری طبیعت میں جوش تھا تاہم اظہار بالکل نہ تھا۔ یہ دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا "تم بھی تو کوئی بلا ہو"۔ پھر مہربانی سے گفتگو شروع کر دی اور میری طبیعت میں سکون آ گیا۔

حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی حضورؒ کو نکاح کی فہمائش

حضور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ جب عصر کے بعد حضرت صاحبؒ باہر تشریف لیجاتے تو کبھی کبھی آپ فرمایا کرتے کہ "عزیزہ کی شادی بھی کرنی ہے" تو ہم اکثر عذر ہی کرتے کہ "جناب! میں اس قابل نہیں ہوں"۔ آپ خاموش ہو جاتے۔ ایک دن ہمیں خیال آیا کہ اب ڈاڑھی بھی رکھ لی ہے اور عمر بھی تیس سال سے زائد ہو گئی ہے اب مجھے رشتہ کون دے گا۔ میں نے خواہ مخواہ حضرت صاحب کو ناراض کر رکھا ہے۔ اب جس وقت بات ہوئی رضامندی ظاہر کر دی جائے گی۔ چنانچہ پھر ایک روز جب آپ باہر تشریف لے گئے اور شادی کا تذکرہ فرمایا تو میں نے عرض کیا "جس طرح حضور کی مرضی"۔ آپ سُن کر بیحد خوش ہوئے اور حضرت اعلیٰ کی مرضی کے مطابق رشتہ بھی ہو گیا۔

حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں حضور کے چند اشعار

ایک دفعہ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے حضور کو فرمایا کہ شجرہ میں میرا نام درج کر دو مگر ہو ایک شعر میں۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے تعمیل ارشاد کا ارادہ کیا تو ایک شعر میں تسلی نہ ہوئی۔ چنانچہ کئی ایک شعر موزوں کیے تاہم حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی تا دیبا نہ لا سکے۔ لہٰذا آخر میں معذوری کا اعتراف اور معافی کی خواستگاری ہے ؎

افضل و اکمل، مکمل، راہنمائے کاملاں　　ملتجائے بے کساں ہم مژدۂ افسردگاں

Marfat.com

حامیِ دینِ متین و فخر و عزت خواجگاں
صاحبِ درد و فغاں را سرِ عاشق صادقاں

بے کنارہ بحرِ عرفاں، پادشاہِ عارفاں
مظہرِ جلی سرِ خفی و سرِ از سرِ نہاں!

عاشق و محبوب ربّ العالمیں را بے گماں
ہست مخفی از عواماں رازداناں راعیاں!

نقطۂ نورِ احد از نورِ احمد مجتبیٰ
نورِ نبی، نورِ خدا، نورِ محمد مصطفیٰ!

بمعذوری گنہ گار و خطا وار و شرمسارم
ہمہ زیں صفت موصوفم ولے بافضل تو نازاں

بدتر از بد نفس مارا تنگ آمد زیں بلا!
ادب صدق و صفا بخشید با توفیق اعلیٰ را

اگر خواہم بتو خواہم، نخواہم ماسوائے تو
نخواہم در دو عالم جز محبت در دو اُلفتہا

رحیما رحم کن بر ما، کریما کرم کن بر ما!
شہنشاہِ سخا یک نظر کن از دید بخششہا

حضور رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارک میں یہی آپ کے اپنے اشعار خود آپ کے مناسب حال ہونے کی بنا پر لکھ دیے گئے ہیں۔

حضرت اعلیٰؒ کی معیت میں حاضری مکان شریف

حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ مکان شریف میں تشریف فرما تھے۔ ہمارے حضور رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہمراہ قضائے حاجت کے لیے لوٹا پکڑ کر جنگل میں تشریف لے گئے۔ حضرت اعلیٰؒ نے فراغت کے بعد وضو فرما کر باہر ہی نماز اشراق ادا فرمائی۔ جب آپ نماز ادا کر چکے تو ہمارے حضورؒ نے عرض کیا کہ "حضرت! جب کسی سے محبت ہو تو اس کے نام کا ورد کیا جاتا ہے"؟ حضورؒ کا چونکہ مراحل سلوک میں یہ ابتدائی زمانہ تھا۔ اس لیے ایک مبتدی کی زبان مبارک سے یہ بلند پایہ کلمات سُن کر حضرت اعلیٰؒ کو بڑا تعجب ہوا تو آپ نے دست مبارک سیدھے کر کے ایک لمبا سجدہ کیا۔ جب بڑی دیر تک سجدہ سے سر نہ اُٹھایا تو حضورؒ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت اعلیٰؒ نے آج خلاف معمول اتنا طویل سجدہ کیوں ادا فرمایا ہے؟ تو حضرت اعلیٰؒ نے سجدہ سے سر مبارک اُٹھا کر فرمایا "لالیا! میں تو تمہیں ہی دیکھ رہا ہوں

Marfat.com

کہ کہاں تک انتہا ہے ـــــ اللہ اکبر! کیا مرتبہ ہے کہ قطب زمان بھی متعجب ہو رہے ہیں۔

حضرت اعلیٰؒ کی معیت میں دوسری حاضری مکان شریف

ایک دفعہ حضرت اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ مکان شریف میں ختم شریف میں شمولیت کے لیے تشریف فرما تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ دوپہر کے وقت حضرت اعلیٰؒ نے فرمایا کہ "کوئی بیلی ڈیرہ بابا نانک جا کر کسی سواری کا انتظام کر آئے۔ کوئی بیلی نہ اُٹھا۔ ہمارے حضور رحمۃ اللہ علیہ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضورؒ فرماتے کہ "گرمی کی شدت تھی۔ ڈیرہ بابا نانک پہنچا تو اس قدر بے قراری تھی کہ بیان سے باہر ہے"۔ اس وقت حضورؒ کی زبان سے چند اشعار نکلے جو تبرکاً درج ذیل ہیں:

ہیں دورِ گردوں نے رنگ کیا کیا دکھائے مجھ کو رُلا رُلا کر　　یدِ مقدر بھی تھک گیا ہے گلے کو میرے دبا دبا کر
اِدھر کو کھینچا کبھی بلا کر اُدھر کو پھینکا کبھی ہٹا کر　　اسی تغیر میں مر مٹے ہم کلیجہ اپنا جلا جلا کر
جو روزِ محشر کھلے گا دفتر پڑھے گا ہر اک کتاب اپنی　　حشر کرے گا یہ حال برپا عرش کا پایہ ہلا ہلا کر
عزم یہ تھا کہ نہ ہو شکایت لبوں پہ شکوہ نہ ہوتا لیکن　　ہے دُودِ دل نے زباں کو میری ہلایا آخر جلا جلا کر
جو ہجر فرقت میں مر مٹے ہم امید پر ہیں یہ سانس باقی　　ہے انتظاری تو بس حکم کی یہ مرگ بستر بچھا بچھا کر

تمنا تیری کیا ہے محزوں کبھی نہ پوچھا یہ دل جلوں سے
جو نیم بسمل تڑپ رہے ہیں حجاب کیوں ہے دکھا دکھا کر

حضرت کیلیانوالہ شریف میں مراجعت

حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وصال مبارک سے پہلے ہمارے حضورؒ کو گاہے بگاہے حضرت کیلیانوالہ شریف روانہ فرماتے تھے لیکن آپ کو ایک لمحہ بھی حضرت اعلیٰؒ سے جدائی گوارا نہ تھی۔ دوسرے حضورؒ اپنے حال میں اس حد تک محو و مسرور تھے کہ رجوع الی الخلق سے آپ کی طبیعت متنفر تھی۔ لیکن بالآخر حضرت اعلیٰؒ کے حکم اطاعت پر مجبور ہو جاتے۔ حضرت اعلیٰؒ صرف تبلیغ حق کے لیے حضور رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

کو حضرت کیلیانوالہ شریف میں بھیجتے اور آپ اس صبر آزما جدائی کی تاب نہ لاکر پھر حضرت اعلیٰؒ کے حضور میں پہنچ جاتے تھے۔ جب تک حضرت اعلیٰؒ کا وصال شریف نہ ہوگیا یہ سلسلہ بدستور قائم رہا۔ وصال کے بعد حضور رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اعلیٰؒ کے فرمان مبارک کے مطابق مستقل طور پر حضرت کیلیانوالہ شریف میں قیام فرمایا اور حضرت اعلیٰؒ نے آپ کو خلافت دے کر تبلیغِ حق کے لیے منتخب فرمایا۔

ہمارے حضورؒ حضرت اعلیٰؒ کے مراد تھے نہ کہ مرید۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقیدت مندوں، خادموں اور غلاموں کو ظاہری اور باطنی فیوض و برکات سے مالا مال کر دیا۔ جو اس در پہ آگیا وہ خالی نہ رہا۔ جو مقصد لے کر آیا اس کو پورا پایا ؎

ہر کہ آمد بر درت یا بد مراد! دُرِّ ہر مقصود در کانِ تو ہست

قریباً پچیس سال تک حضور رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں کو تبلیغ حق فرمائی اور روحانی فیوضات سے بھرپور کرتے رہے۔ آپ کی نسبت تامہ تھی جو عین نسبت نبوی کے مطابق تھی۔ آپ کے چہرۂ اقدس سے جلال اور جمال دونوں کا ظہور تھا۔ اور آپ نہایت رحیم و کریم، رحمۃ للعالمین کی نسبت سے محظوظ اور مظہر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ گویا عین نسبت نبوی کا نمونہ تھے۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ کامل اکمل سے نسبت تام حاصل تھی یعنی فنا فی الشیخ سے فنا فی الرسول اور فنا فی الرسول سے فنا فی اللہ کے مقام پر فائز تھے۔ آپ اپنی ظاہری حیاتِ پاک میں جب مواعظِ حسنہ بیان فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا مدینہ طیبہ سے انوار کی بارش ہو رہی ہے اور سامعین حضورؒ کے کلمات طیبہ سے مسرور ہو رہے ہیں۔ قلوب میں رقت اور وجدان طاری ہو جاتا تھا۔

حضورؒ کی حیات پاک کے مفصل حالات، مواعظ حسنہ اور کرامات و معمولات آپ کی سوانح حیات مسمّٰی بہ "انشراح الصدور بتذکرۃ النور" میں ملاحظہ فرمائیں۔ جو ایک ایسی کتاب ہے جس کے پڑھنے سے ایمان کی روشنی فزوں تر ہو جاتی ہے۔ قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور روحانیت غالب ہو کر تسکینِ قلب کا باعث بنتی ہے۔ طالبانِ حق اور جویانِ رشد کے لیے اس کا مطالعہ از بس ضروری ہے۔

تبرکاً ذیل میں چند کرامات درج کی جاتی ہیں:

Marfat.com

کرامات

قبل اس کے کہ عاجز کچھ تحریر کرے، یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ بمصداق "اولیا را می شناسد اولیا" بندگان خدا کو جو نعمت مولیٰ کریم کی طرف سے تفویض ہوتی ہے اس کے متعلق عام آدمی کا اظہار کرنا حقیقت میں کوئی اصل نہیں رکھتا۔ تاہم واقعات اور حالات کے مطابق عوام کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے "ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے" کے مطابق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔

بامقصود بندگان خدا کو مولیٰ کریم کی طرف سے وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ کے مطابق دو طرح کا انکشاف ہوتا ہے:۔

نوعِ اوّل: حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۹۳ میں بیان فرماتے ہیں کہ نوع اول وہ علوم و معارفِ الٰہی جل شانہٗ ہیں جو حق کی ذات و صفات و افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ عقل کے ماسوا اور متعارف معتاد کے برخلاف ہیں۔ جن کے ساتھ اپنے خاص بندوں کو ممتاز کرتا ہے۔

نوعِ دوم: مخلوقات کی صورتوں کا کشف ہونا اور پوشیدہ چیزوں پر اطلاع پانا اور ان کی خبر دینا جو اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ نوعِ اوّل اہل حق اور ارباب معرفت کے ساتھ مخصوص ہے اور نوع ثانی محق اور مبطل یعنی سچے اور جھوٹے دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ استدراج والوں کو بھی نوع ثانی حاصل ہے۔

ناظرین کی خدمت میں معروض ہوں کہ جس طرح ہر نبی یا رسول کو من اللہ اپنے وقت کی ضرورت کے مطابق معجزات عطا فرمائے گئے۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے وقت میں جس جس فن کا کمال تھا اسی کے مطابق عوام کی رہنمائی اور مریضانِ قلوب کی شفا کے لیے مناسب نسخے تجویز فرما کر روحانی طور پر علاج فرمایا گیا، اسی طرح اولیاء اللہ جن کے متعلق حدیث نبوی شاہد ہے کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل (میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے)

Marfat.com

اولیائے کرام بھی ہر موقع پر اپنے وقت کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تشریف لائے اور عوام کے قلوب کو جس مرض کا بیمار پایا، مولیٰ کریم نے اپنی رحمت خاص سے ویسے ہی کرامات سے نوازا۔

ہمارے حضور رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں بداعتقادی کا زور و شور تھا۔ مولیٰ کریم نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان مبارک کے مطابق نوع اول (یعنی علوم و معارف الٰہی جل شانہٗ، جو حق کی ذات و صفات اور افعال کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں) سے مستفیض فرما کر ضرورت وقت کو پورا فرمایا۔ باوجودیکہ آپ کو بظاہر تعلیم سے کوئی خاص حصہ نہ تھا۔ مدرسہ میں پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی لیکن اپنے وقت میں سنت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق کافی تبلیغ فرمائی اور ہزاروں بدعقیدہ آدمی درست ہوئے۔ جمعہ شریف میں بالعموم عقائد اور اپنی حالت کی اصلاح کے متعلق ہی وعظ فرمایا جاتا۔ علمائے کرام کی خاصی جماعت بلکہ نامور علماء آپ کے مریدین میں سے اب تک موجود ہیں۔ مدرسہ بھکھی اور سید جلال شاہ صاحب ایسے نامور عالم بنا آپ کی توجہ پاک ہی کا نتیجہ ہے، اور یہاں سے تمام علماء خالص اہل سنت بن کر تبلیغ کے لیے ہر سال کافی تعداد میں عوام کو مستفیض فرما رہے ہیں۔ یہ قبلہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اظہر من الشمس کرامت ہے۔

آپ کے وقت میں بڑے بڑے علمائے کرام حاضر ہوتے تو آپ بڑی بشاشت سے مولیٰ کریم کی ذات و صفات کے متعلق مسائل پر ایسی مفصل تقریر فرماتے کہ بڑے بڑے علماء متحیر رہ جاتے۔

آپ کی یہ کتاب (الانسان فی القرآن) جس کے متعلق ایک دن حضور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ کتاب جلدی تحریر کرانے کا حکم ہوا ہے، انہی مسائل پر مشتمل ہے۔ چنانچہ اعتقادی مسائل جن میں فی الوقت گمراہ فرقے عوام کے ایمان پر حملہ کرنے کے لیے بیحد کوشاں ہیں۔ مثلاً رُوح مخلوق ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ، آپ کے علم، تصرف اور بشریت کے متعلق مفصل بحث۔ امکان کذب و خُلف وعید کا رد۔ قرآن پاک مخلوق ہے یا غیر مخلوق، توحید فی الذات، توحید فی السر، توحید فی الخلق اور مسئلہ تقدیر وغیرہ۔ ایسے انوکھے انداز میں بیان فرمایا ہے جس کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ علم لدُن کے سوا نہیں جو محض اکرام من اللہ ہے۔ تمام مسائل کو قرآن پاک کے ٹھوس دلائل سے ثابت فرمایا ہے تاکہ عوام کے ایمان کو شیطانی دھوکوں اور گمراہ علماء کے ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھا جائے۔

Marfat.com

کتاب کے مطالعہ سے صاحب ایمان کو سکون حاصل ہوگا اور انشراح صدر اور افزائش ایمان کا باعث ہوگا۔ اور گمراہ فرقوں کے لیے تو قرآن پاک کے فیصلہ کے مطابق یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِیْ بِهٖ كَثِيْرًا کلام الٰہی کے معانی بھی اُلٹے سمجھ کر گمراہی کا باعث ہی بنتے ہیں۔

اَوْلِيَآءُ اللّٰه کا تصرّف:

ایک آدمی موضع سرے تحصیل پھالیہ ضلع گجرات کا رہنے والا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نہایت سادہ لوح تھا۔ عرض کیا کہ حضرت! اللہ کا نام پوچھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ لیکن پانچ نمازیں نہیں پڑھ سکتا۔ کیونکہ اکیلا آدمی ہوں، کام کاج کرنا ہوتا ہے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آسانی سے کتنی ادا کر سکتا ہے؟ عرض کیا کہ تین پڑھ سکوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا۔ جب دوسری مرتبہ حاضر ہوا تو حضورؒ نے دریافت فرمایا کہ کیوں بھئی، کتنی نمازیں پڑھتا ہے؟ عرض کیا کہ حضرت، اب تو پانچوں وقت نماز کے علاوہ اشراق اور اوابین کے نوافل بھی ادا کرتا ہوں۔

(۲) مولوی غلام رسول سکنہ آدھی پر ایک عورت فریفتہ ہوگئی۔ ایک دن مولوی صاحب اس کے دام میں پھنس گئے۔ معاً کیا دیکھتے ہیں کہ حضور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لے آئے اور جس طرف دیکھتے ہیں اسی طرف آپ دکھائی دیتے ہیں۔ اور آپ کے دست مبارک پر نورانی حروف میں تحریر ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (اور جو شخص خدا کے حضور میں حاضر ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو باغ ہیں) چنانچہ وہ عورت اور مولوی صاحب اس تصرّف کو دیکھ کر بچ گئے۔

یہ ہے شیخ طریقت کا تصرّف، کہ اپنے تعلق والوں کو شیطانی دغدغوں سے بچانا اور صراط مستقیم پر چلانا۔ جن حضرات میں یہ قابلیت نہ ہو حقیقت میں وہ پیری مریدی کے قابل نہیں ہیں۔

کرامت بعد از وصال:

عاجز ایک دن لاہور گیا اور مرزا جعفر بیگ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اپنے بیٹے کا ایک خط مجھے دکھایا جو ولایت (لندن) سے آیا ہوا تھا۔ اس میں تحریر تھا کہ:

"اباجی، مجھے ایک بیماری شروع ہوگئی کہ دورہ سا پڑتا ہے اور بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ بڑے بڑے

Marfat.com

ڈاکٹروں کے پاس گیا۔ انہوں نے ٹسٹ کرنے کے بعد کہا کہ ہمیں تو اس کا سبب کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ چنانچہ ایک دن ہوسٹل میں رات کو مجھے دَورہ ہوا۔ بے ہوشی کے عالم میں پڑا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قبلہ حضرت صاحب تشریف لائے ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ "تیرے باپ کے ساتھ تو میں ناراض ہوں کیونکہ میرے وصال کے بعد مجھے ملنے کے لیے نہیں آئے لیکن تیری تکلیف دیکھ کر برداشت نہیں ہو سکا۔ آئندہ اِن شاء اللہ العزیز تجھے یہ تکلیف نہیں ہوگی"۔ چنانچہ اس روز سے وہ تکلیف رفع ہوگئی ہے۔

نوٹ: اُس وقت حضور رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوئے دو سال گزر چکے تھے۔ اور مرزا صاحب اس عرصہ میں حضرت کیلیانوالہ شریف میں نہیں آئے تھے۔ مرزا صاحب کا بیٹا ولایت میں تھا اور اسے نہیں معلوم تھا کہ والد صاحب، حضرت کیلیانوالہ شریف میں جاتے ہیں یا نہیں۔

حضور رحمۃ اللہ علیہ کی بے شمار کرامتیں ظہور میں آئیں جن میں سے اکثر آپ کی سوانح حیات "انشراح الصدر بتذکرۃ النور" میں درج کر دی گئی ہیں۔ یہاں اوراق کی تنگ دامانی کے باعث اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

معمولات شبانہ روز

حضور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نصف شب کے بعد نماز تہجد کے لیے تشریف فرما ہوتے۔ دو رکعت نفل تحیۃ الوضوء اور آٹھ رکعت نفل تہجد ادا فرما کر تین ہزار دفعہ درود خضری (صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ) پڑھ کر کچھ دیر مراقبہ کے بعد تھوڑی دیر آرام فرماتے۔ پھر نیا وضو کر کے نماز فجر ادا فرماتے۔ بعد میں شماروں (کھجوروں کی گٹھلیوں) پر تمام نمازیوں کے ہمراہ درود شریف (خضری) پڑھا جاتا۔ اس کے بعد پاؤ پارہ قرآن پاک بامعنی تلاوت فرما کر چھ رکعت نفل اشراق ادا فرماتے پھر گھر تشریف لے جاتے۔ تھوڑی دیر بعد پھر تشریف لاتے اور جو بیلی باہر سے آئے ہوتے ایک ایک کو بُلا کر ان سے بات چیت ہوتی۔ اس کے بعد دربار شریف حضرت شاہ جی صاحب ڈیڑھ دو گھنٹہ مراقبہ فرماتے۔ پھر بیٹھک شریف میں خطوط کا جواب

Marfat.com

لکھ کر دوپہر کا کھانا تناول فرماتے اور مطابق سنت قیلولہ کے لیے لیٹ جاتے۔ ظہر کے وقت اٹھ کر وضو فرماتے ہر وضو فرماتے وقت سر کا مسح کرتے ہوئے "سرم خاک رہ ہر چار سرور، ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ"، پڑھتے اور کلمہ شہادت اور مروج دعائیں اور سورۂ قدر تلاوت فرماتے۔ ظہر کے بعد آدھ گھنٹہ تک کے قریب مراقبہ فرماتے۔ بعدہٗ بیٹھک شریف میں تشریف لیجاکر اگر کوئی بیلی ہوتا تو اس کے ساتھ مناسب بات چیت فرماتے مولوی صاحبان کے ساتھ قال اللہ وقال الرسول کے مطابق عموماً گفتگو فرماتے۔ اس کے بعد عصر کی نماز کے لیے وضو کرکے چار رکعت سنت پڑھتے اور عصر کی نماز کی جماعت خود کراتے۔ بعدہٗ بحالت تندرستی مناسب بیلیوں کو ساتھ لے کر باہر سیر کے لیے تشریف لے جاتے۔ پھر مغرب کی نماز ادا فرما کر چھ رکعت نوافل اوابین پڑھتے پھر پندرہ بیس منٹ مراقب رہنے کے بعد گھر تشریف فرما ہوتے۔ کھانا تناول فرماتے اور عشا کی نماز کی اذان ہو جاتی۔ پھر عشا کی نماز ادا فرماتے۔ نمازیں پنجگانہ باجماعت مسجد میں ہی ادا فرماتے۔

رفیق اعلیٰ سے وصال مبارک

۱۹۵۰ء میں آپ کو وجع المفاصل کا درد شروع ہوا جو متواتر دو اڑھائی سال رہا لیکن معمولات میں کسی قسم کا فرق نہ آیا۔ صرف مسجد میں تشریف نہ لیجا سکتے۔ کچھ بیلی آپ کے ساتھ بیٹھک شریف میں جماعت سے نماز ادا فرماتے۔ اس طویل علالت میں آپ کہیں تشریف نہیں لیجا سکتے تھے۔ ختم شریف شرقپور شریف کے لیے کچھ بیلیوں کے ساتھ دونوں صاحبزادگان کو بھیجتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را! تو دانی حساب کم و بیش را

صاحبزادگان شرق پور شریف ہی میں تھے کہ تین ربیع الاول کی رات کو عشا کی نماز تیمم سے ادا فرمائی اور گیارہ بجکر پچیس منٹ پر عین قبلہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال شریف کے وقت کے مطابق شب ۳، ربیع الاول کو روح مبارک اس دارِ فانی سے پرواز کرتی ہوئی اعلیٰ علیین میں واصل بحق ہوئی۔ ۳، ربیع الاول ۱۳۷۲ھ ہجری۔ مطابق ۲۱، نومبر ۱۹۵۲ء۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال ۱۱ ماہ کی تھی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

Marfat.com

غلام حسین واصف کنجاہی نے تاریخ وصال لکھی ہے

غوث وقت خویش و شمس علم و دیں — حجتے بر منصبش تصنیف او

قطب عالم سیدی نور الحسنؒ — بے عدیلش راست گر خواہی بگو

واصل حق گشت و تاریخش وصال

یک ہزار و سہ صد و ہفتاد و دو

۱۳۷۲ھ

حضورؒ کی اولاد پاک

(۱) سید محمد باقر علی شاہ صاحب (۲) سید محمد جعفر علی شاہ صاحب

(۳) سیدہ ثریا خاتون رحمۃ اللہ علیہا (۴) سیدہ بلقیس فاطمہ

حضرت سید محمد باقر علی شاہ صاحب کی ولادت باسعادت ۵ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ ہجری مطابق ۲۴ اسوج سمت ۱۹۸۷ بکرمی یعنی ۹ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو بروز جمعرات اپنے ننہال موضع بدورنہ میں ہوئی۔ آپ کے متعلق حضورؒ فرمایا کرتے کہ بفضلہٖ تعالیٰ صاحب عبادت اور صاحب طریقت ہوں گے۔ مولیٰ کریم نے قبل از پیدائش ہی ان پر فضل فرما دیا ہے چنانچہ آج حضور رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کا ظہور اظہر من الشمس ہے اور لاتعداد انسان ہر جمعہ شریف پر حاضر ہو کر طریقت میں داخل ہو کر فیوض و برکات حاصل کر رہے ہیں۔ آپ کے اخلاق اعلیٰ کا دوست و دشمن معترف ہے۔ آپ کے وصال مبارک کے بعد روضہ مبارک عظیم الشان تعمیر کروایا۔ مسجد کا برآمدہ بنوایا اور تمام مسجد کو پلستر کروا کر فرش لگوایا۔ مسجد کے شمال مشرق میں وضو کے لیے اعلیٰ ترین جگہ تعمیر کرائی۔ دربار شریف حضرت شاہ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمارت بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اُسے از سر نو مرمت کروا کر پلستر اور فرش اندر اور باہر لگوایا۔ رہائشی مکان از سر نو تعمیر کروائے۔ چھوٹے بھائی کی شادی نہایت کشادہ دلی سے حضرت صاحب مکان شریف سجادہ نشین حضرت سید محمد محفوظ حسین صاحب کے ہاں کرائی اور ہمشیرہ صاحبہ کی شادی حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے حضرت سید محمد عثمان علی شاہ صاحب کے ساتھ کی۔ حضور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "الانسان فی القرآن" اور آپ کی سوانح حیات چھپوا کر شائع کی۔ دس بارہ سال کی مدت میں اتنے کاموں کا کرنا اور طریقت کی رونق کو قائم

Marfat.com

رکھنا بلکہ بڑھانا عام آدمی کا کام نہیں۔ انسان کا درجہ اس کے اخلاق اور کردار ہی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔ گو اس مختصر تحریر میں گنجائش نہیں کہ واقعات کا ذکر کیا جائے تاہم ایک واقعہ عرض کرتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت سید محمد باقر علی شاہ صاحب کو ایک کام کا خیال تھا لیکن حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "لالہ سائیاں وکوں منع اے" یعنی صاحبانِ طریقت اس کام میں خوش نہیں۔ اس وقت آپ کی عمر بہت تھوڑی تھی خیال ہوا کہ شاید اباجی ویسے ہی مجھے منع فرما رہے ہیں۔ رات کو عالم رؤیا میں دیکھا کہ "ایک آفت میری طرف ایذا پہنچانے کے لیے دوڑ رہی ہے اور میں آگے آگے دوڑ رہا ہوں۔ سامنے کیا دیکھتا ہوں کہ دو بزرگ کھڑے ہیں اور مجھے اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت' یہ بلا مجھے ایذا دینا چاہتی ہے۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا تو وہ نیست و نابود ہو گئی۔ عرض کیا حضرت آپ کون صاحب ہیں؟ تو دوسرے صاحب نے فرمایا کہ یہ حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا مظہر العجائب و الغرائب کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت، مجھے ذرا چھوڑیئے۔ آپ نے چھوڑ دیا تو میں نے آپ کے قدمین مبارک پر بوسہ دیا۔ آپ نے مجھے اٹھا کر فرمایا کہ تمہیں اباجی نے فرمایا نہیں تھا کہ صاحبانِ طریقت اس کام میں ناخوش ہیں" صبح سویرے اٹھتے ہی حضور رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ الگ ہو کر عرض کیا تو آپ نے تین دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پڑھا اور فرمایا کہ میرے کہنے پر تو تمہیں یقین نہیں آیا تھا۔ عرض کیا کہ اباجی، اگر اس وقت ہی یقین ہو جاتا تو یہ نعمت تو نہ مل سکتی۔ چنانچہ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے پیار فرمایا۔

ایسے سیکڑوں واقعات ہیں لیکن اس واقعہ سے حضور رحمۃ اللہ علیہ کے مدارج اور موجودہ حضرت صاحب کے تعلق کی جھلک آپ کو نظر آکر اطمینان کا باعث ہو گی۔

آپ کی اولاد:

مولیٰ کریم نے جس طرح باطنی نعمات سے آپ کو پیدائشی طور پر سرفراز فرمایا اسی طور اولاد کی نعمت سے بھی مالامال فرمایا ہے:

(۱) سید عظمت علی شاہ صاحب اس وقت زندگی کی سترھویں بہاریں ہیں۔ خوش صورت خوش سیرت نوجوان ہیں۔ قبلہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں پیدا ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ طریقت کے بادشاہ ہوں گے۔ چنانچہ آج ہی سیکڑوں بلکہ ہزاروں آدمی عقیدت کی نظر سے ان کی خدمت میں حاضر

86000 ~~68500~~

Marfat.com

ہیں۔ سکول میں مڈل کرنے کے بعد عربی دینی تعلیم حاصل فرما رہے ہیں۔ قبلہ والد صاحب سلمہٗ ربہٗ نے تمام خانگی اخراجات اور انتظام آپ کے ذمہ کر دیا ہے جسے آپ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔

(۲) سیّد عصمت علی شاہ صاحب بخاری آپ کے دوسرے صاحبزادے ہیں جو نہایت خوش اخلاق اور خوبصورت نوجوان ہیں۔ حضور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ شہنشاہ ہوں گے۔ چنانچہ آپ نہایت رقیق القلب ہیں۔ کسی غریب مسکین کی تکلیف گوارا نہیں کرتے۔ جس قدر روپیہ پیسہ آپ کے پاس ہو، کسی مستحق سائل کو اسی وقت نکال کر دے دینا ان کا شیوہ ہے۔ قرآن مجید کی قرأت نہایت خوش الحانی سے کرتے ہیں۔ مولیٰ کریم نے لحن داؤدی عطا فرمایا ہے۔ نعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے ہیں تو سامعین پر کیف و وجد طاری ہونے لگتا ہے۔ وہ دن دور نہیں کہ حضور رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان مبارک اظہر من الشمس ہویدا ہو کر عوام کے دلوں کی راحت کا موجب ہوگا۔ اس وقت دسویں جماعت کا امتحان دینے والے ہیں۔ والدین کے فرمان کو اپنی سعادت جانتے ہیں اور حضور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تعلق والوں سے نہایت مہربانی سے پیش آتے ہیں۔ اس وقت زندگی کی پندرھویں بہاریں ہیں۔ مولیٰ کریم اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس نعمت عظمیٰ کے دیکھنے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین

(۳) سیّد فراست علی شاہ صاحب آپ کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ نہایت سنجیدہ، راست گو، مستقل مزاج، قوی الارادہ اور غیور طبیعت کے مالک ہیں۔ اس وقت سکول میں پانچویں جماعت پڑھ رہے ہیں۔

(۴) سیّد عارف علی شاہ صاحب نہایت خوش اخلاق، باحوصلہ اور محنتی ہیں۔ اس وقت پانچویں کلاس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

(۵) سیّد آصف علی شاہ صاحب نہایت خوش شکل، لطیف مزاج، اپنی عمر کی نویں بہاریں ہیں، اور تیسری جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔

(۶) سیّد فیض الحسن صاحب۔ ان کی عمر مبارک پانچ سال کے قریب ہے۔ نہایت خوبصورت، خوش اخلاق اور ہونہار نہایت پیارے ہیں۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ ان شاء اللہ العزیز

Marfat.com

کسی دن خدا کے فضل سے عوام اور والدین کے دل کی ٹھنڈک کو دوبالا کریں گے ۔ ایک مجذوبہ مائی صاحبہ جو قبلہ حضرت صاحب کے ہاں تشریف لاتی ہیں انہیں دیکھ کر فرمایا تھا کہ "یہ مردِ خدا ہوں گے"۔ اور عاجز کو بھی حضور رحمۃ اللہ علیہ نے عالم رؤیا میں فرمایا کہ "یہ میرا بچہ بھی اللہ کا بندہ ہے"۔ ان شاء اللہ العزیز

اور دو صاحبزادیاں ہیں جو چھوٹی عمر میں ہیں ۔

سید محمد جعفر علی شاہ صاحب

آپ حضور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چھوٹے فرزند ہیں ۔ نہایت خوش صورت اور خوش سیرت نوجوان ہیں۔ اپنے برادرِ اکبر کے فرماں بردار اور عوام متعلقین سے نہایت خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ موجودہ حضرت صاحب نے تمام کام ان کے سپرد کر رکھے ہیں جنہیں آپ نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے ہیں۔ آپ کی شادی سجادہ نشین مکان شریف سید محفوظ حسین صاحب کے ہاں ہوئی ہے اور مولیٰ کریم نے آپ کو دو فرزند اور ایک لڑکی عطا فرمائی ہے ۔

(۱) سید رضوان الحسن جن کی عمر پانچ سال کے قریب ہے ۔ نہایت خوبصورت، مضبوط الجسم اور تیز طبع ہیں ۔ مولیٰ کریم ان کی عمر دراز اور دین و دنیا کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے ۔

(۲) سید صنعان الحسن ۔ یہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں ۔ نہایت خوش اخلاق، خوش خصال اور خوبصورت بچے ہیں ۔ تحقیق کا مادہ ان کے دماغ میں بہت زیادہ ہے ۔ ان علامات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دن اعلیٰ ترین شخصیت بننے والے ہیں ۔

ایک چھوٹی بچی ہے ۔

درگاہ رب العالمین میں دعا ہے کہ مولیٰ کریم اس باغ کے ہر پھول، ہر غنچے اور ہر کلی کو دنیا و آخرت کے ثمرات حسنہ سے بارآور فرمائیں ۔ آمین

سید منیر حسین شاہ

خادم دربار حضرت کیلیانوالہ شریف

Marfat.com

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

ترجمہ: سب تعریف پروردگار عالمین کے لیے ہے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، دن انصاف کا مالک ہے۔ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تیری مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستے پر چلا، ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا ہے سوائے اس کے کہ جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔

تشریح:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (سب تعریف پروردگار عالمین ہی کے لیے ہے)

حقیقت تعریف تمام موجودات کی خلقت اور ربوبیت کی وجہ پر اس خالق موجودات اور پروردگار عالمین کے لیے ہی خاص ہے، خواہ وہ عالم موجودات سے ہو یا عالم محسوسات معلومات اور معروفات سے، بہرحال ربوبیت کی بساط پر ظہور اور نشان کا گلدستہ ہے، جو توحید فعلی کے مترادف ہے اور مطابق يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

Marfat.com

اَلْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ[1] ۝ اور وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ[2] سراسر تسبیح خواں قالی وجہ پر اور سراسر تعریف حال کی رُو سے اظہر من الشمس ہے۔ معنی شناسوں یعنی عارفوں کے لیے مشاہدہ اور یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ[3] کے ماتحت بے علموں کے لیے وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ[4] کا فرمان روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

ربوبیت کا تعلق ہر کہ ومہ اور ہر چیز سے پرورش کی وجہ پر یکساں ہے خصوصاً انسان خواہ کافر ہو یا مسلم، منافق ہو یا مومن، فاسق ہو یا مشرک، ولی ہو یا پیغمبر سب کے سب اس میں شامل ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مومن کو تو نور ایمانی سے، اور منافق کو نفاق سے، فاسق کو فسق سے، کافر کو کفر سے اور جاہل کو جہالت سے نسبت ہے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی[5] کی زبردست سنت کے مطابق ربوبیت کا تصرف رب العالمین کی طرف سے جاری ہے اور تاقیامت جاری رہے گا۔ اور یہ دو نوع پر منقسم ہے جسمانی اور روحانی۔ اور دونوں وجہ پر مولیٰ کریم کی طرف سے برابر ہے۔ بلکہ دنیوی ترقی نافرمانوں اور کافروں کے لیے زیادہ ہوا کرتی ہے لیکن روحانیت کی بساط پر ایک نقطہ بھی ان کے نصیب میں نہیں ہو سکتا۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی:

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ	جو کوئی چاہتا ہے کھیتی آخرت کی زیادہ دیتے ہیں ہم
لَهٗ فِیْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ یُرِیْدُ حَرْثَ	اس کو بیج کھیتی اس کی کے اور جو کوئی چاہتا ہے کھیتی
الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ	دنیا کی دیتے ہیں ہم اس کو کچھ اس میں سے اور نہیں
مِنْ نَّصِیْبٍ ۝ (پ ۲۵ - ۴)	واسطے اس کے بیچ آخرت کے کچھ حصہ

---

[1] اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، بادشاہ کمال، پاکی والا عزت والا حکمت والا (سورۂ جمعہ) [2] اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے (سورۂ بنی اسرائیل) [3] جو بے دیکھے ایمان لاتے ہیں (سورۂ بقرہ) [4] ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے (بنی اسرائیل) [5] جدھر پھرنا چاہے ہم اسے پھیر دیں گے (سورۂ نساء)

Marfat.com

تاہم یہ تقسیم من اللہ دو وجہ پر ہے۔ ایک عوام کے لیے جس میں مومن، منافق، کافر، فاسق، سب برابر ہیں۔ کمی بیشی عین حکمت اور انتظام کی بنا پر واقع ہے۔ فرمایا ہے:

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا — اور اگر کشادہ کرتا اللہ رزق واسطے سب بندوں اپنے
فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ — کے البتہ سرکشی کرتے بیچ زمین کے۔ ولیکن اتارتا ہے
مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ — ساتھ اندازے کے جو کچھ چاہتا ہے۔ تحقیق وہ ساتھ
بَصِيْرٌ ۝ (پ ۲۵ - س ۴۲) — بندوں اپنے کے خبردار ہے، دیکھنے والا۔

یہ تقسیم انتظام کو ملحوظ رکھتے ہوئے عام مخلوق کے لیے ہے۔ پھر بھی کئی قسم کے فساد، زبردستیاں اور ظلم ظہور میں آ ہی رہے ہیں جو کسی قدر اختیارات انسانیہ کا ثمر ہے۔ مومن کے لیے یہ تقسیم روا نہیں ہے ؎

ما می کشیم دوست و ما پروریم دشمن!
کس را مجال نیست کہ چون و چرا کند

کما قال اللہ تعالیٰ عزّ وجلّ:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ — نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے ایمان والوں کو اوپر
عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ — اس حالت کے کہ ہو تم اوپر اس کے یہاں تک کہ
مِنَ الطَّيِّبِ ۭ (پ ۴ - س ۹۷) — جدا کر دے ناپاک کو پاک سے۔

حدیث شریف میں ہے کہ دنیا خداوند کریم کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مردار سے تشبیہ دی ہے۔ محققین نے اس کی اصلیت اور حقیقت کو گمراہ کنندہ اور ناپاکی و خباثت سے تعبیر کیا ہے، اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنٌ وَّمَا فِيْهَا مَلْعُوْنٌ[1]

[1] دنیا خود بھی ملعون ہے اور جو کچھ اس میں (اس کے حصول کا ذریعہ) ہے سب ملعون ہے۔

Marfat.com

فرمایا ہے۔ فرمان ایزد متعال یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ [1] اسی کی خباثت سے عبارت ہے جب مومن بفضلہ تعالیٰ اس سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کا قلب اطہر بالکل منزہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کو اس قدر دیتے ہیں جس قدر وہ نہیں چاہتا۔ کیونکہ پھر نقصان کا اندیشہ نہیں رہتا۔ بعض ناعاقبت اندیش مسلمان ہونے کے باوجود اس حکمت کاملہ پر معترض ہو بیٹھتے ہیں۔ اور یہ شیطانی دغدغہ ہے۔ بعض اس کے جال میں ایسے پھنستے ہیں کہ دہریت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مومن بھی اس بلائے عظیم میں کچھ نہ کچھ غلطی کھا بیٹھتا ہے۔ اسی لیے اس موقع پر

اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ (بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا)

کے اسم مبارک لائے گئے ہیں۔ یعنی بڑا مہربان ہے اپنی مخلوق پر، اور رحیم۔ اس لیے کہ جو گناہ بھی کرتے ہیں اور توبہ بھی کرتے ہیں ان کے لیے رحیم کا اسم گرامی آیا ہے۔ مولیٰ کریم ایسوں پر بھی رحم فرماتے ہیں۔ رحمٰن کا لفظ عام ہے اور رحیم کا خاص۔ رؤف الرحیم فرماتے ہیں کہ:

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا — اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ساتھ اس چیز کے کہ کماتے

مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَا مِنْ دَآبَّۃٍ — ہیں نہ چھوڑے اوپر پشت زمین کے کوئی چلنے والا۔

(پ ۲۲۔ ع ۱۷) (فاطر۔ آیت آخر)

لیکن رحمت کو اس نے اپنی ذات پہ لازم کر رکھا ہے (کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ [2] پ ۷۔) یہ رحمت خاص مومنین کے لیے ہے، مشرکین، منافقین اور کافرین کے لیے نہیں۔ گو ایک لحاظ سے ان پر بھی رحمت ہے کہ دنیا میں ان کو فوراً پکڑا نہیں جاتا اور موت تک ان کے لیے مہلت ہے جو دراصل غضب کے مترادف ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا — اور نہ گمان کریں وہ لوگ کہ کافر ہوئے ہیں یہ کہ جو

---

[1] ناپاک کو پاک سے الگ کر دے۔ [2] لازم فرمایا اوپر ذات اپنی کے رحمت کو۔

Marfat.com

نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ط اِنَّمَا — ڈھیل دیتے ہیں ہم ان کو بہتر ہے واسطے جانوں ان کی

نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ج وَلَهُمْ — کے سوائے اس کے نہیں کہ ڈھیل دیتے ہیں ہم ان کو تو کہ

عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ (پ۴۔ س۹) — زیادہ ہو جائیں گناہوں میں اور واسطے ان کے عذاب ہے خوار کرنے

دراصل مولیٰ کریم کا معاملہ انسان کے ساتھ ایسا خاص ہے جو کسی اور مخلوق کو نصیب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سخت سے سخت گنہ گار بھی جب مولیٰ کریم کے دربار میں غلطی کو تسلیم کر کے گڑگڑاتا اور نہ دل سے توبہ کرتا ہے تو اسی وقت اس پر رحمت کی برسات برسنے لگتی ہے اور کوئی گناہ اس کا باقی نہیں رہتا۔ کراماً کاتبین سے پہلی کتابیں واپس لے لی جاتی ہیں اور ان کو نئی کتابیں دی جاتی ہیں۔ بلکہ مطابق فرمان ان کی بدیاں نیکیوں سے بدل دی جاتی ہیں:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا — مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور کیا کام اچھا

صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ — پس یہ لوگ بدل ڈالتا ہے اللہ برائیوں ان کی کو

سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط (پ۱۹۔ س۴) — ساتھ بھلائیوں کے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ منکرین اور کافرین پر ایک رحم ہے جو غضب کے مترادف ہے۔ اس کے برعکس جب مومن سے کوئی لغزش ہوتی ہے تو اس کو گرفت کی جاتی ہے تاکہ اس میل کچیل سے صاف ہو کر درست ہو جائے۔ مومنین کے لیے اس میں تین درجے ہیں۔ پہلا شخص گناہ کو تو جانتا ہے لیکن اس کے ارتکاب سے اس کی طبیعت کو احساس بہت کم ہوتا ہے۔ توبہ و استغفار سے معافی حاصل کر لیتا ہے اور سوائے ندامت کے اس کے بطن پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ دوسرے شخص سے اگر کوئی غلطی ہو تو وہ طبیعت میں ایک کمی محسوس کرتا ہے۔ اور تیسرا اگر کسی خطا کا مرتکب ہو (لیکن یاد رہے کہ ان کی خطا عوام کی مثل نہیں ہوتی بلکہ عوام کا فعل اور ان کا خیال برابر ہوتا ہے) تو ذرا سی غلطی کی وجہ سے ان کی حالت سخت دگرگوں ہو جاتی ہے اور بیمار ہو جاتے ہیں۔ بعض

Marfat.com

اوقات تو جب تک حالت درست نہ ہو جائے ہوش و حواس بھی قائم نہیں رہتے۔ ان پر غضب رحمت کے مترادف ہوتا ہے۔ یہ مدارج احساس خداوند کریم کی توفیق اور مہربانی سے ہوتے ہیں سب سے سخت اور بدتر گناہ وہ ہوتا ہے جس کا احساس نہ ہو بلکہ عین غضب الٰہی کا باعث ہے کیونکہ ایسی حالت میں توبہ اور اصلاح ناممکن ہوتی ہے، کما قال اللہ تعالیٰ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت بلند کرو آوازیں اپنی کو
اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا	اوپر آواز نبی کے اور مت آواز بلند کرو اور اس کے
لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ	بیچ بولی کے جیسا بلند کرتے ہیں بعضے تمہارے واسطے
تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝	بعضے کے۔ ایسا نہ ہو کہ کھوئے جائیں عمل تمہارے
(پ ۲۶ - س ۱۳)	اور تم نہ سمجھتے ہو

مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ (مالک ہے روز جزا کا یعنی انصاف کا)

مراد اس سے یوم القیامۃ ہے جس دن حساب و کتاب، جزا و سزا اور عدل و انصاف بادشاہ حقیقی کے حکم سے ہوگا۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ کی عبارت محض ہماری تفہیم کے لیے ہے جس دن کہ بھاگے گا ہر ایک آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹے سے چنانچہ فرمایا ہے یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ۝ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ۝ (پ ۳۰ - س ۵)۔ اور نہیں پوچھے گا کوئی دوست، دوست کو (لَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا ۝ پ ۲۹ - س ۷) بلکہ سب دوستیاں دشمنی میں بدل جائیں گی مگر متقیوں اور اللہ والوں کی دوستی کما قال اللہ تعالیٰ: اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَىٕذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (پ ۲۵ - س ۱۲) اور اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے، ہنستے، خوش وقت۔ اور کتنے منہ غبار آلودہ اور سیاہی مائل ہوں گے (وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ پ ۳۰۔ ۸) بہت سے چہرے تو اپنے رب کی طرف دیکھنے سے تر و تازہ ہوں گے اور بہت سے متفکر ہوں گے۔ گمان کریں گے کہ ان کی کمر کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں (وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۙ تَظُنُّ اَنۡ يُّفۡعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ؕ پ ۲۹۔ ۱۷) تو چونکہ تمام تر اقتدار مالک الملک کے ہاتھ میں ہوگا اس لیے کسی قسم کی رشوت نہیں چلے گی۔ حتیٰ کہ فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كُفَّارٌ	جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا اور کفر ہی پر مر گئے۔
فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡ اَحَدِهِمۡ مِّلۡءُ	اگر کوئی ان میں سے اپنے بچاؤ کے لیے زمین بھر
الۡاَرۡضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افۡتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ	سونا بھی زرِ فدیہ کے طور پر ادا کرے تو قبول نہیں کیا
لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ وَّمَا لَهُمۡ مِّنۡ	جائے گا۔ ان کے لیے نہایت دردناک عذاب
نّٰصِرِيۡنَ ۝ (پ ۳۔ ۱۷)	تیار ہے اور کوئی ان کا مددگار نہیں

یہ دن سوائے ان لوگوں کے جو محو دیدار ہوں گے سب کے لیے کم و بیش سخت ہوگا، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔ اسی لیے اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ تاکہ اس کو تہ دل سے یاد بھی رکھو اور مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کے اسم مبارک سے پکارو۔ ورنہ اس تخصیص کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ابتدا سے انتہا تک کا مالک، حیوانات، نباتات، جمادات اور معدنیات بلکہ تمام موجودات سب کا مالک۔ نہ اس کے لیے ابتدا نہ انتہا۔ جو ہمارے علم میں آچکا ہے اور جو نہیں آیا سب کا مالک ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جب کوئی چیز نہ تھی، اس وقت مالک الملک کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ قبل از ظہور ہر ایک چیز ذات پاک کے علم میں متحقق تھی، جو اب بھی ہے۔ جس کا ظہور ہو چکا ہے اور جس کا ابھی تک نہیں ہوا، متحقق ہونے میں برابر ہے۔ جیسے ذات پاک علیم بھی ہیں اور عالم بھی۔ علیم اپنی ذات کے لیے ہیں جس میں غیر کا واسطہ نہیں، اور

Marfat.com

عالم غیر کے لیے۔ (قبل از ظہور اور بعد از ظہور) فرق یہی ہے۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ (ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں)

قرآن حکیم میں فرمان مولیٰ کریم عزّ وجلّ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝ [1] (پ ۲۷ ۔ ع ۲) اظہر من الشمس ہے۔ ہماری تخلیق کا منشا ہی عبادت ہے تاکہ اس معبود حقیقی کا (عبد ہونے کی حیثیت سے عبادت کے ذریعہ اس کی خوشنودی حاصل کر کے) عرفان حاصل کریں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمان مبارک صادر ہو رہا ہے: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (پ ۱۴ ۔ ع ۶) یعنی اس حد تک اپنے رب کی عبادت کر کہ علم الیقین عین الیقین کو عبور کرتا ہوا حق الیقین کو حاصل کرے جو اصل مقصود اور منشائے تخلیق ہے۔

مولیٰ کریم نے اپنے خاص فضل اور مہربانی سے انسان کے ہر عضو کو عبادت کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔

زبان کی عبادت بموجب فرمان وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا [2] قرآن پاک کا پڑھنا اور مطابق يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ نیک کاموں پر حکم کرنا اور برے کاموں سے منع کرنا یعنی وعظ و نصیحت اور ذکر ہے۔

کان کی عبادت کلام مجید اور خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کی نصیحت کا سننا ہے حقیقت میں ہدایت کی ابتدا اسماعت ہی سے شروع ہوتی ہے۔ ہر وہ آواز جو کانوں تک پہنچتی ہے دل میں جاگزیں ہو کر باعث رشد و ہدایت ہوتی ہے اس لیے ہدایت کا پہلا زینہ ہی کان ہے۔

آنکھ کی عبادت قرآن کریم کا دیکھنا، موجودات کی تخلیق میں غور و تفکر کر کے آیات الٰہی

ف ۱ اور میں نے جن اور آدمی اسی لیے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

ف ۲ قرآن خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھو۔

Marfat.com

کا معلوم کرنا اور تجلیات الٰہی کا پانا ہے۔

ہاتھ کی عبادت مولیٰ کریم کے دین کی حفاظت کے لیے اس کے دشمنوں سے جہاد کرنا، سخاوت کرنا اور طاقت بازو کا کسی کمزور بندۂ خدا کی مدد میں خرچ کرنا ہے۔

پاؤں کی عبادت قیام کرنا، نماز کے لیے مسجد میں جانا، حج بیت اللہ کے لیے سفر کرنا مسجد نبوی اور مطابق فرمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ[1] آپ کے روضہ مبارک کی زیارت کے لیے جانا اور اولیائے کرام و صلحائے عظام کی خدمت میں یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ[2] کے لیے حاضر ہونا اور علیٰ ہٰذا القیاس زیارۃ القبور اور اولیاء اللہ کے مزارات پر پہنچ کر درس عبرت لینا اور مطابق فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً[3] مولیٰ کریم کی عطا کردہ حیات طیبہ سے مستفیض ہونا، غرض ہر نیکی کے کام کے لیے چلنا ہے۔

دل کی عبادت مطابق فرمان فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ[4] یاد الٰہی اور معرفت خداوندی ہے۔

اے عزیز! اسی طرح ہر ایک عضو کے لیے كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاكِلَتِهٖ[5] کے موافق مختلف عبادتیں مقرر ہیں۔ اپنے مقصد حیات و تخلیق کو مت بھول۔ غفلت میں پڑ کر كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ[6] کا مصداق نہ بن اور یاد رکھ کہ کان، آنکھ اور دل، سب ہی اعضا سے یقیناً باز پرس ہونے والی ہے۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔

وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (اور تجھ ہی سے ہم استعانت یعنی مدد طلب کرتے ہیں)

---

[1] جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

[2] خدا تعالیٰ کی رضامندی چاہتے ہیں۔ [3] پس زندگی بخشتے ہیں ہم اس کو زندگی پاکیزہ۔

[4] تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کروں گا۔ [5] سب اپنی شکل پر عمل کرتے ہیں۔

[6] چوپایوں کی طرح بلکہ وہ بہت زیادہ گمراہ ہیں۔

Marfat.com

ہر قسم کی نصرت واعانت اس فاعل حقیقی ہی کی طرف سے ہے۔ لیکن سنت اللہ یہ ہے کہ براہِ راست کسی فعل کا صدور و ظہور روا نہیں بلکہ ہر ایک عالم میں اسی کے مطابق اسباب کا التزام فرمایا ہے اور ہر ایک فعل کا ظہور اسباب سے متعلق رکھا ہے۔ اسی سنت اللہ کے مطابق نصرت واعانت میں بھی اسباب کو مؤثر اور ملازم کیا ہے جو حقیقت میں اس ذات پاک ہی کی طرف سے ہے۔ اسباب کا انکار مسبب کا انکار ہے۔ جیساکہ:

ا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کے وقت میں جب ابرہہ نے کعبۃ اللہ کے گرانے کا ناپاک عزم کیا اور حضرت عبدالمطلب کے اونٹ ہنکا لے گیا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا۔ ابرہہ نے کہا اونٹوں کی فکر کرتے ہو اور کعبہ کی فکر نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ اونٹ میری ذاتی ملکیت میں ہیں، ان کی حفاظت میرے ذمے ہے اور گھر (کعبہ) کی حفاظت اس کے مالک کے ذمے، وہ خود اس کو سنبھال لے گا۔ چنانچہ آپ اپنے اونٹ لے کر واپس چلے آئے۔

گو مولیٰ کریم کئی طرح سے بغیر اسباب کے ان کو تباہ کرنے پر قادر تھے۔ ویسے ہی ان کی روحیں قبض کر لی جاتیں، لیکن مطابق سنت، عالم اسباب میں ان کی تباہی کے لیے اسباب ہی کا التزام فرمایا اور مطابق فرمان:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ؕ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۙ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۙ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ؗ (پ ۳۰)	کیا نہ دیکھا تو نے کیونکر کیا پروردگار تیرے نے ساتھ ہاتھیوں والوں کے۔ کیا نہ کر دیا مکر ان کا بیچ گمراہی کے، اور بھیجے اوپر ان کے پرند جانور جماعت جماعت پھینکتے تھے ان پر پتھر کنکر سے بس کر دیا ان کو مانند بھوسے کھائے ہوئے کے۔

Marfat.com

چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو ارسال فرما کر فَعَلَ رَبُّكَ سے تعبیر فرمایا۔ یعنی ابابیل کے فعل کو حقیقت میں اپنا فعل فرما کر ان کو كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ کر دیا۔ یہ ہے سنت اللہ۔ اب اگر کوئی اس ابابیل کے فعل کا انکار کرے تو اصل میں فَعَلَ رَبُّكَ کا انکار ہے، جو کفر سے کم نہیں ہے۔

۲۔ ہر ایک انسان (مسلم اور غیر مسلم) نظام شمسی کا مُقر ہے۔ عالم موجودات میں ہر ذی روح بلکہ نباتات اور معدنیات تک کی نشو و نما اور حیاتی کا دار و مدار مولیٰ کریم نے سورج ہی پر رکھا ہے۔ اگر سورج کا فیضان نہ ہو تو کوئی جاندار زندہ نہیں رہ سکتا۔ ہر نبات کو اُگنے اور پرورش پانے بلکہ باثمر ہونے تک شمس کی مدد کی ضرورت ہے جو من اللہ جاری ہے۔ ورنہ کوئی چیز اُگ ہی نہیں سکتی اور نہ بڑی ہو سکتی ہے۔ سردیوں میں بادل کی وجہ سے سورج کے چھپے رہنے اور بارش کے زیادہ ہونے کے سبب سے اگر نباتات پر سورج کی گرمی صحیح طور پر اثر انداز نہ ہو سکے تو بیج میں نقص واقع ہو جاتا ہے، اور دانہ زیرہ کی مانند ہو کر خراب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک چیز کا حال ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ سورج کی امداد کے سوا کوئی ذی روح زندہ نہیں رہ سکتا تو بالکل حق ہے، اور اس کا انکار فعل خداوندی کا انکار ہے۔

۳۔ سایہ کے بڑھنے اور کم ہونے تک کو (جو سورج کے سامنے کسی اوٹ یا حجاب کے بغیر کوئی حقیقی وجود نہیں رکھتا) مطابق فرمان:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ	بھلا تم نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا کہ وہ سایہ کو کس
وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا	طرح دراز کر کے پھیلا دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اس کو
الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ	(بے حرکت) ٹھیرا رکھتا۔ پھر ہم نے سورج کو اس پر نشانی ٹھیرایا
اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ○ (پ ۱۹۔ ۳)	پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ سمیٹ کر اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

Marfat.com

اپنے فعل سے تعبیر فرمایا لیکن اس کا رہنما اور دلیل شمس کو ٹھیرایا ہے چنانچہ اس کی علت بظاہر سوائے سورج کی گردش کے کچھ نظر نہیں آتی۔ اب اگر سورج کو اس کا رہنما نہ مانتے ہوئے اس کے خواص سے انکار ہو تو مولیٰ کریم کے فعل کا انکار ہے۔

۴۔ اسی طرح گو تمام تر ہدایت مِنَ اللہ ہے، تاہم عمل کے میدان میں جب تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان نہ لایا جائے، خواہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو، مطابق فرمان مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ[1] کے مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ علیٰ ہٰذا القیاس

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا	اے نبی! بیشک بھیجا ہے ہم نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۙ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ	دینے والا اور ڈرانے والا اور پکارنے والا طرف اللہ
بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ وَبَشِّرِ	کی ساتھ حکم اس کے کے اور سورج روشن، اور خوشخبری
الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلًا	دے ایمان والوں کو ساتھ اس کے کہ واسطے ان کے
کَبِیْرًا ۝ (پ۲۲۔ ع۳)	ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل بڑا۔

کے فرمان کے مطابق حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان پانچ صفات سے مزین فرما کر مرسل کیا ہے۔ اور ایمان کے بیج کی نشوونما کے لیے سِرَاجًا مُّنِیْرًا کو دلیل اور راہنما ٹھیرایا ہے۔ تو جب تک انسان آپ کے ان اوصاف کو دل سے مان کر سِرَاجًا مُّنِیْرًا سے مستفیض نہ ہو اس وقت تک مِنَ اللّٰہِ فَضْلًا کَبِیْرًا کی بشارت سے خوشخبری حاصل نہیں کر سکتا اور وہ فیض جو مِنَ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وساطت سے مومنوں کے لیے جاری ہوا ہے اس سے محروم ہی رہتا ہے، اور اس کا انکار اس فاعل حقیقی کے فعل کا انکار ہے۔ اور یہ فی سبیل اللہ استعانت ہے جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی سے استعانت ہے

---

[1] جس نے فرماں برداری کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پس بیشک فرمانبرداری کی اللہ تعالیٰ کی۔

Marfat.com

ہر استعانت من دون اللہ حرام ہے اور فی سبیل اللہ حلال۔ جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ[1] اور حواریوں نے جواب دیا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ[2]۔

گو اوپر قرآن مجید کے استدلال سے کچھ بیان ہو چکا ہے تاہم ناظرین کی تسلی کے لیے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے تائیدًا چند سطور درج ذیل ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"غیر سے اس قسم کی مدد چاہنا کہ اسی پر بھروسہ ہو اور اس کو خداوند تعالیٰ کی مدد کا مظہر نہ جانا جائے، حرام ہے۔ اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اور اس غیر کو مدد الٰہی کا مظہر جان کر اللہ تعالیٰ کے کارخانہ اور اسباب حکمت پر نظر کر کے غیر کے ساتھ استعانت کرے تو عرفان سے دور نہ ہوگا، اور شرع میں جائز اور روا ہے، اور انبیاء اور اولیاء نے غیر سے اس طرح کی مدد طلب کی ہے۔ اور درحقیقت یہ استعانت غیر سے نہیں بلکہ حضرت حق سبحانہ ہی سے استعانت ہے"۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ (چلا ہم کو سیدھی راہ پر)

مطابق فرمان مولیٰ کریم:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ	تو جس کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ
صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ	اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے
یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا	کہ گمراہ کردے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا
کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ۚ کَذٰلِکَ	ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اسی طرح
یَجْعَلُ اللّٰہُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا	اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب

[1] کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف۔ [2] ہم دین خدا کے مددگار ہیں۔ اس مسئلہ کی مزید تفصیل و توضیح "توحید پر عمل" کے بیان میں صفحہ نمبر　　پر کی گئی ہے، وہاں پر دیکھ لیں۔

Marfat.com

یُؤْمِنُوْنَ ۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ (پ - ۲)	بھیجتا ہے۔ اور یہ ہی تمہارے پروردگار کا سیدھا رستہ ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ (پ ۱۱ - ۲)	بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کو ان کا پروردگار ان کے ایمان کے سبب سے ہدایت عنایت فرماتا ہے۔

مولیٰ کریم نے اپنے فضل وکرم سے انسان کی فطرت میں توفیق سرشتی عطا فرما کر فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا[1] کی سمجھ عطا فرمائی اور کچھ تھوڑا سا اختیار دے کر میدان دنیا میں مقررہ میعاد کے لیے بھیجا۔ ہدایت کے اسباب یعنی نبوت وکتب اور اولیاء وصلحا اس کی امداد کے لیے بھیجے اور گمراہی کے لیے شیطان لعین کو مقرر کیا۔ اب توفیق سرشتی کے موافق جس نے اسباب ہدایت پر ایمان لا کر رب کریم کی طرف رجوع کیا تو اس کے لیے فضل وکرم فرما کر نَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ کی سنت کو جاری کر دیا اور هٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا کے مطابق صراط المستقیم کی طرف راہ نمائی فرمائی اور اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ[2] (پ ۲۳ - ۱۷) کا مصداق ٹھیرایا۔ اور جس نے سنت اللہ کے اسباب ہدایت سے روگردانی کی اور وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ[3] کا مرتکب ہوا نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ[4] کی سنت اللہ کا اجرا اس کے لیے حق ہو گیا اور مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا کا مستحق ہو کر گمراہ ہو گیا۔

---

[1] پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دل میں ڈالی۔ [2] تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ [3] جو کوئی شب کوری کرے یاد خدا کی سے۔ [4] مقرر کرتے ہیں ہم واسطے اس کے شیطان

Marfat.com

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو نے انعام کیے ہیں)

بمصداق فرمان مولیٰ کریم:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ۝ (پ ۵ - ع ۹)

پس وہ لوگ (قیامت کے روز) ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا نے انعام کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہداء اور نیک لوگ۔ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔ یہ خدا کا فضل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والا ہے۔

اِن آیات سے ثابت ہوا کہ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے حق دار وہی لوگ ہیں جو ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ کے مستحق ہیں۔ دوسری جگہ مولیٰ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتِ حسنہ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا[1] کا بیان فرما کر مومنوں کے لیے مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا[2] کا مژدہ سنایا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ حسب الحکم اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[3] اتباع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے سِرَاجًا مُّنِیْرًا کے نور سے منور ہو کر مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا کے انعام کا مستحق اور اس رفاقتِ حسنہ کا حق دار ہو سکتا ہے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝ (سوائے ان کے کہ جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے)

---

[1] گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور سورج منور۔
[2] اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل۔ [3] اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کریگا۔

Marfat.com

چنانچہ فرمایا ہے:

وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ (پ ۱۶) اور اس میں حد سے نہ نکلنا ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا۔ اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک ہوگیا"۔

تو مولیٰ کریم نے اپنے فضل وکرم سے بذریعہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری نجات کے لیے شریعت غرا کے حدود مقرر فرمادیے۔ اب ان سے تجاوز کرنا ہر قسم کی گمراہی کا باعث ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (پ ۲۵ ع ۱۹) بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے) تو خدا نے بھی اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تو خدا کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے؟

چونکہ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا[1] کے مطابق مولیٰ کریم نے ہر ایک انسان کو نیکی اور برائی کی سمجھ عطا فرمائی ہے اور اس کا ضمیر توفیق سرشتی کے طور پر اس کی طرف سے عطا ہے۔ اب باوجود علم کے جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا، تو مولیٰ کریم نے از روئے غیرت اس کے کانوں اور دل پر مہر کردی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ تو مطابق كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ[2] کے كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ[3] کا مستحق ہوا جو حقیقت غضب ہے۔ اور توفیق اضافیہ کے تصرف سے مغضوب ہو کر ضالین میں سے ہو گیا ——— اب جبکہ مولیٰ کریم نے از روئے غیرت اس کو مغضوب قرار دے کر گمراہ کر دیا، تو اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔

تو اس رب العالمین اور رحمٰن و رحیم سے ہماری یہ دعا ہے کہ اے رب کریم! ہمیں اپنے غضب سے بچا کر اس گمراہی سے بچائے رکھیو ——— آمین

---

[1] الہام کر دیا اس کو گناہ اور ثواب۔ [2] ہرگز نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے۔
[3] بیشک وہ اپنے رب سے اس دن حجاب میں ہوں گے۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

باب اوّل

عالمِ ارواح

رُوح وماقبل رُوح

لغت کے لحاظ سے رُوح کسی چیز کے عطر یا لطیف جوہر کو کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں انسان کے وجود کی حیاتی اور اصل سے عبارت ہے، جو تمام اثرات کا حامل، اپنی صفات میں کامل اور ابدی ہستی کا رکھنے والا ہے۔

اس کے بیان میں ازحد اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک یہ قدیم ہے جس سے اُن کی مراد ذات باری تعالیٰ ہے اور تغیر و تبدل، آمد و رفت، حرکات و سکنات، موت و حیات اور فنا و بقا کو ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یعنی ظہور کے میدان میں ہر طرح کی شکل اور صورت کے لباس میں ذاتِ معلّی کو ملبوس سمجھتے ہیں۔ حدث اور قدم کو نہیں پہچانتے اور قدم سے حدث کو نہیں جانتے۔ جو شخص قدم سے حدث کو نہیں پہچانتا وہ اپنی

Marfat.com

گفتار میں جاہل ہوتا ہے۔ اور یہ حُلولیوں کا مذہب ہے جو سراسر باطل اور حقیقت سے کوسوں دُور ہے۔

اِس میں کلام نہیں کہ ہر طرح کا تصرف اس فاعلِ حقیقی کے سوا نہیں کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:

اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (پ۔ س) یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (پ۔ س) اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔

اور فرمایا:

مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِھَا کوئی چلنے پھرنے والی چیز ایسی نہیں ہے جس کی (پ۱۲۔ س۔ ۱۱:۵۶) پیشانی کو اس نے پکڑ نہ رکھا ہو۔

فرق صرف یہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے فعل سے ظہورِ تام ہے اور فعل تابع ارادہ، ماتحت صفت مرید، جو بالذّات ہے۔ گویا فعل کو امر سے، اور امر کو صفت بالذّات سے، اور صفت بالذّات کو ذات سے تعلق ہے۔ اور ذات پاک کے لیے تحریک حرام ہے یعنی کسی قسم کا تغیّر و تبدّل روا نہیں ہے۔ عُروج و نُزول اور دُخول و خُروج سے مبّرا و منزّا اور ہر قسم کے عوارضات سے پاک ہے۔ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ[1]۔

ہر چند اس گروہ کی غلطی کے اسباب قوی ہیں اور وہ اس لیے کہ یہ خطا منقولی اور معقولی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ رویت کے میدان کا نتیجہ ہے۔ بعض نے رویت کو پایا اور حال کے غلبہ سے عالمِ امر کی کیفیت کے مشاہد ہوئے۔ اور ہر چیز خصوصًا متحرک ہستیوں کی حرکات و سکنات کا معائنہ کرنے سے "ہمہ اوست" کے میدان میں قدم زن ہو کر اپنے زعم میں حقیقت کو پہنچ گئے اور مدعی بن گئے۔ جاہلوں نے ان کی تقلید کی، حالانکہ حال کی تقلید حرام ہے۔

---

[1] پاک ہے اللہ اس چیز سے جو وہ اس کی صفتیں کرتے ہیں۔

Marfat.com

قاعدہ اور سُنّتِ اللہ ہے کہ جب انسان توفیق الٰہی سے سعی کرتا ہوا مطابق ارشاد وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا[1] مجاہد ہوتا ہے تو ازراہِ فضل و کرم ایزد متعال اس کو راستہ دکھاتے ہیں اور وہ لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا[2] کی سنت کے موافق حصول کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ[3] کے راستہ پر عالم موجودات، محسوسات اور معلومات سے گزرتا ہوا بساطِ معروفات کا مشاہد ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کی نظر میں عالم امر کا مشاہدہ بلا حجاب ہوتا ہے اور مذکورہ بالا باقی عالموں کے حجاب سے خلاصی پانے والا۔ اس کی نظر میں تمام حرکات و سکنات روح سے تعبیر ہوتی ہیں، بلکہ اس کے مشاہدہ میں غیر نہیں رہتا تب وہ "ہمہ اوست" کا نعرہ بلند کرتا ہے اور یہی ان کی غلطی کا اصل ہے۔

بمصداق "گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی" صحت حال کے رُو سے تصرف اور ظہورِ ذاتِ باری تعالیٰ یعنی توحید فی الخلق فاعلِ حقیقی کے فعل کے سوا نہیں ہے۔ اُوپر گزر چکا ہے کہ فعل کو امر سے اور امر کو صفت بالذّات سے اور صفت بالذّات کو ذات سے تعلق ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ فعل مخلوق کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ صفت بالفعل کو صفت بالذّات سے اور صفت بالذّات کو ذات سے ایسا اتحاد ہے جس کی مثال ناممکن اور جس میں تمیز محال ہے، اور ان مدارج و معارج میں ایسی معیّت خداوندی ہے جس کے لیے بُعد و قُرب کی عبارت لاحاصل ہے۔ اِسی وجہ سے حال کی رویت سے رُوح کو قدیم کہنے پر جرأت کی ہے اور یہ اُن کا قول باطل ہے۔ یہ سب کیفیّاتِ حال عالم امر یعنی معائنۂ رُوح سے ہیں نہ کہ عین ذات سے۔ اور وہ اس لیے کہ کسی قسم کی تحریک ذات کے لیے روا نہیں ہے اور مشاہدۂ ذات محویّتِ تام

---

[1] جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی۔ [2] ان کو ہم ضرور اپنا راستہ دکھائیں گے۔

[3] پس اللہ کی طرف دوڑو۔

Marfat.com

سے عبارت ہے۔ جس کے لیے میدان کلام میں زبان و بیان اور حروف و الفاظ مفقود ہو جاتے ہیں
حدیث شریف میں وارد ہے کہ اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ یعنی رُوحیں جمع کیے گئے لشکر
ہیں جو بحکم خدا آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کی نسبت
سوال ہوا تو من اللہ وحی نازل ہوئی:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ (۱۷: ۸۵)۔ (پ ۱۵۔ ع ۱۰)

(اے میرے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کہہ دیجیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے، اور تم علم سے بہت کم حصہ دیے گئے ہو۔

بحث و تنقید کے میدان میں اَمْرِ رَبِّیْ کو غور و تعمق کے اوزان سے موازنہ کیا جائے تو
کہنا ہی پڑے گا کہ مخلوق کا حکم اس کے لیے جائز نہیں ہو سکتا۔ اور وہ اس لیے کہ مخلوق محدث
ہے جو فَیَکُوْنُ کے ظہور کا نتیجہ ہے، اور کُنْ امر جس سے فَیَکُوْنُ کا ظہور ہوا۔ اور یہ صفت بالذات
یعنی مُرِیْد سے وابستہ ہے۔ اور صفات بالذات کو ذات سے ایسا اتحاد ہے جو نہ کبھی
منفک ہوا ہے اور نہ ہی ہو گا۔ اس عبارت سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ نہ تو یہ قدیم ہے
جس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہو سکتی ہو، اور نہ ہی مخلوق، جس پہ حدث کا
وجود ملبوس ہو۔ لیکن اس جگہ روح کے مخلوق یا غیر مخلوق ہونے کا سوال ہے۔ جس کا حل
قرآن حکیم کی رو سے صاف عیاں ہے کہ خلق اور چیز ہے اور امر اور۔ کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰی:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (پ۔ ع ۱۴) خبردار! اسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا۔

میرا مذہب اس کتاب میں محض "انسان فی القرآن" ہے اس لیے اس مسئلہ میں
آیاتِ بیّنات کی تطبیق اور موافقت کے بغیر چارہ نہیں، اور نص قطعی کے مقابلہ میں سب
دلائل ہیچ ہیں۔ لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ[1] کی بساط پر تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ[2] کی

[1] کوئی تر اور خشک نہیں مگر کتاب بیان کرنے والی میں ہے ۱۲ [2] ہر چیز کی تفصیل ۱۲

Marfat.com

وسعت اظہر من الشمس ہے۔ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ[1] کے مطابق ادراک فہم کی توفیق سے غور و فکر کے ترازو میں تحقیق کا طالب ہونا ضروری ہے۔ انسان کی ابتدا وانتہا، منازل ومدارج، عروج ونزول، ذات وصفات اور علم وعرف کے دریا میں غوطہ زن ہونے کے بعد کلام الٰہی کے ساحل پر استقامت حاصل کرنا چاہیئے تاکہ تمام مشکلات کا حل آسانی سے ہو سکے اور انسانی شجر کی جڑ سے لے کر تنے ٹہنیوں، برگوں اور پھول وپھل تک کا علم اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ[2] کے ایک جزء سے عرف حاصل ہو۔

عزیزا! جان کہ انسان قبل از ظہور جب کہ عالم شہود بلکہ عالم امر سے یعنی عالم ارواح سے بھی کوئی نشان نہ تھا مطلق عدم تھا لیکن متحقق بالذّات اور علم الٰہی کے بے کنار دریا میں مستغرق تھا۔ کَمَا قَالَ اللہ تعالٰی :

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ	بے شک انسان پر زمانے میں سے ایک وقت
الدَّهْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا ۔	ایسا بھی گزرا ہے جبکہ یہ کوئی چیز ذکر کے قابل
(۷۶۔۱۔ پ۱۹۔ س۱۹)	نہ تھا۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ انسان پر ایک وقت تھا جو قابلِ ذکر نہیں ہے۔ لیکن اثباتِ انسان میں کوئی کلام نہیں اور عَلٰی اس امر پر دال ہے کہ انسان تو تھا لیکن وہ حالت انسان تحریر وتقریر سے باہر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقام عدم نہیں بلکہ مقام اثبات ہے۔ انسان تو درکنار ہر چیز متحقق بالذّات ہونے کی صورت میں معدوم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب مولیٰ کریم

[1] اور بیشک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لیئے تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

[2] جس نے پہچانا اپنے نفس کو بے شک پہچانا اپنے رب کو۔

Marfat.com

نے ہر چیز خصوصاً انسان کے ظہور کا ارادہ فرمایا اور کُنْ سے فَیَکُوْنُ کا لباس پہنا دیا، تو اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ	سوائے اس کے نہیں کہ حکم اس کا جب کسی چیز کو پیدا
يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ٥ (پ۲۳ - س۴)	کرنا چاہتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

لَهٗ کی ضمیر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ہر چیز علم خداوندی میں موجود تھی اور یہ امر کُنْ اُسی کی طرف ظہور کے لیے صادر ہوا تو عالم ارواح میں ہویدا ہو گئے۔ یہ دوسرا مقام انسان ہے۔ اب یہ ذکر کے قابل ہو گیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ	اور کیا ہے تمہیں کہ نہ ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور
الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ	رسول پکارتا ہے تم کو تاکہ ایمان لاؤ تم ساتھ رب
وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ	اپنے کے، اور یقیناً وہ عہد لے چکا ہے تم سے، اگر تم
مُّؤْمِنِيْنَ ٥ (پ۲۷ - س۱۸)	باور کرنے والے ہو۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ	اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عہد لیا

الآیۃ (۳-۸۱- پ۳ - ع ۱۷)

یہ میثاق عامۃ الناس اور انبیاء علیہم السلام دونوں کے لیے الگ الگ وارد ہوئے ہیں جن کی تفصیل اس جگہ مقصود نہیں۔

اس کے بعد عالم شہود میں ظہور کا وقت آیا تو فرمان ہوا اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ[1] پھر اس کے بعد آدم اور بنی آدم (علیہ السلام) کے ناموں سے خطاب فرمایا۔ پھر روح سے

---

[1] میں مٹی سے ایک ڈھانچہ (مجسمہ) بنانے والا ہوں۔

Marfat.com

اور کبھی ناس اور کبھی رَجُل وغیرہم اسماء سے موسوم کیا۔ غرض اس بات سے یہ ہے کہ قبل از ظہور اور بعد از ظہور یہ لفظ "انسان" منقطع نہیں ہوا ہے۔ اس لیے کہنا ہی پڑے گا کہ انسان کا ذاتی نام "انسان" کے سوا نہیں۔ باقی سب اسماء صفاتی ہیں۔ متحقق بالذات ہونے کی صورت میں بھی اور عالم ارواح میں بھی "انسان" کے نام سے موسوم ہوا۔ اور بعض پاک ہستیوں کو اپنے فضل وکرم سے منتخب کر کے انبیاء ومرسلین کی صفت سے مزین فرما دیا۔ تو یہ امر اس پر دال ہے کہ پیغمبر اور مرسل ازلی ہیں۔ آج جیسا کہ ایک گروہ کا اعتقاد ہے کہ مجاہدہ سے یہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے، باطل ہے۔

امّا بعد یہ حضرت انسان عالم شہود یا میدان دنیا میں آکر کئی صفات سے موصوف ہوا اور جس صفت میں مستغرق ہوا اسی وصف سے نامزد ہو گیا۔ مثلاً مومن، مسلم، منافق، فاسق کافر، مشرک، رَجُل، عبد، جاہل، عالم وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ سوائے انسان کے سب کے سب نام صفاتی ہیں اور تمام مدارج ومنازل میں ذاتی اسم (انسان) لازم ہے۔ صرف روح میں اختلاف ہے، اور وہ اس لیے کہ جب بُت یا بشر بے رُوح کے مقابلے میں معاملہ درپیش ہوا تو روح کے نام سے موسوم کر دیا، اور موزون بھی یہی تھا۔ ورنہ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ[1] کے سوا وجود انسانی خواہ نوری جامہ میں بیان کیا جاتا، عوام کو بیحد مشکل واقع ہوتی۔ اس عزیز الحکیم نے اسی سبب سے رُوح ہی کے نام سے ذکر فرمایا ہے۔ اس صورت میں عوام کے نزدیک خواہ مسلم ہو یا کافر، بُت بے جان میں رُوح کے داخل ہونے اور بوقت انتقال خارج ہونے میں کوئی مشکل وارد نہیں ہوتی ہے۔

مقام غور وفکر ہے کہ قبل از ظہور یعنی عالم ارواح میں تو انسان ہی کے اسم سے موسوم

---

[1] پھونکا میں نے اس میں اپنی رُوح کو۔

Marfat.com

ہے، لیکن بشریّت یا بُت مُردہ کے مقابلہ میں رُوح، اور بعدہٗ پھر انسان، تو اس سے کون سے معانی دریافت کے میدان میں حاصل ہو سکتے ہیں کہ قبل از بُتِ بے روح اور بعد از ظہور تو انسان ہی کہلائے اور اس موقع پر رُوح سے تبدیل ہو جائے ؟ تو کہنا ہی پڑے گا کہ صفات اور حالات کے تغیّر و تبدّل کی رُو سے یہ سب کے سب نام صفاتی ہیں۔

دیکھیے، جب حضرت عیسٰی رُوح اللہ کا (جو معبودِ حقیقی کے بندے ہیں) حضرت مریم علیہا السلام کے بطن میں داخل ہونے کا موقع آیا، تو فرمایا نَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُّوحِنَا۔ گویا حضرت عیسٰی رُوح اللہ علیہ السلام کو رُّوحِنَا سے موسوم کیا۔ اور ان مدارجِ انسانیہ میں ابتدا سے انتہا تک انسان ہی ثابت ہو رہا ہے، اور انسان سراسر مخلوق ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ	بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو بیچ اچھی ترکیب
تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ	کے۔ پھر پھیر دیا ہم نے اس کو نیچے سب نیچوں
سٰفِلِيْنَ ۝ (پ ۳۰ - ۱۳ - ۲۰)	کے۔

تو بالکل عیاں ہے کہ اَحْسَنِ تَقْوِيْم اور اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ہر دو حالت میں خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ یعنی خلقت کیا انسان کو ارشاد ہو رہا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ یعنی روح میرے رب کے امر" سے" ہے نہ کہ عین امر، تو ان مدارج و منازل میں اس کا آنا اور واپس جانا خداوند کریم کے امر یعنی حکم سے ہے۔ ان سندات کے لحاظ سے انسان مخلوق ہے۔ اور رُوح صرف ایک اسم گرامی ہے جو بُت میں داخل ہونے کی موزونیت کے لحاظ سے نامزد ہوا ہے جس کی تصدیق و تطبیق کلام الٰہی سے ہو چکی ہے۔ اور یہ اختلاف محض اسی عارضہ کی وجہ پر ہے۔

سلہ پھونکا ہم نے اس میں اپنی رُوح کو۔

Marfat.com

سوال :

اس میں کلام نہیں کہ انسان جس کی حدِ ظہور کے میدان تک ہے مخلوق کا حکم رکھتا ہے یعنی عالمِ شہود اور عالمِ ارواح میں نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ لیکن قبل ازیں متحقق بالذات ہونے کی حالت میں جبکہ وجودِ خارجی تو درکنار، وجودِ روحی بلکہ وجودِ لفظی اور ذہنی سے بھی مبرا و منزہ تھا، محض علمِ خداوندی کے دریا میں ارادۂ ازلی کی لہروں کے سوا کوئی وجود نہ رکھتا تھا، بلکہ امرِ الٰہی بھی صفت بالذات "ھُوَ یَدُ" کے نہانی حجرہ میں پوشیدہ تھا اور ظہور کا میدان سراسر خالی تھا۔ گویا حقیقتِ انسانی صفت بالذات کے ارادہ اور امر کے ایما کی محتاج تھی جس کے لیے ارشاد ذوالجلال والاکرام ہے کہ وہ ذکر کے قابل نہ تھا۔ صرف نام تھا جس کی حقیقت سوائے علیمؐ حکیم کے کوئی نہ جانتا تھا۔ جو کچھ تھا قدس کے پردوں میں پوشیدہ تھا۔ اب نورِ ایمانی کی قوت سے معلوم کرنا چاہیے کہ جب وُجُودِ لفظی اور ذہنی بھی نہ تھا۔ بلکہ امرِ الٰہی کا ظہور بھی مشیّتِ ایزدِ متعال ذوالجلال والاکرام کا منتظر تھا۔ مطابق کلامِ الٰہی ذکر کس کا اور کہاں اور کس طرح؟ سوائے اس کے کہ یہ اسرارِ الٰہیہ سے ایک سِرّ انسان متحقق بالذات ہونے کی صورت میں پنہاں تھا، تحریر و تقریر سے باہر ہے۔ تو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسے وقت میں انسان کو کس نام سے یا کس وصف سے جاننا چاہیے؟

جواب :

اوپر گزر چکا ہے کہ رُوح اور بشر وغیرہ سب نام انسان کے صفاتی اسماء ہیں۔ کلامِ الٰہی شاہد ہے کہ کبھی تو انسان کو رُوح کے نام سے اور کبھی بشر اور کسی جگہ عبداللہ یا عبادی۔ اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی مناسبت کے رُو سے بنی آدم کا خطاب صادر ہو رہا ہے جو خالی از حقیقت نہیں ہے۔ اور یہ علیم و بصیر کے مشاہدہ سے نشان ہے۔ اسی وجہ سے

Marfat.com

نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کا ارشاد ہوا یعنی پھونک دی اس میں اپنی روح۔ دوسری جگہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کا فرمان اظہر من الشمس ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولیٰ کریم نے اپنے امر سے رُوح کو بشر میں پھونک دیا۔ دراصل انسان جو اس صفت عظیمہ کا مرکز تھا، داخل کیا گیا۔ جس کی کسی قدر تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ جنہوں نے قدم کو حدث سے الگ دریافت نہ کیا انہوں نے روح سے مراد ذات باری تعالیٰ ہی لے لی اور امر و ذات میں فرق نہ کرنے کے سبب جاہل ہو گئے۔ حلولیوں کی غلطی کے اسباب یہی ہیں جو سرتاپا بے اصل ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ امر کو صفت بالذات سے اور صفت بالذات کو ذات سے تعلق ہے۔ اور انہوں نے کئی وجہ سے عبارت کو بدلا ہے اور اپنی ضلالت کو کئی معنوں میں حلول ذات سے تعبیر کیا ہے جس میں بہت طول ہے جو اس جگہ مقصود نہیں ہے۔

جواب ان کا یہ ہے کہ اس ذات باری تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ضمیر مبارک میں اپنے اذن کا اجرا رکھا ہے۔ گویا فاعل حقیقی نے اپنے فعل کو اعجاز کی بساط پر اپنے بندے کی طرف منسوب فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ	یہ کہ پیدا کرتا ہوں میں تمہارے لیے مٹی سے مانند
الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا	صورت پرندے کے پھر پھونکتا ہوں میں اس میں
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ	تو ہو جاتا ہے وہ پرندہ اللہ کے حکم سے۔ اور چنگا
الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ	کرتا ہوں میں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو ساتھ
(۳ : ۴۹ - پ۳ - ۱۳۴)	اذن اللہ کے۔

یعنی مُردے کو زندہ کرنے، مادر زاد اندھے کو اچھا بھلا کرنے، کوڑھی کو تندرست بنا دینے اور مٹی کا جانور بنا کر اس میں رُوح کو پھونک دینے کی قدرت عنایت فرمائی۔ ایک گروہ نے ان

Marfat.com

سب معجزات کی تاویل اپنی جہالت اور بیہودگی پہ کی ہے لیکن مٹی کا پرندہ بنا کر اور اس میں پھونک مار کر سچ مچ کا پرندہ بنا دینے سے وہ بھی دم بخود اور مبہوت رہ گئے۔

مقصود اس جگہ صرف یہ ہے کہ اگر بُت میں رُوح پھونکنے سے حلول ہو سکتا تو چاہیے تھا کہ ہر ایک جانور میں حضرت عیسٰی رُوح اللہ حلول کر جاتے۔ اور یہ محال ہے۔ کیونکہ وہ اپنی جگہ قائم رہے اور جانوروں کو بدستور زندہ کرتے اور مُردہ میں زندگی کو وَدیعت فرماتے رہے۔

صحتِ حال کی رُو سے یہ مقصد حاصل کرنا چاہیے کہ مولیٰ کریم ذوالجلال والاکرام نے اپنے اذن یعنی امر کو اپنے بندے حضرت عیسٰی روح اللہ کے ضمیر مبارک میں اجرا رکھ کر ہر فعل میں تکرار بِاِذْنِ اللّٰہِ[1] یا بِاِذْنِیْ[2] کو لازم رکھا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ رُوح کا اجرا خواہ بمشیت ایزدِ متعال کسی بندے کے ضمیر سے ہو یا بلاتوسّل، اُس کے امر کے ماتحت ہی ہے۔ اور سوائے اس کے کوئی صورت کلامِ الٰہی سے ثابت نہیں ہو سکتی۔

حاصل اس کلام سے (مطابق کلام اللہ مدارج و منازل انسان کے رو سے) یہ ہوا کہ یہ حضرت انسان جس جگہ، یا جس مقام پر مقیم ہو، مخلوق کا حکم رکھتا ہے۔ خواہ وہ سِرّی وجود میں مخفی ہو یا روحی لباس میں ملبوس، اور خواہ ظاہری وُجُود میں عالم شہود کا شجر ہو، بہرحال نص قطعی سے مخلوق ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور صحتِ حال کی وجہ سے تحقیق کی بساط پر سوائے اس کے کوئی عبارت درست نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہر حالت میں انسان کی نفی کہیں پائی نہیں جاتی جو سراسر حقیقتِ انسان پر دال ہے اور منازل و مراتب کی رُو سے ہر وصف میں موصوف اور اسی کے مطابق ہر اسم سے موسوم ہے۔ جیسا اوپر گزر چکا ہے اور دوبارہ بیان لاحاصل ہے۔

صرف اتنا لازم ہے کہ اُس علیم و حکیم نے اپنے کلام کی شان کے مطابق اُصُولِ نُزُوں کو ہمارے

---

[1] اللہ کی اجازت سے۔ [2] میری اجازت سے۔

Marfat.com

حال پر اور شانِ نزول کو ہمارے افعال پر مبنی رکھا ہے۔ اسی لیے انسان کو کبھی اعلیٰ اور کبھی اسفل حالت سے بیان فرمایا ہے، مثلاً نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي[1] اور نَفَخْنَا رُوحَنَا[2] و مثلہا انسان کے وجود روحی یا نوری سے عبارت ہے۔ اور دوسری صورت حال میں بَشَرًا سَوِيًّا[3] بَشَرًا رَّسُولًا[4] اور إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ[5] وغیرہم زمین کے میدان کا شجر ہے، جو سراسر أَسْفَلَ سَافِلِينَ[6] کے موافق ہے، اور أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ[7] پہلی حالت کے مطابق پس اس عبارت سے یہ مقصود حاصل ہوا کہ یہ مدارج و منازل انسان کی حالت کے رُو سے ہویدا ہیں اور ان دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روح جو ایک مقام کی حیثیت سے انسان کا نام ہے، سراسر مخلوق ہے۔ رہا امر جو غیر مخلوق ہے وہ روح سے الگ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ	پھر تندرست کیا اس کو اور پھونکا بیچ اس کے روح
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَ	اپنی سے اور کیا واسطے تمہارے سننا اور دیکھنا
الْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ○	اور دل۔ تھوڑا ہے جو شکر کرتے ہیں۔

(۳۲: ۹۔ پ ۲۱۔ ۱۴)

صاف عیاں ہے کہ امر اور خلق دو چیزیں ہیں۔ امر ہر چند خلقت کیا گیا نہیں ہے۔ کیونکہ امر کی نسبت آمر سے وابستہ ہے اور تخلیق کے میدان میں مخلوق کی طرف ہے یعنی جب آمر کا ارادہ ہوا تو امر صادر فرما دیا اور کُن سے فَيَكُونُ کا ظہور ہو گیا۔ مخلوق کے لیے تغیر کا محل روا

---

[1] پھونکا میں نے اس میں اپنی روح سے۔　[2] پھونکی ہم نے روح اپنی

[3] تندرست آدمی (انسان)　[4] آدمی رسول

[5] بے شک میں مٹی سے ایک ڈھانچہ (مجسمہ) بنانے والا ہوں۔

[6] نیچی سے نیچی حالت　[7] بہت اچھی صورت۔

Marfat.com

ہو سکتا ہے لیکن امر کے لیے کسی قسم کا تغیر جائز نہیں ہے۔ اور ارواح کی نقل وحرکت، آمد و رفت اور عروج ونزول شواہدات عقلی ونقلی سے مسلّم ہے جس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ اور اس مضمون کے شروع ہی میں ایک حدیث شریف بطور استشہاد درج ہو چکی ہے' دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہنا ہی پڑے گا کہ روح مخلوق اور آمر سراسر غیر مخلوق ہے۔ دیکھیے! دوسری جگہ کیا ہی مفصل ارشاد ہو رہا ہے:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (پ ۔ ۸)　　خبردار! اسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم کرنا۔

جاننا چاہیے کہ ہر دو حالتِ انسان میں خلقت کا لفظ مستعمل ہے۔ اول از خاک آخر از نطفہ پھر روح کے داخل ہونے کا ارشاد ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ مخلوق کا لفظ بشریت کے لیے صادر ہوا ہے اور روح کے لیے کہیں خلقت کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ جس سے مخلوق کا حکم روح کے لیے روا نہیں ہو سکتا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ انسان کا نام رُوح بُت میں داخل ہونے کے وقت رکھا گیا ہے ورنہ قبل ازیں انسان ہی کے اسم گرامی سے موسوم ہے جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ میثاق عوام اور خواص یعنی انبیاء کرام اظہر من الشمس ہیں جو اس مشکل کو حل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اور صاف عیاں ہے کہ قبل از بشریت یعنی ڈھانچہ بے رُوح قرآن شریف سے انسان مکمل ثابت ہے' اور بعدہٗ عالم شہود میں بھی انسان ہی ہے۔ تو سمجھ نہیں آتی کہ بت میں داخل ہونے اور نوری وجود کو خاکی پتلا میں ودیعت فرمانے کے سوا کوئی عبارت ان معانی میں درست ہو سکے۔ تو کہنا ہی پڑے گا کہ یہ حضرتِ انسان کا نام بُت کے مقابلہ میں رُوح سے موسوم کیا گیا ہے۔ ورنہ رُوح اور انسان میں سوائے بشریت کے کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے۔ یعنی با رُوح انسان' اور بے روح مُردہ۔

Marfat.com

عزیزا! سمجھ، کہ نافہمی کی بنا پر روح میں اختلاف واقع ہوا ہے، ورنہ معاملہ بالکل صاف ہے۔ محققین کے نزدیک انسان کے چار وجود ہیں: بشری۔ ملکی۔ روحی اور سری۔ بشری موجودات یعنی عالم دنیا میں۔ ملکی محسوسات، عالم برزخ۔ روحی معلومات، عالم ارواح، جس کا عرف عالم امر سے مناسبت رکھتا ہے۔ اور سری معروفات سے ہے۔ ملکی اور روحی دراصل ایک ہی دریا کے حباب ہیں۔ لیکن سری میں نہ تحریر ہے نہ تقریر، نہ زبان ہے نہ کلام سوائے اس کے کہ سر سے عبارت ہے، جس کو خالق موجودات، مالک کائنات نے مخفی رکھا ہے۔ اور فرمایا کہ یہ حالت انسانیہ ذکر کے قابل نہیں، بمصداق:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ (پ ۲۹۔ س۱)

بیشک انسان پر ایک زمانہ وہ گزرا کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھی۔

تاہم انسان کی نفی نہیں ہوئی۔ اور وہ اس لیے کہ عَلَى الْاِنْسَانِ یعنی "انسان پر" ہی فرمایا ہے۔ اب اس کو روح کہیں یا سر، سوائے اس کے علم کے میدان میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ محض خداوندی علم کے پردوں میں راز مخفی ہے۔ عارف باللہ کے سوا اس کو کوئی نہیں۔ ہنا: تاہم اس کا اظہار جرم ہے، مطابق حدیث شریف اَلْاِنْسَانُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّہٗ[1]۔ اور فرمایا: وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝[2]

---

[1] انسان میرا بھید ہے اور میں اس کا بھید ہوں۔

[2] اور نہیں دیے گئے تم علم سے مگر بہت تھوڑا۔

Marfat.com

بابِ دوم[۱]

عالمِ شہود

ابتدائے آفرینش

حمد

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ[۱]

حمد کس سے ہو سکے تیری خدا!
جبکہ تیری حمد ہے سب بر ملا

پھر حمد کس سے اور کون محمود، عبادت کس کی اور کون معبود، عرف کس کا اور کون عارف، وصف کس سے اور کون موصوف، نہ اُس کا حصر نہ اُس کی حد، اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ[۲] ایک خالق ایک مخلوق۔ حدث سے قدم کی تعریف محال، لم یزل ولایزال قلم، سیاہی، کاغذ، کاتب، کلام و زبان، سب حدث۔ نہ اس کی تعریف کے لیے حرف نہ وجود، لامحدود، ہر جگہ موجود، نہ جوہر نہ عرض، اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[۳]

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہو گا تو خدا ہو گا

---

[۱] اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بادشاہ کمال پاکی والا، عزت والا، حکمت والا۔
[۲] معبود تمہارا معبود ایک ہے۔ [۳] اللہ نور ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔

Marfat.com

تخلیق انسان

اُس ذاتِ بے چون نے اپنی صفاتِ ذاتیہ سے اپنے ظہور کا ارادہ کیا تو اپنے نورِ معلّٰی سے حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور عالمِ ارواح میں ظاہر فرمایا۔ گویا امرِ کُن سے فیکُون کے فعل کو صادر کیا اور اپنی صفتِ ربوبیت سے سیدالمرسلین، خاتم النبیین، آخرہ آمد بود فخر الاوّلین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃٌ للعالمین کی صفت پر مبعوث کر کے خاص کیا، اور اس نعمت بے بہا کا خاک کے پردہ میں ظہور فرمایا۔ جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ	اور بےشک پیدا کیا ہم نے انسان کو بجھی ہوئی مٹی
سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ	سے۔ پھر پیدا کیا ہم نے اس کو ایک قطرہ منی کا
نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۞ ثُمَّ	بیچ جگہ مضبوط کے۔ پھر پیدا کیا ہم نے منی کو لہو جما
خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا	ہوا پس پیدا کیا ہم نے لہو جمے ہوئے کو بوٹی
الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ	گوشت کی، پس پیدا کیا ہم نے بوٹی کو ہڈیاں۔
عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ	پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت، پھر پیدا کیا
اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ	ہم نے اس کو پیدائش دوسری پس بہت برکت
اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۞ (پ۱۸ - س۲۳)	والا ہے اللہ بہتر پیدا کرنے والوں کا

اس خالق یکتا نے انسان کی تخلیق کو اوّل از خاک اور آخر از نطفہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ تو جب خلقتِ اول کا ارادہ ہوا تو ارشاد کیا:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ	جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ

Marfat.com

بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ	بیشک میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں پس
وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا	جس وقت میں اسے درست کرلوں اور اس میں
لَهٗ سٰجِدِيْنَ ○ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ	اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے لیے
كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ	سجدے میں گر پڑو۔ تو سب فرشتوں نے سجدہ
اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○	کیا۔ مگر ابلیس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے
(پ ۲۳ - س ۱۴)	ہو گیا۔

لغت میں بشر کا ترجمہ ردی الخلائق چمڑا یا ڈھانچہ ہے۔ تو جب سڑی ہوئی مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کا بُت تیار کیا گیا اور صحیح صورت بنا کر اس میں اپنی روح پھونک دی تو حسب الحکم سب ملائکہ سجدے میں گر گئے مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور جوں کا توں اکڑا بیٹھا رہا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ	فرمایا، اے ابلیس! تجھے سجدہ کرنے سے کس
لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ اَسْتَكْبَرْتَ	بات نے روکا ایسی چیز کو جسے میں نے اپنے
اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ○ (پ ۲۳ - س ۱۴)	ہاتھ سے بنایا، کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تیرا مرتبہ بلند ہے؟

تو شیطان نے دلیل پیش کی:

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ	بولا، میں اس سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے
نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○ (پ ۲۳ - س ۱۴)	بنایا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔

افسوس! معلم الملکوت، نے جب اپنی طرف رعونت اور تکبر کی نظر سے دیکھا تو ایک ہی قدم میں لعنت کے گڑھے میں گر گیا اور اس کی محدود نظر نے اسے عجیب دھوکا دیا یعنی اس کی دانش جوہر کو چھوڑ کر محض عرض پہ رہ گئی۔ ورنہ یہ اختلاف کیوں ہوتا؟

یہ لفظ انسان کسی حال میں اور کسی تغیر سے منقطع نہیں ہوتا۔ اس لیے انسان کے بیان اور

Marfat.com

عرف میں بے اختلاف ہے۔ ایک گروہ کے نزدیک صفاتِ حیوانیہ (جو انسان میں پائی جاتی ہیں) کا نام انسان ہے، تو یہ سب حیوانات میں موجود ہیں۔ رہا عقل و دانش کا فرق، تو بے وقوف اور اندھا، گونگا، بہرا ہونے سے بھی انسان کی نفی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ لفظ مُردہ انسان سے بھی نہیں اُٹھ سکتا۔

ایک گروہ کے نزدیک یہ وُجودِ انسان ایک جامۂ انسان ہے، اور انسان ایک سِرِّ الٰہی ہے۔ گو کسی حد تک یہ قابلِ اعتنا ہے۔ لیکن فاسق، کافر، منافق اور جاہل بھی انسان ہیں، جن میں سِرّ سے کوئی نشان نہیں ملتا، حالانکہ انسان ہوتے ہیں سب شتمل ہیں۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ ابتدا سے انتہا تک تمام عُلوم کے حصُول کا مرکز یہی وجود ہے۔ اور اس وُجود میں انسان کے نزُول فرمانے کا مقصُود و مدعا یہی ہے کہ اوّل سے آخر تک کے علم سے عالم اور عارف ہو کر اپنے آپ کو پہچانے، تاکہ اپنے پروردگار کا عرف حاصل ہو اور معلوم کرے کہ اُس ربّ العالمین نے مجھے پیدا کیا ہے اور کس لیے پیدا کیا ہے۔

انسان کا وجود تمام صفات حیوانیہ اور روحانیہ کا جامع ہے۔ صفاتِ حیوانیہ اس کی نسل کو قائم رکھنے کے لیے اور صفات روحانیہ اس کے کامل ہونے کے لیے۔ جو انسان صرف صفاتِ حیوانیہ پر رہ جاتے ہیں اور خدا کی دی ہوئی قوتوں (سماعت و بصارت اور دل) سے کام نہیں لیتے ان کو حیوان بلکہ ان سے بھی گمراہ تر فرمایا ہے:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ　　وہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے گمراہ تر۔
(پ ۹ - ع ۱۲)

کیونکہ وہ اصل مقصُود سے دُور اور اپنے علم سے جاہل ہوتے ہیں۔ پس جو اپنے آپ سے جاہل ہو وہ اپنے غیر سے اجہل (جاہل تر) ہوتا ہے۔

Marfat.com

معیّتِ رُوح

باب اوّل میں روح کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے تاہم اس کے جگر میں ہنوز تشنگی باقی ہے جس کو سیراب کرنا ازبس ضروری اور لابدی ہے۔ کیونکہ انسان کی تمام حالتوں کا اصل رُوح ہی ہے۔ سب حیاتی اسی سے ہے اور تمام حالتوں کا مرجع اسی کی طرف ہے۔ یہ خارجی وجود موجودات سے ہے اور ذہنی وجود محسوسات سے۔ اس کا تعلق رُوح سے اور یہ معلومات سے ہے۔ جیسے کسی پھل مثلاً بادام کو لیجیے۔ اس کے اُوپر ایک چھلکا ہوتا ہے۔ جب پختہ ہونے کے بعد درخت سے جھڑتا ہے یعنی مدتِ شجری ختم ہونے کے بعد اس سے الگ ہوتا ہے تو وہ چھلکا اُتر جاتا ہے۔ دوسرا چھلکا اتار کر مغز بادام نکالا جاتا ہے۔ پھر اس پر ایک باریک چھلکا ہوتا ہے، جس کے اُتر جانے سے سفید دو کاشیں ہو جاتی ہیں۔ ان دونوں کاشوں کے درمیان ایک سرے پر لطیف اور صغیر الوجود مغز بادام کی پیدائش کا سامان ہوتا ہے اور اس میں رُوح بادام ہُوا کرتا ہے جو اصل اور حیاتی بادام ہے اور یہ ایک امر الٰہی اور نشانِ ازدی ہے جو معیّتِ خداوندی سے متعلق ہے۔ اور ہر چیز کی پیدائش اس کے حکم سے ہے اور اس کا ثبات اور فنا خداوند کریم کا فعل ہے۔ لیکن ہمارے امر و فعل کی طرح نہیں ہے جیسا کہ فرمایا ہے:

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (پ۔ ع) — اور خدا نے جو حکم فرمایا سو ہو چکا۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ (پ۔ ع) — اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو فرما دیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔

مولیٰ کریم کا ارادہ تو حقیقت میں کُن کا بھی محتاج نہیں محض ہماری تفہیم کے لیے الفاظ

Marfat.com

کی قید رکھی گئی ہے۔ خداوند کریم مرید ہیں، امر و فعل تابع ارادہ ہیں۔ تو جب ارادہ ہوا ہو گیا۔

اس جملۂ معترضہ کے بعد اب اصل مضمون یعنی روح کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ (وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ)۔ کیونکہ یہ ہستی اور حیاتی کا اصل ہے اور ہر طرح کے جسدی و عنصری وجود کا قیام و ثبات اسی کے ساتھ ہے۔ اس کا علم سوائے حال کے درست نہیں ہو سکتا اور حال کو قال میں لانا دشوار ہے مگر بہت کم۔ اس لیے اگر روح کو مخلوق کہا جائے تو کس طرح؛ اور قدیم کہا جائے تو کیسے؛ کیونکہ قدیم تو ذات باری تعالیٰ ہی ہے۔

جس طرح قرآن مجید کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے میں اختلاف واقع ہوا اور عاقبت نااندیش عالموں نے اِس کو مخلوق کہہ کر حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ سے مباحثے کیے اور حکامِ وقت سے کوڑے لگوائے گئے، ایسا ہی یہ اشکال ہے۔ کیونکہ جیسے کلام ایک صفت بالذات مولیٰ کریم ہے اسی طرح امر بھی ہے اور مخلوق کا جامہ اس پر درست نہیں آسکتا ہے۔ کیونکہ مخلوق وہ ہے جو کُنْ سے فَیَکُوْن کا لباس پہنے اور حدث کا وجود اس پر ثابت ہو جائے۔ اور یہ بالفعل صفتِ مولیٰ کریم ہے جو حکم خداوندی سے مفعول ہے۔

حضرت علی ہجویری لاہوری قدس سرہٗ کا فرمان مبارک کہ "روح مخلوق ہے اور یہ فعل خداوندی ہے[1]" بجا و درست ہے۔ اور وہ اس طرح پر ہے کہ مخلوق میں رُوح کا تصرف فعل خداوندی کے سوا نہیں ہے۔ اس امر یعنی کُنْ (ہو جا) کا ظہور فَیَکُوْنُ (پس ہو گیا) کے مترادف ہے۔ اس لیے مخلوق میں رُوح کا تصرف بحکم خدا اپنے محل و مقام کی رُو سے مخلوق کا حکم رکھتا ہے اور متحقق بالذات ہونے کی رُو سے غیر مخلوق یعنی کُنْ صفت بالذات اور فَیَکُوْن صفت

---

[1] بحوالہ کشف المحجوب۔

Marfat.com

بالفعل۔ اور امر ایک صفت ہے جو قدیم ہے۔ کیونکہ فعل امر خواہ صادر ہو یا نہ ہو، امر کی نفی نہیں ہو سکتی۔ جیسے حیّ، کلیم، سمیع، بصیر، علیم، مرید، قدیر۔

اور جو حضرت شیخ المشائخ علی ہجویری قدس سرہٗ نے روحیوں اور حلولیوں کے قول کو باطل کہا ہے، بہت درست فرمایا ہے۔ کیوں کہ انہوں نے روح کو قدیم کہا ہے جس سے اُن کی مراد خود ذات مولیٰ کریم ہے اور حکم اُن کا اسی پہ ہے کہ یہ حرکات و سکنات سب کی ہیں۔ اگر کہا جائے کہ "اسی کے حکم یعنی امر سے ہیں"، تو اختلاف اُٹھ جاتا ہے۔ قرآن شریف میں ہے کہ ہر انسان کی چوٹی یدِ قدرت میں ہے (مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا۔ پ۱۲۔ س۵)[1] اور جانور پر پھیلائے ہوئے کو ذاتِ باری تعالیٰ ہی تھامے ہوئے ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ	اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندے نہ دیکھے،
وَّيَقْبِضْنَ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا	پر پھیلاتے اور سمیٹتے۔ انہیں کوئی نہیں روکتا سوائے
الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ۝	رحمٰن کے۔ بے شک وہ ہر ایک چیز کو دیکھتا
(٦٧-١٩- پ۲۹- ع۲)	ہے۔

علمائے ظاہر اس بات پر ہیں کہ "احاطہ اور فعل اور حفاظت یہ سب کچھ علم سے ہے"۔ اور یہ خطا ہے۔ کیونکہ علم سے احاطہ بالذّات روا ہو سکتا ہے لیکن علم کا احاطہ بدوں ذات محال ہے۔ اور یہ معیتِ خداوندی ہے جس کے علم اور معرفت کی مثال اندھوں کے ہاتھی کی سی ہے۔ اس لیے ہر ایک نے اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق بیان کیا ہے اور وہ اپنی وسعت کے لحاظ سے حق پر ہے۔ لیکن محققین کا کلام اصح اور جامع ہے جن کو فضلِ ایزدی نے علم لدنی سے نوازا ہے۔ یہاں عقل و دانش عام کا تو کچھ کام ہی نہیں ہے۔

---

[1] کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو۔

Marfat.com

عاجز قیاس ہے یہاں وہم وخیال سے
نسبت کیا ہے ہمسری پتھر کو لال سے

خداوند تعالیٰ نے انسان کو اپنی سرشت پر یعنی اپنی صفت پر پیدا کیا ہے اور اس محدث وجود کو اپنی صفت کا محل بنایا ہے۔ گو یہ محال ہے کہ محدث قدیم کا محل ہو، لیکن یہ اس امر کا منافی نہیں ہے کہ اس کی تعریف اور صفت نہ ہو۔ بلکہ کل مخلوق خالق کی صفت اور تعریف ہے، اور سب کی ہستی مولیٰ کریم ہی سے ہے، اور انسان کو اس صفت سے خاص کیا ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ ذات قدیم کے لیے نہ کوئی محل ہے نہ مکان، اس لیے محال ہے کہ محدث اس کا محل ہو، لیکن خالقیت کی تعریف کے ضمن میں کُل مخلوق صفت خالق کا ظہور ہے جو صفت بالفعل کے مترادف ہے۔ ذوالجلال والاکرام نے اپنے امر سے جس کو رُوح سے موسوم کیا ہے اور تحقیق کے میدان میں نص قطعی سے کُن یعنی امر ہونے کی صورت میں نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي[1] کا اطلاق غیر مخلوق پر دال ہے۔ مشیّتِ ایزد متعال نے اپنی سرشت پر رُوح کو بشریّت کے پردے میں ودیعت فرمایا ہے اور انسان کو اس صفت میں خاص کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۙ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ (پ ۲۱ - ع ۷)	اللہ کی فطرت وہی ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی میں تغیر و تبدّل نہیں ہو سکتا یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اسی کی طرف رجوع کیے رہو اور اس سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو اور مشرکوں میں سے مت ہو جیو۔

[1] پھونکا میں اس میں اپنی رُوح سے۔

Marfat.com

انسان کو مولیٰ کریم نے اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے، نہ تبدیل ہوگی کبھی یہ سرشت۔ (مفسرین اس بات پر ہیں کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اسلام پر یعنی ہر بنی آدم کی فطرت انسانیہ اسلام پر ہوئی، خواہ بعد میں ماں باپ اسے یہودی بنالیں یا نصاریٰ یا مجوسی۔ لیکن اس صورت میں لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ کا مفہوم غلط ثابت ہوتا ہے۔ حدیث شریف کا ثبوت دیا ہے جو اپنے محل پر صحیح اور درست ہے اور حدیث شریف میں بھی فطرت ہی کا لفظ آیا ہے۔ مفہومی غلطی کی وجہ سے فطرت کا ترجمہ اسلام کر دیا ہے[1])۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ:

- اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا۔

خداوند قدوس صورتوں اور شکلوں سے پاک ہیں اس لیے اس سے مراد محض صفت اور سرشت ہی ہے اور مولیٰ کریم کی صفات ذاتیہ سات ہیں:

قَدِیْر۔ حَیّ۔ مُرِیْد۔ سَمِیْع۔ بَصِیْر۔ عَلِیْم۔ کَلِیْم۔

تو ان ہی صفات سے انسان کو مزین فرمایا ہے اور اسی کو دین قیم اور سیدھا راستہ بتلایا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر سیدھا راستہ نہیں پا سکتے۔ چنانچہ حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "اگر تو چاہے کہ مولیٰ کریم کا رستہ پائے تو زمین و آسمان میں نہ ملیگا اپنے دل کے گرد پھر، پالے گا"۔ اگر منظور خدا ہوا تو اپنے موقع پر مفصل بیان ہوگا۔ اب اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں، تاکہ طوالت باعث ملالت نہ ہو۔

---

[1] حدیث شریف یہ ہے:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ، فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ وَیُنَصِّرَانِهٖ وَیُمَجِّسَانِهٖ۔ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اسے یہودی اور نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔

Marfat.com

تو اب دیکھنا ہے کہ امر صفتِ مولیٰ کریم ہے جس کا مبدأ ارادہ ہے، اور مرید ہونا رب العالمین کی ایک صفت صفاتِ ذاتیہ میں سے ہے۔ اور ہر صفت مولیٰ کریم اپنی صفت کی مقید بھی نہیں بلکہ ہر وصف ذاتیہ واصفِ کُل لامحدود ہے۔ تو پھر امرِ مخلوق امرِ خالق کی مانند کیسے ہوں؟ امرالٰہی تو ایک نشان ونشانِ ایزدی ہے۔ دیکھیے! قرآن شریف میں کیا ارشاد ہو رہا ہے:

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ (پ ۲۶۔ ۱۸) — اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشانات ہیں اور تمہاری جانوں میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں؟

اور خود انسان کی صفات ذاتیہ کا اصل رُوح ہی ہے۔ جب جسم سے رُوح الگ ہو جاتی ہے تو یہ سب صفات معدوم ہو جاتی ہیں، وجودی افعال فوت ہو جاتے ہیں، تمام آلات حِسّی رہ جاتے ہیں۔ اب سمجھنا چاہیے کہ وہی رُوح جو بصارت کا کام دے رہی تھی، وہی طاقت جو سماعت کا کام کر رہی تھی، وہی ہستی جو کلیم تھی، اور حِس کی قدرت سے مانندِ ملائکہ اپنے اپنے محل ومقام پر كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ[1] کا فعل سرزد تھا، سب فوت ہو گئے۔ تو اب اگر کہا جائے کہ یہ سماعت وبصارت اور نطق سب ایک رُوح یعنی امرالٰہی کا فعل تھا، یا ہے، تو درست ہوگا، اور ان صفاتِ ذاتیہ کا رُوح کُل ثابت ہوا۔ اولیائے کرام بغیر آنکھ کے دیکھ سکتے ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے آگے دیکھتے تھے ویسے ہی پیچھے دیکھتے تھے۔

اے بھائی! اب جان کہ مولیٰ کریم کی صفات کا کیا حد وحصر، جب اس نے إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں) کے ارادہ سے

---

[1] سب اپنی اپنی شکلوں پر عمل کرتے ہیں۔

Marfat.com

نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ[1] کا محل انسان کو بنایا تو اس میں کیا تعجب کا مقام ہے کہ اس کی حرکات وسکنات اسی کی قدرت اور ارادہ سے ہیں۔ گو مثالیں بیان بیگانگی ہیں اور بے مثال کی مثال کے لیے کوئی وجہ درست نہیں آسکتا تاہم تفہیم وفہید کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں۔

آفتاب اور ضیاء (یعنی سورج اور اس کی روشنی) جن کا اصل ایک ہی ہے، امتیاز کے لحاظ سے دو ہو سکتی ہیں۔ لیکن آفتاب کو ضیا سے اور ضیا کو آفتاب سے ایسا اتحادی تعلق ہے جس کی تمیز محال ہے۔ اسی طرح روح (صفات ذاتیہ مولیٰ کریم) جو معیت خداوندی کا توسل اور مرکز ہے۔ اور تمام صفات ذاتیۂ انسان کا مبدأ ہے۔ یعنی سمع کو سمع سے اور بصارت کو بصارت سے اور کلام کو کلام سے اور علم کو علم سے، اور ارادہ کو ارادہ سے، اور حیاتی کو حیات سے، اور قدرت کو قدرت سے جو اتحاد معنوی ہے اس میں امتیاز اور کلام محال ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ مکتوبات دفتر سوم میں فرماتے ہیں:

"ظل سوائے اصل کے نہیں ہے اور ظل اصل نہیں ہے"۔ انسان مثل آئینہ ہے۔

معرفتِ الٰہی

معرفت یا معیتِ خداوندی کے علم وعرف تک کسی دلیل سے پہنچنا محال ہے۔ بلکہ معرفت الٰہی اس کے علم وعرفان کی دلیل ہے۔ اس لیے اس میں اس قدر اختلاف ہے کہ اصل معانی کے بالکل خلاف ہو گیا ہے۔ اہل اسلام کے ایک گروہ کے نزدیک تو باری تعالیٰ سب آسمانوں کے اوپر عرش پر بیٹھا ہے۔ دوسرے کے نزدیک وحدت الوجود میں واجب الوجود

---

[1] پھونکا میں نے اس میں اپنی رُوح سے۔

Marfat.com

کے تصرفِ ذاتی کے سوا سب لغویات ہیں۔ تیسرے گروہ کے نزدیک وہ ہر جگہ موجود۔ نہ اس کے لیے کوئی جہت نہ مکان، نہ اس کی گنجائش کے لیے زمین نہ آسمان، نہ اس کے بیان کے لیے قلم نہ زبان، نہ اس کے ادراک کے لیے وہم نہ گمان، نہ اس کے عرف کے لیے ظواہر نہ بطون، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مبارک ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِرَبِّیْ۔ یعنی پہچانا میں نے اپنے رب کو رب سے یعنی رب کے نور سے۔ اور یہ نہایت ہی لطیف قول ہے جو امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے، کیونکہ رب کو رب کے غیر سے پہچاننا محال ہے، اور یہ حال کے سوا نہیں ہے۔

ارشاد مولیٰ کریم ہے:

وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ	یقین کرنے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں۔
اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (پ ۲۶۔ ۱۸)	اور تمہارے اپنے نفسوں میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں؟

اور حدیث شریف میں وارد ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔	جس نے پہچانا اپنے نفس کو بیشک اس نے پہچانا اپنے رب کو

فَهِمَ مَنْ فَهِمَ۔

انسان پر عرفِ الٰہی میں جس قدر مشکل پیدا ہوئی ہے کسی اور مسئلہ کے لیے واقع نہیں ہوئی۔ بدیں وجہ جو کسی کی سمجھ میں آیا وہی ٹھان لیا۔ چشم بصیرت سے اندھے حقیقت سے بے خبر، اپنے ظن کے ٹٹو پر سوار، میدانِ توحید میں اپنے زعم سے گیندِ عرف کو انتہائے مقصود پر لے گئے ہیں اور اپنے جہل کو کمال معراج سمجھ بیٹھے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ یہ عقل و قیاس کا راستہ ہی نہیں۔

---

[1] پاک ہے اللہ اس سے جو وہ صفتیں بیان کرتے ہیں۔

Marfat.com

بقول بزرگے "عقل بڑی چیز ہے، لیکن جس ترازو سے سونے چاندی کو وزن کیا جائے، یہ نہیں ہو سکتا کہ اس سے پہاڑ کو بھی تول سکیں" عقل کا احاطہ موجودات اور محسوسات تک ہے، اور یہ میدان اس سے وراء الورا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ علم یعنی خبر صادق قرآن حکیم سے سنا یا پڑھا، اس کے مفہوم کو اپنے ہی قیاس و خیال کے سانچہ میں ڈھال لیا۔ مثلاً:

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (پ۔ ۱۶) کی تفسیر میں کہا کہ "خداوند تعالیٰ برتر سب آسمانوں کے اوپر عرش پر بیٹھا ہے، اور جب کرسی پر بیٹھتا ہے تو وہ چیختی ہے"۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ)۔

اور نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (پ۲۶۔ ۱۶۔ ہم اس کی طرف شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)، اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ٥ (پ۱۴۔ ۱۔ ہم ہی نے اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) وغیرہا آیات کے متعلق کہا کہ "یہ فعل فرشتوں کا ہے۔ چونکہ وہ ذاتِ معلیٰ آمر ہے اس لیے اس فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے"۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا	اور مشرق و مغرب سب اللہ کے لیے ہیں، تم
تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (پ۱۔ ۱۴)	جدھر بھی منہ کرو ادھر ہی اللہ متوجہ ہے

میں وَجْهُ اللّٰهِ کو صاف جہت قرار دیا ہے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ	نہیں ہے مانند و مثل اس کے کوئی چیز اور وہ
الْبَصِيْرُ (پ۲۵۔ ۳)	سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

کو اپنی ہی مانند خیال کیا ہے۔

فرمان مولیٰ کریم ہے:

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (پ۲۶۔ ۹)	بیعت رضوان والوں کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر ہے:

Marfat.com

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ (پ ۲۹ - ۴) جس دن کہ کھولا جائے گا پنڈلی سے اور سجدے کے لیے بلائے جائیں گے تو نہ کر سکیں گے (۶۸: ۴۲)

اب اگر ہاتھ اور پنڈلی کو ذہن میں رکھتے ہوئے کسی مخلوق کے ہاتھ اور پنڈلی کی مانند خیال کیا جائے تو سخت فتور لاحق ہوگا، اور پھر بُت پرستی اور خدا پرستی میں کچھ فرق نہ رہے گا۔

عزیزا! یہ عقل کی ردّ و کد کا مقام نہیں، عقلِ کُل اس جگہ درکار ہے، جو محض فضلِ ایزدِ متعال ذوالجلال والاکرام ہے۔ اور یہ عقل تو موجودات کے سمجھنے میں بھی عاجز ہے۔ مولیٰ کریم تجھے اپنے علم کی سمجھ عطا فرمائے، غور کر کہ ہوا ایک لطیف وجود عناصر موجودات میں سے ہے۔ سوائے فعلِ ہوا کے کچھ نظر نہیں آتا۔ جس کے بعد جب حکم خدا سے متحرک ہوتی ہے تو سب بے ساختہ بول اُٹھتے ہیں کہ آہا! ہوا آگئی۔ حالانکہ کرۂ ہوا میں خلا ممکن ہی نہیں۔ سوائے حرکت و سکون کے فعل کے آنا اور جانا روا نہیں ہو سکتا۔ تو مولیٰ کریم کے نزول و عروج سے کیا علم ہو سکتا ہے؟

ہوا جب تیز چلتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ "ہوا بڑی تیز چل رہی ہے۔ حالانکہ چلنا یا دوڑنا پاؤں کے عمل سے ہُوا کرتا ہے۔ اور کسی چیز کو اکھاڑ کر پھینکنا ہاتھ کی نسبت سے ہُوا کرتا ہے اور یہ ہوا کا فعل ہے کہ بڑے سے بڑے درخت کو جڑوں سے اُکھاڑ کر پھینک دیتی ہے۔

اب ہوا کے ہاتھ اور پاؤں میں عقل سے تمیز ہونی چاہیے جو محال ہے۔ تو خالقِ موجودات میں اس قسم کا نشان دینا یا سمجھنا سوائے جہالت کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ جو عالمِ موجودات تو کیا تمام عالموں سے بالاتر اور لطیف تر ہے۔

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی قدس سرہ العزیز نے اپنے مکتوبات شریف میں تحریر فرمایا ہے کہ عالمِ موجودات یعنی عالمِ ناسوت سے عالمِ جبروت لطیف اور عالمِ جبروت سے

Marfat.com

عالمِ ملکوت لطیف تر ہے۔ اور عالمِ ملکوت سے عالمِ لاہوت لطیف لطیف ہے۔ اور عالمِ لاہوت سے عالمِ ہاہوت لطیف در لطیف تر ہے، اور ذاتِ معلّٰی خالقِ کُل ان سب عالموں سے بالاتر لطیف در لطیف در لطیف ہے:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ	نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پاتا ہے
الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○	سب آنکھوں کو اور وہی ہے باریک بین و
(۶: ۱۰۴۔ پ۷۔ س۱۹)	خبردار۔

اِس لیے اس آنکھ سے دیدارِ الٰہی کا ہونا محال اور ناممکن ہے۔ لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ بس دیدارِ الٰہی نہ کسی کو ہوا اور نہ ہی ہو گا۔ بلکہ دیکھو فرمانِ ایزدی کس کرّ و فر سے وعید سنا رہا ہے۔ کہ:

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى	اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت
الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○	میں بھی اندھا ہے، اور راہِ راست سے بہت
(۱۷: ۷۲۔ پ۱۵۔ س۸)	ہی بھٹکا ہوا ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ! یہ کلام پاک اپنی آپ ہی تفصیل اور تفسیر ہے۔ کیسا ہی عمدہ اور برتر فیصلہ کیا ہے۔ فرمایا ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ	ہاں تو وہ اہمیت یہ ہے کہ یہ آنکھیں اندھی
تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ○	نہیں ہوتیں ولیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو
(۲۲: ۴۶۔ پ۱۷۔ س۱۳)	سینوں کے اندر ہیں۔

گو بصارتِ قلبی کا راستہ بھی یہی آنکھیں ہیں لیکن اس آلہ کی محتاج نہیں۔ خواہ یہ بگڑ گیا ہو بظاہر بند بھی ہو گیا ہو۔ بموجب ارشادِ ذاتِ معلّٰی بظاہر جوارح اس کی معرفت سے عاجز ہیں

Marfat.com

تاہم ذکر میں یہی آنکھیں فرمائی ہیں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے :

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ	اور اس دن ہم جہنم کو ایسے کافروں کے روبرو
عَرْضًا ۙ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ	پیش کریں گے جن کی آنکھیں میرے ذکر سے
غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ	پردے میں تھیں اور وہ سننے کی طاقت نہیں
سَمْعًا ۝ (۱۸: ۱۰۰-۱۰۱ - پ ۱۶ - ع ۲)	رکھتے تھے۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر ایک عضو کا فعل ہی اس کی عبادت یا ذکر ہوا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر زبان کا ذکر قرآن مجید کی تلاوت، یا اسمائے الٰہی کا ذکر، یا درود شریف کا ورد اور وعظ و پند، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دین کی تعلیم ہے۔ اسی طرح کان کا ذکر ان چیزوں کا سُننا، اور ہاتھ کا ذکر طاقت کا دین کے کاموں میں خرچ کرنا ہے۔ علیٰ ھٰذا القیاس پاؤں کا ذکر چلنا ہوا کرتا ہے، خواہ مسجد میں نماز ادا کرنے کو جانے، یا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے، یا حج ادا کرنے کے واسطے۔ اسی طرح آنکھ کا ذکر سوائے دیکھنے کے نہیں ہو سکتا ہے، جو محض دیدارِ الٰہی ہے۔ کیونکہ سوائے اس کے آنکھوں کا کوئی ذکر درست نہیں ہو سکتا ہے۔ قرآن شریف کے حُرُوف کو پڑھنے کے لیے دیکھنا گو آنکھوں کی عبادت تو ہے لیکن اُمّی شخص جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو، کافر نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ مومن نیک کردار اور صالح ہو۔ اور یہاں پر جن کی آنکھیں یادِ الٰہی سے پردے میں تھیں انہیں کافر کہا گیا ہے۔

اگر معرفتِ الٰہی کو تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تو ایک الگ کتاب چاہیے۔ اس لیے اختصار کے پیشِ نظر اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

معیّتِ خداوندی

عُرف یا معیّتِ خداوندی کا علم و عرفان جس کا اصل ایک ہی ہے، ظاہر سے مطلقاً نسبت نہیں رکھتا۔ جیسے اوپر گزر چکا ہے کہ عالم ناسوت سے عالم جبروت لطیف ہے۔ اور عالم جبروت سے عالم ملکوت لطیف تر ہے۔ اور عالم ملکوت سے عالم لاہوت لطیف در لطیف ہے، اور عالم لاہوت سے عالم ہاہوت لطیف در لطیف در لطیف ہے۔ گو اس ہر عالم کثیف کو عالم لطیف سے کوئی نسبت نہیں ہے لیکن یہ ایک دوسرے سے منفک اور ایک دوسرے کے منافی بھی نہیں ہیں۔ ہر ایک لطیف عالم کو اپنے قریب کے عالم کثیف سے تعلق ہے۔ مثلاً ہاہوت کو لاہوت سے، اور لاہوت کو مُلکوت سے، اور مُلکوت کو جَبرُوت سے، اور جَبرُوت کو ناسوت سے ایسا ہی تعلق ہے جیسا روشنی کو روغن سے، اور روغن کو اپنے مغز سے، اور مغز کو وُجود سے، اور وُجود کو اپنے شجر سے، اور شجر کو اپنی جڑھ سے اور جڑھ کو عناصر ارضی سے۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اُس کے
مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ	نور کی مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے
اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ	جس میں چراغ ہے اور چراغ ایک قندیل میں ہے
كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ	اور قندیل گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے۔ اس
شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ	میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے۔ وہ
وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ	درخت زیتون ہے کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ
لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى	مغرب کی طرف۔ اس کا تیل جلنے کو تیار ہے خواہ

Marfat.com

نُوۡرٍؕ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۙ (۲۴:۳۵ - پ ۱۸ - س ۱۱)

اسے آگ نہ بھی چھوئے۔ روشنی پر روشنی ہے۔ خدا اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

ارشاد ایزد متعال ذوالجلال والاکرام اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ہے۔ جس نور کی مثال کمشکوٰۃ بیان فرمائی ہے۔ اب اگر اس مثال کو کسی خاص شخص پر منسوب کیا جائے جیسا کہ بعض مفسرین نے تحریر کیا ہے تو نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ کا فائدہ نہیں رہتا۔ اس لیے کہنا ہی پڑے گا کہ کل موجودات فی السماوات والارض مثل روشن دان کے ہے اور زجاج عالم محسوسات سے، اور چراغ مانند معلومات کے ہے، اور روشنی مانند معرفات کے ہے۔ فرمان حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَرَفۡتُ رَبِّیۡ بِرَبِّیۡ (یعنی پہچانا میں نے اپنے رب کو رب کے نور سے، مطابق فرمان مولیٰ کریم یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ کے ہے۔ یعنی اللہ جل شانہٗ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔

عزیزا! مولیٰ کریم تیرے لیے آسان کرے، سمجھ! عالم موجودات سے عالم محسوسات کا احاطہ وسیع ہے، اور عالم محسوسات سے عالم معلومات کا احاطہ وسیع تر ہے۔ اور عالم معلومات سے عالم معروفات کا احاطہ بہت ہی وسیع ہے۔ اس سے ورا عالم امر ہے، جو ان سب سے بالاتر ہے۔ اور ذات باری تعالیٰ ان سب عالموں سے بدرجہا بالاتر ہے۔

عالم موجودات وہ ہے جو موجود ہے۔ جس کے لیے آنکھ سے دیکھنا یا ہاتھ سے ٹٹولنا روا ہے۔ اور یہ لطیف ہو یا کثیف، مادیات سے ہے۔ اور عالم محسوسات اثرات سے متعلق ہے جس کا ماخذ حواس خمسہ ہی ہیں، خواہ وہ نظر آئے یا نہ آئے۔ مثلاً گرمی سردی کا لگنا،

Marfat.com

درد کا ہونا، بخار کا چڑھنا اُترنا اور رنج و راحت سے متاثر ہونا یعنی کسی اثر سے رنجیدہ، غمناک اور خوش ہونا ہوتا ہے۔ اور عالم معلومات علم سے علاقہ رکھتا ہے جو کسی چیز کے عُرف سے جاننا اور پہچاننا ہوتا ہے، جو قوتِ حافظہ کے سپرد ہو کر دماغ میں قرار پکڑتا ہے اور یہ ظن اور گمان کے سوا نہیں ہے۔ عالم معروفات علم عُرف سے متحقق ہوتا ہے، اور یہ بصیرت قلبی سے ہے۔

علم اصول کے لحاظ سے ظن اور گمان سے نسبت ہے اور عرف حکم۔ مثال اس کی اس طرح پر ہے کہ ایک گھڑا پانی سے بھرا ہوا سامنے پڑا ہے۔ جس کی تراوت کو دیکھنے سے یہ گمان اور ظن غالب ہے کہ اس میں پانی ہے، اور یہ علم الیقین ہے۔ پھر جب چپنی اٹھا کر پانی کو آنکھ سے دیکھ لیا تو عین الیقین حاصل ہو گیا۔ اور اگر اس کو چکھ کر یا پی کر اس کی کیفیت سے شناسا ہوا تو حق الیقین حاصل ہو گیا۔ تب ظن یا گمان باقی نہ رہا، تو حسب الحکم

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا　　یقیناً ظن حقیقت سے کچھ بھی کفایت نہیں کرتا

(پ ۱۱ - س ۹)

عُرف حاصل ہو گیا۔ کیونکہ جب روئت حاصل ہوتی ہے تو ظن باقی نہیں رہتا۔ اس سے بالاتر عالم امر ہے جو شانِ ایزدی اور صفاتِ ذاتیہ مولیٰ کریم سے ہے۔ اور وہ عالم ارواح سے متعلق ہے جس کے لیے ارشاد ہوتا ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ[1]۔

عالم امر یا حکم سے بدرجہا بالاتر وہ احکم الحاکمین کی ذات معلّیٰ ہے جس کے عُرف یا معیت کا علم محض فضل ایزدی سے وابستہ ہے۔ ان سب عوالم کو ایک دوسرے سے لطافت اور مدارج کے لحاظ سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ لیکن تعلق یا واسطہ کے لحاظ سے ہر ایک عالم

---

[1] فرمائیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔

Marfat.com

اپنے قرب کے عالم سے رشتہ دار ہے۔ یعنی احکم الحاکمین کو اپنے حکم سے یا آمر کو اپنے امر سے، اور امر کو میدانِ عُرف سے، اور عرف کو علم سے اور علم کو حواس خمسہ سے، اور حواس خمسہ کو جسمانیت یعنی عالم موجودات سے رشتہ ہے لیکن احکم الحاکمین یا اس کے امر سے (جو سب علم اور عُرف کا اصل ہے) علم بغیر عرف کے ہونا محال ہے۔ اور عارف عالم ہوتا ہے اور عالم عارف نہیں ہوتا۔

تو جب ایزد متعال ذوالجلال والاکرام نے اپنی قدرت کاملہ سے نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ کی نعمتِ بے بہا کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاکی پتلا میں ودیعت فرمایا یعنی حیاتی کو وجود کا، روح کو بُت کا، انسان کو بشریت کا، اصل کو فرع کا، مجمل کو مفصل کا، اور سِر کو ظہور کا لباس پہنا دیا تو اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً کے ارادہ پر کلام کرنے والے ملائکہ کو اپنی شانِ لازوال کے تصرف اور علم لدُن کے اخفا اور ظہور سے متنبہ کرتے ہوئے اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ کا حضرت آدم علیہ السلام کو ارشاد ہوا۔ تب خلیفۃ اللہ عالم امر کی مقدس حقیقت کو قلبِ اطہر کے ظرف میں لیتے ہوئے میدانِ عُرف کی طرف قدم زن ہوئے اور علم کُل سے عالم ہو کر احاطۂ احساس کی راہ سے موجودات کے نام بتا دیے۔ تب ملائکہ کی طرف مخاطب ہو کر خالق موجودات نے فرمایا اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۔

ا؎ پھونکا میں نے اس میں اپنی رُوح سے۔

۲؎ میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔

۳؎ خبر دو ان کو ان کے ناموں سے۔

۴؎ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

Marfat.com

نفس

لغت کے لحاظ سے نفس کسی شے کی ذات کا نام ہے۔ اس میں بھی بہت اقوال ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک نفس کے معنی جسم ہیں۔ بعض نفس سے سانس اور بعض خون مراد لیتے ہیں۔ صوفیائے کرام نے اس کے معنی خصائل رذیہ، اخلاق کمینہ، عادات سفلیہ اور خواہشات رذیلہ کے لیے ہیں، اور وہ کسی حد تک درست ہیں۔ بارشاد حضرت علی ہجویری عُرف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ یہ سب صفات نفسیہ ہیں۔ ضرور ہے کہ صفات کے لیے عین ہو جس میں یہ صفات پائے جائیں۔ اور اس کے تین درجے ہیں:

ایک بموجب ارشاد اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ[1] برائی کی طرف حکم کرنے والا ہے۔

دوسرا درجہ نفس لوامہ ہے جس کے متعلق لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ[2] میں اشارہ ہے۔ اور اس کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ کبھی ہدایت کی طرف اور کبھی غفلت کی جانب۔

تیسرا نفس مطمئنّہ، ذات معلّٰی سے استقامت رکھنے والا۔ قرآن حکیم میں ہے:

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۙ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۚ	اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف واپس ہو۔ یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی

تو معلوم ہوا کہ نفس کے صفات بدلتے رہتے ہیں اور مجاہدہ سے یہ پاک اور نیک بلکہ

---

[1] بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔

[2] روز قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے۔

Marfat.com

خداوند تعالیٰ کا مقرب اور مطمئن ہو سکتا ہے، اِلّا ماشاء اللہ۔ تو نفس عین ہوا نہ کہ صفت۔ اور جسم یا خون اور سانس کے معنی درست نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ جب جسم بے رُوح ہو جاتا ہے تو یہ سب معنی فوت ہو جاتے ہیں۔

ہر چند نفس اور انسان میں سندات کے لحاظ سے یعنی قرآن شریف کی آیات سے کوئی فرق نظر نہیں آتا ہے، اور اصل یہی ہے کیونکہ رُوح اور وجود کے سوا تیسری چیز اگر کوئی ممکن ہو تو بغیر رُوح کے اس کا اثبات ہونا چاہیے، اور یہ محال ہے۔

چونکہ میرا اُسلوب بیان اس کتاب میں "انسان فی القرآن" ہے، اس لیے مجبور رہوں اور یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ رُوح اور وجود کے اختلاط سے نفس پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ جب ابھی ظہور انسان نہ تھا یعنی خاکی جسم سے مبرّا تھا اور ذکر کے قابل نہ تھا۔ ذکر انسان کی ابتدا (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) اس خاکی پُتلا میں رُوح پھونکنے سے پہلے نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو اس کے لیے ارشاد ہوتا ہے هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا ۔ یعنی کہ انسان پر ایک وقت وہ بھی تھا کہ وہ ذکر کے قابل نہ تھا۔ گویا وہ ایسی چیز تھی جو ذکر میں نہ آسکتی تھی۔ گو عالم ارواح یا عالم امر کا ذکر فی القرآن ہے لیکن اس کے علم اور حال سے واقف ہونا سوائے اس وجود کے نہیں ہے۔ ہاں انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے لیے یہ قید نہیں جس کا ذکر ان شاء اللہ اپنے موقع و محل پر ہو گا۔

مولانا شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہ وجودِ ذہنی اور لفظی کی نفی ہے، اتحادی وجود کی نفی نہیں"۔ پھر نفس کا تو ذکر ہی کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر اگر قبل از پیدائش خارجی طور پر ہوا تو وہ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (یعنی میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں) کے الفاظ کے سوا نہیں ہے جو محض ارادۂ الٰہی کا اظہار ہے۔

Marfat.com

بعد میں فرمایا فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ٥ یعنی جب میں اسے درست کر کے اس میں اپنی رُوح پھونک دوں تو اسے گروہِ ملائکہ! تم اس کے لیے سجدے میں گر جانا۔ پھر جنّت میں بسانا اور لغزش کی وجہ سے اِهْبِطُوْا (اُتر جاؤ) کا حکم صادر فرما کر فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ[1] کی قید لگا کر میدانِ دنیا میں ٹھیرانا وغیرہ واقعات ظہور میں آئے۔ لیکن یہاں بھی رُوح اور مٹی کے بُت کے سوا تیسری چیز کا نام نہیں۔ کئی مقامات پر قرآن کریم میں "نفس" کا لفظ ہی انسان پر بولا گیا ہے۔ اب ناممکن ہے کہ نفس، بغیر رُوح کے خواہشات اور صفاتِ سیئہ سے متّصف، وجود میں کوئی تیسری چیز ہو، جس کو عین کہیں۔ سو یہ سب صفات حضرتِ انسان ہی میں پائے جاتے ہیں، جو کہ مظہرِ کُل ہیں۔

حضرت علی ہجویری قدّس سرّہٗ نے (کشف المحجوب میں) تحریر کیا ہے کہ جنابِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ اَیْ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْفَنَاءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْبَقَاءِ وَیُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالذُّلِّ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالْعِزَّةِ وَیُقَالُ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ بِالْعُبُوْدِیَّةِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بِالرُّبُوْبِیَّةِ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا پس تحقیق اس نے اپنے رب کو پہچانا یعنی جس نے اپنے نفس کو فانی سمجھا اس نے اپنے رب کو باقی سمجھ لیا۔ اور کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو ذلّت سے پہچانا اس نے پہچانا اپنے رب کو عزّت سے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو عبودیت سے پہچانا اس نے اپنے رب کو ربوبیت سے پہچانا۔ پس جو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا وہ سب معرفت سے محجوب رہتا ہے۔ اور اس

---

[1] ایک وقت تک زمین میں ٹھیرنا اور برتنا ہے

Marfat.com

سب سے مراد اس جگہ انسان کی معرفت ہے۔ اور لوگوں کا اختلاف اس میں آپس میں معارضہ کے سبب سے ہے۔

کیا ہی خوب اور درست فرمایا ہے، مولیٰ کریم ان کا بھید زیادہ سے زیادہ پاک کرے الحمد للہ رب العلمین۔ آخر انسان یا انسان کی بہیمیت ہی کو نفس کہنا پڑے گا کیونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تب ہی اس کی ہر طرح کی خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔ ماں سے اُنس اور خوراک کے لیے دودھ کی ضرورت، رفتہ رفتہ خوراک و لباس، دوست و دشمن کا احساس بڑا ہو کر حرص و شہوات کا بندہ اور تفاخر و عزت کا شیدا ہو جاتا ہے جو سراسر مایۂ نفس ہے روحانیت کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ تعلیم اور علم کے بغیر نہ خدا کا پتہ نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرف۔ خورش و پوشش اور خواہشات حیوانیہ کے سوا کچھ بھلا معلوم نہیں ہوتا ہے انہی صفات کی بنا پر مولیٰ کریم نے ارشاد فرمایا ہے:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (پ ۹ - ر ۱۲)

ایسے لوگ چارپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ اور یہی غافل لوگ ہیں۔

اپنی صفت اور حال میں تو حیوانوں کی مانند ہیں، اور اشرف المخلوقات انسان ہو کر حیوانی صفت میں رہنا ان سے زیادہ گمراہ ہونا ہے۔ کیونکہ اس کی صفات حیوانیہ اور صفات روحانیہ یعنی طاقت اور ہمت، فکر اور عقل، سعی اور ارادے جو سب رُوح سے وابستہ ہیں، دُنیوی زندگی کے فوائد اور جسمانی تعیش کے حصُول کے لیے محنت اور تکلیف اُٹھاتے ہوئے خرچ ہوتے جاتے ہیں۔ سوائے موت کے کوئی بھی چیز نہیں جو ان کو حیران، پریشان اور مرنے کے بعد کی فکر کے لیے مجبور کرے اور وہ بھی شاذ۔ ہر ایک انسان ایسی غفلت میں مستغرق ہو رہا ہے کہ لمحہ بھر کے لیے بھی ادھر متوجہ ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک

Marfat.com

یہ ایک عادت زمانہ سمجھی جاتی ہے کہ "ایسا ہوتا آیا ہے اور ہوتا جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو نظام دنیوی کیسے رہ سکتا ہے؟ بوڑھے زیادہ عمر میں خوار ہو جائیں" وغیرہ وغیرہ۔ نہ یہ علم ہے کہ انسان کیا چیز ہے، کہاں سے آیا اور کہاں گیا، اور اس کے ساتھ کیا ہوگا؟ بعض اسی سبب سے دہریہ بن گئے اور کافر ہو گئے۔ آخرت پر ایمان لانا ان کے لیے ایک خام خیالی اور من گھڑت باتیں متصور ہوئیں جیسا کہ قرآن شریف میں تصریح کے ساتھ فرمان ایزدی با آواز بلند پکار کر غفلت کی نیند سے جگا رہا ہے۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ (۴۵: ۲۴ - پ ۲۵ - ع ۱۹)

اور انہوں نے کہا کہ بس یہ ہماری دنیا کی زندگانی ہی ہے کہ ہم مرتے جیتے ہیں اور ہم کو زمانہ ہی ہلاک کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

(۶: ۲۹ - ۳۰ - پ ۷ - ع ۹)

اور انہوں نے کہا کہ بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہی ہے اور ہم (مرنے کے بعد پھر زندہ نہیں کیے جائیں گے۔ تم تعجب کرو گے جب ان کو دیکھو گے کہ پروردگار کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے اور وہ کہے گا کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) برحق نہیں؟ تو جواب دیں گے کیوں نہیں، پروردگار کی قسم (بالکل برحق ہے) خداوند کریم فرمائیں گے تو جو کفر کرتے رہے ہو اس کے بدلے عذاب کے مزے چکھو۔

کاش! کہ آج اس وقت کو جانتے جب کافر افسوس کے ہاتھ مل کر کہے گا:

Marfat.com

یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ۰ (پ ۳۰ - س ۳) اے کاش کہ میں مٹی ہو جاتا۔

یعنی انسان (جس کی حیات ابدی ہے) نہ ہوتا، تاکہ عذاب سے بچ جاتا۔ آخرت کی زندگی کے انکار کی وجہ سے ایمان اور عمل سے بے بہرہ رہتا رہا۔ وہ یقین جو مر کر نہ اُٹھنے پر تھا، جاتا رہا اور آخرت کی حیاتی جو ہمیشہ کی حیاتی ہے، اس پر یقین آگیا۔ تب یٰلَیۡتَنِیۡ کی صدا بلند ہوئی، اور اپنے کیے پر نادم اور گناہ کا اقرار اور بے نہایت و غایت نقصان سے علم ہو گیا۔ اب اگر خواہش ہوئی تو یہ کہ ایک دفعہ دنیا میں جانا نصیب ہو۔ بفرمانِ الٰہی:

اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ تَرَی الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ کَرَّۃً فَاَکُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ۰ (پ ۲۴ - س ۳) یہ جب عذاب دیکھ لے گا تو کہنے لگے گا کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں۔

مگر بے سود، کہاں کا لوٹنا اور کیسا واپس جانا۔

اب یہ جو کچھ بھی ہوا، ہر چند اسباب مختلف ہیں لیکن اصل سبب اور عام صورتوں میں بہیمیت یعنی نفس کا حجاب ہی سدِ راہ ہو گیا۔ ورنہ نجات کا خیال ہر بشر کو لگا ہوا ہے۔ موت کے بعد جی اُٹھنے کے لیے عمل صالح، خشوع و خضوع، عجز و نیاز، خوف و رجا، فکر و قلق، سعی و محنت وغیرہ جن کی ضرورت تھی نفس پر شاق اور گراں گزرے اور بظاہر حیاتی اور حظوظ و لذائذِ نفسانی پر فریفتہ ہو کر انکار کرنا آسان معلوم ہوا۔ سچ ہے کہ "جاہل کے لیے دو رکعت نماز باخلاص پڑھنا دوزخ میں داخل ہونے سے زیادہ دشوار ہے"۔

چونکہ دنیا میدانِ آزمائش اور یہ وجود آزمائش کا اصل ہے اس لیے اس کے اسباب نہایت قوی ہیں۔ کیونکہ رُوح کے توسل سے عناصرِ اربعہ کی گھڑت میں جو قوتیں پیدا ہوئیں جن کو حواسِ خمسہ کہنا بجا ہے، ان سے ہر طرح کا احساس پیدا ہوا۔ آنکھ نے دیکھا، کانوں نے

Marfat.com

سُنا، زبان چکھنے سے آشنا ہوئی اور باقی جوارح کو مَس سے تاثیر ہوئی۔ ان سب کی تاثیر کا اثر دماغ میں پہنچا اور قوتِ حافظہ کے سپرد ہو کر قلب پہ ہویدا ہو گیا۔ اس تاثیر کے جذب سے ہزارہا کیفیات کا پیدا ہونا روزمرہ سے ثابت ہے۔ مثلاً آنکھ جب کسی خوبصورت چیز کو اخذ کرتی ہے تو دل فوراً اس کی مزید طلب کے لیے بے تحاشا للچانے لگتا ہے۔ گویا یہ دو زہر آلودہ تیر پہلا ارادہ دل کو ڈس لیتے ہیں۔ طرفہ ماجرا یہ کہ نیک یا بد جو اثر بھی دل پر ہوتا ہے وہ اسی اثر کو زیادہ چاہنے لگتا ہے، حتیٰ کہ رات دن اسی تصور کی تصویر حیرت بن جاتا ہے۔ آخر اس کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے اور عشق تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ جان بھی قربان کر دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں عقل کام نہیں کرتی، تدبیریں بیکار ہو جاتی ہیں، نصیحت بھی کارگر نہیں ہوتی۔ نفع و نقصان کی سمجھ دماغ سے اُٹھ جاتی ہے اور ایک دُھن میں سیدھا قوتِ ارادی سے بلا کے گڑھے میں گرا جاتا ہے۔

دراصل اس ساری کارگاہِ حیات میں نفس یا انسان کی ان تینوں صفات یعنی نفس اَمَّارَۃٌ بالسُّوٓءِ، نفس لَوَّامَۃ اور نفس مُطْمَئِنَّۃ ہی کا ظہور ہے جن کی تفصیل آئندہ اوراق میں پھیلی ہوئی ہے۔

امانتِ الٰہی کا حامل

کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ جذباتِ نفس (اَمَّارَۃ بالسُّوٓء) جن کا مختصر بیان اوپر کیا گیا ہے مولیٰ کریم کی طرف بڑھتے اور جس مقصود کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، حاصل کرتا۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا[1] کی تمیز سے اس کا دماغ درست ہو جاتا اور

[1] پیدا کیا موت اور زندگانی کو تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے اچھے عمل والا ہے۔

Marfat.com

یہ اپنے صِرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ[1] کو پہچان لیتا۔ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ[2] سے عالم ہو کر حیات ابدی سے عارف ہو جاتا۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ[3] کی حقیقت اس پر روشن ہو جاتی، تب اس امانت کا حق ادا ہوتا جس کو زمین و آسمان اُٹھانے کی تاب نہ لاسکے، پہاڑ اس کی بار آوری سے دم بخود ہو کر رہ گئے اور مشیتِ ایزدی نے اپنی خاص حکمت سے اس کو اُٹھانے کی جرأت دی اور وہ بے بہا نعمت اس کے قلب میں ودیعت فرما کر اس کو امین کے اسم سے موسوم فرما دیا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ	ہم نے بارِ امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں
وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا	پر پیش کیا تو انہوں نے اس کو اُٹھانے سے انکار
وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ	کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اس کو
اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ لِّيُعَذِّبَ	اُٹھا لیا۔ بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا۔ تاکہ
اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَ	عذاب کرے اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں
الْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ	اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو۔ اور
اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَ	مہربانی کرے اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر
كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (پ ۲۲ ع ۶)	اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ہر چند امانت پر مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک امر و نہی اور عبادت الٰہی ہے، اور اکثریت اسی پر ہے۔ اور بعض نے اس کو محبت کہا ہے۔ لیکن سوائے محبت کے امانت کے وجود پر کوئی دوسرا لباس درست نہیں بیٹھتا۔ کیونکہ امانت اس چیز کو

---

[1] راہ سیدھی۔ [2] (حضور) جب تمہیں بلائیں اس چیز کی طرف جو تمہیں زندگی بخشے۔
[3] جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

Marfat.com

کہا جاتا ہے جو بطور ودیعت کسی کے سپرد کی جائے۔ اور امر و نہی کا جمع کرنا انسانی فعل کا مقتضی ہے۔ اگر یہ ہی کہا جائے کہ امر و نہی اور اطاعت و عبادت بار امانت ہے اور یہ اس کا اٹھانے والا ہے تو زمین و آسمان کی کوئی چیز اس سے خالی نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد کلام پاک ہے:

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ○ (۶۲: ۱۔ پ ۲۸۔ س ۱۱)	جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں سب خدا کی تسبیح کرتی ہے، جو بادشاہ حقیقی، پاک ذات، زبردست، حکمت والا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدٰنِ ○ (پ ۲۷۔ س ۱۱)	بوٹیاں اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔

اور فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِیْحَهٗ ؕ (۲۴: ۴۱۔ پ ۱۸۔ س ۱۳)	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں میں اور زمین میں ہیں خدا کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور جانور پر پھیلائے ہوئے بھی۔ سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں۔

اس مضمون کی بہت سی آیات کلام مجید میں وارد ہیں اور ہر چیز امر کی خوشی سے فرمانبردار ہے تو پھر اَبَیْنَ اور اَشْفَقْنَ کا فائدہ نہیں رہتا۔ بار امانت کی علت تو آزمائش ہے۔ تاکہ آزمائیں ہم منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرکہ عورتوں کو امانت میں خیانت کی رو سے، اور مومن مرد عورتوں پر مہربانی کریں۔

حامل امانت ہونے میں مومن مخصوص نہیں ہیں بلکہ سب انسان شامل ہیں۔ لیکن مومن کو اس خیانت کے ظلم اور شرک میں ملبوس ہونے سے مستثنیٰ فرمایا ہے اور مشرک اور منافق کو بوجہ

Marfat.com

شرک اور نفاق کے عذاب کی وعید سنا کر ڈرایا ہے۔ ہر چند انسان میں دونوں جہان سے نشان ہیں۔ یہ شرف و بزرگی اسی وجہ سے ہے کہ اس کا معاملہ مولیٰ کریم سے محبت کا ہے اور یہ اس کا حامل ہونے میں مخصوص ہے۔ باقی صفات حیوانیہ تو کل حیوانات میں پائی جاتی ہیں، لیکن محبت کا جامہ سوائے انسانی وجود کے کسی دوسرے پر درست نہیں آسکتا۔ یُحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗ (پ ۶ - ۱۳) کی دولت اس خاکسار ہی کے نصیب میں آئی ہے لیکن فرمان ایزدی کے مطابق یہ محبت کے عرف سے بھی جاہل ہے اور اس کے غیر محل پر صرف کرنے کی بنا پر ظالم اور مشرک۔

یاد رہے کہ محبت اور چیز ہے اور ضرورت اور رغبت اور چیز۔ ہر ایک انسان اور حیوان کو خوراک کی ضرورت ہے جس کے بغیر چارہ نہیں۔ اس لیے جب خواہش کی گئی چیز اس کو نہیں ملتی تو اس کی طلب میں بے قرار ہوتا ہے، مل جانے پر بڑا خوش ہوتا ہے، لیکن سیر ہو کر کھا لینے کے بعد جب ضرورت نہیں رہتی تو اسی چیز کو جس کی طلب میں پہلے بے قرار تھا، دوبارہ کھانے سے کراہیت اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ تو محبت اور کراہیت میں کیا نسبت؟

دوسری رغبت۔ سو ہر جنس کو اپنی جنس سے رغبت ہے۔ گویہ محبت کے قریب ہے مگر اس میں بھی کچھ نہ کچھ غرض پائی جاتی ہے جو محبت کی ضد ہے۔ خالص محبت میں غرض کا پایا جانا عیب ہے۔ محبت محض محبوب کے لیے ہی خاص ہوا کرتی ہے۔ غرض وجود کی کسی حاجت روائی کا نام ہے اور محبت میں وجود بلکہ جان بھی کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اس لیے اگر من دون اللہ سے محبت ضرورت اور رغبت کی راہ سے ہو تو اس کو محبت کہنا روا نہ ہوگا۔ اور اگر ایسی محبت ہو جیسی مولیٰ کریم سے ہونی چاہیے، جو حقیقتِ ایمان ہے تو وہ شرک ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ	اور بعض آدمیوں میں سے شریک پکڑتے ہیں سوائے
اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ	اللہ کے کہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت

۱؎ وہ (اللہ تعالیٰ) اُن سے محبت رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (۲: ۱۶۵ - پ ۲ - س ۴) — اور جو لوگ صاحبِ ایمان ہیں وہ اشد یعنی سخت محبت اللہ ہی سے کرتے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ سے کرنی چاہیے

مومن خاص کو بھی قوتِ لایموت سے چارہ نہیں ہے کیونکہ اس کی ضرورت ہر بشر (مومن، ولی، پیغمبر، سب) کو لازم ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس سامان کے ہونے سے ان کو محبت اور نہ ہونے سے طلب نہیں ہوتی ہے۔ ان کا جینا، مرنا، تمام افعال و حرکات مولیٰ کریم ہی کے لیے ہوتے ہیں اور ہر حال میں وہ اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں۔ محبت کے میدان میں رضا کی بساط پر وُرود کے سایہ میں پرورش پا رہے ہیں اور طلب کے راستہ پر اسی کی توفیق سے چل رہے ہیں، اور فرمان ایزدی:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ (۳: ۱۷۹) — جب تک خدا ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے گا، مومنوں کو اس حال پر جس پر تم ہو ہرگز نہیں رہنے دے گا۔

کے تصرف سے تغیر و تبدل کی کروٹیں بدل رہے ہیں۔ گو بشریت ایسی بلا ہے کہ علائق متعلقہ کو مند کر ہی دیتے ہیں لیکن ایسے شخصوں کو نسیان مِنْ دُوْنِ اللّٰہ لازم ہوتا ہے اور اپنے حال میں سے فرصت ہی نہیں پاتے، جس کو حفاظت من اللہ کہنا روا ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی آنکھ میں کانٹا لگ گیا۔ کئی دن کے بعد کسی نے عرض کیا کہ حضور! کانٹا تو نکال لیا ہوتا؟ فرمایا "فرصت ہی نہیں ملی"۔ حالانکہ بظاہر کوئی کام تھا ہی نہیں جس میں مشغول ہوتے۔ اسی لیے مردانِ خدا کا قول ہے کہ "جس نے ہمارے ظاہر کو دیکھا وہ گمراہ ہو گیا اور جس نے ہمارے باطن کو پایا برسرِ راہ ہوا" ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
ہمچوں باشد در نوشتن شیر و شیر

Marfat.com

حضرت آدم علیہ السّلام کی جنّت میں سکونت

وَقُلْنَا یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ	اور ہم نے کہا اے آدم! تو اور تیری بی بی دونوں
الْجَنَّۃَ وَکُلَا مِنْھَا رَغَدًا حَیْثُ	جنت میں رہو اور اس میں سے بافراغت جہاں سے
شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا ھٰذِہِ الشَّجَرَۃَ	چاہو کھاؤ۔ لیکن اس ایک درخت کے نزدیک
فَتَکُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَاَزَلَّھُمَا	مت جانا، ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے پس
الشَّیْطٰنُ عَنْھَا فَاَخْرَجَھُمَا مِمَّا	شیطان نے ان کو اس سے پھسلا دیا اور جس
کَانَا فِیْہِ ص وَقُلْنَا اھْبِطُوْا بَعْضُکُمْ	مقام میں وہ تھے وہاں سے نکال دیا۔ ہم نے کہا
لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ط پ۔ ع	اُتر جاؤ! تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔

مفسرین کے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ہر ایک نے اپنے معلومات اور استعداد کے مطابق ارشادات فرمائے ہیں جو تحقیق کے میدان میں کسی حد تک صحیح ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک یہ جنت اپنے اصلی مقام یعنی ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے جہاں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مع اپنی زوجہ محترمہ حضرت حوّا رضی اللہ تعالیٰ عنہا داخل کیے گئے اور ابلیس لعین کے دھوکا دینے اور شجر ممنوعہ سے کھا لینے کی وجہ سے جنت سے اتار دیے گئے اور سراندیپ وغیرہ میں گر پڑے اور نادم ہوئے وغیرہ وغیرہ

دوسرے گروہ کے نزدیک یہ عقل کے برعکس اور قرآن شریف کے خلاف ہے اور وہ اس دلیل پر ہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیدا کرنے سے پہلے ارشاد باری تعالیٰ بالکل عیاں ہے کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط یعنی میں "زمین" میں اپنا ایک نائب (خلیفہ) بنانے والا ہوں۔ جس کا ظہور اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (میں مٹی" سے ایک

Marfat.com

ڈھانچہ بنانے والا ہوں) کے موافق میدان دنیا ہی میں ثابت ہو رہا ہے۔ رہا جنت سو وہ ایک خوشگوار فلاں مقام (عدن) میں ایک باغ تھا۔ اور "جنت" عربی زبان میں باغ کو کہا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید میں وارد ہے:

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا — اور بیان کران کے لیے مثال دو مردوں کی کہ کیے

لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ (پ۱۵-ع۱۷) — ہم نے واسطے ایک کے ان میں سے دو باغ۔

اور اِهْبِطُوْا سے مراد باغ سے نکال دینا ہے۔ نہ یہ کہ جنت آسمانوں پر تھا، اور نہ ہی قبل از موت حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جنت میں داخل کرنے کے لیے آسمانوں پر اٹھا لے گئے۔

یہ سب کم فہمدگی کی وجہ سے تاویلات ہیں جو قرین قیاس نہیں ہیں۔ کیونکہ جنت اور اس میں داخلہ آسمانوں پر مان لیا جائے تو اس میں کئی اشکال پیدا ہوتے ہیں جن کا حل ناممکن ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا فائدہ نہیں رہتا۔

کہا جا سکتا ہے کہ "یہ مشیتِ ایزد متعال ذُوالجلال والاکرام کے اسرار میں سے ہے، جو عام فہم نہیں ہے۔ جنت میں داخل کرنے اور بوجہ لغزش زمین پر گرا دینے میں حکمتِ کاملہ ہے۔" اگر اس کو تسلیم کیا جائے تو حضرت آدم علیہ السلام کی دعائے مغفرت (رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا الآیۃ) لایعنی ثابت ہوتی ہے اور سراسر الزام باری تعالیٰ پر عائد ہوتا ہے، جو قطعاً حرام ہے اور اس کا امکان محال۔ اس لیے ماننا ہی پڑے گا کہ یہ جنت نہایت آرام کی جگہ اور تمام نعمات کا سرمایہ دنیا میں کا ایک باغ تھا جس میں بلا طلب و محنت داخل کیے گئے اور لغزش کی وجہ سے نکال دیے گئے۔

اُصُول کے رُو سے مفسرین میں اس قدر ہی اختلاف ہے۔ فروعی صورت میں کئی ایک

Marfat.com

وجہ پر جو اختلافات ہیں ان کا یہاں درج کرنا لاحاصل ہے۔ اب مَا تَوْفِيْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ صحتِ حال کی رُو سے حسبِ استعداد کچھ تحریر کیا جاتا ہے جو ماشاء اللہ تحقیق کے میدان میں غور و تعمق کے اوزان سے موازنہ کرنے سے بعید از تصدیق نہ ہو گا پہلے گروہ کی تحقیق معانی کی بساط پر کسی حد تک بجا و درست ہے اور سراسر حقیقت کے میدان کا ثمر کہا جا سکتا ہے مگر عام فہم نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ لقمہ عوام کے معدہ کے لائق نہیں ہے۔ ہر چند عالم موجودات میں یہ مشکل واقع ہوتی ہے۔ لیکن اس سے گزر کر عالم محسوسات، معلومات اور معروفات میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ دوسرا گروہ جو سراسر خطا پر ہے اس کی غلطی کا سبب بھی یہی ہے۔ عالم شہود یعنی موجودات ہی کے بساط پر رہ جانے کی وجہ سے ایسا تحریر کیا ہے، جو اصل معانی کے خلاف واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اگر جنت کو ایک باغ دنیا ہی تصور کیا جائے تو پھر مطابق ارشادِ مولیٰ کریم:

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا	پھر جب ان دونوں نے اس درخت سے چکھ لیا
سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا	تو ان کے ستر ان پر ظاہر ہو گئے اور دونوں نے جنت
مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (۷: ۲۲ - پ ۸ - ع ۹)	کے پتوں سے ان کو ڈھانکنا شروع کر دیا۔

کپڑوں کا اُترنا اور بہشت کے پتوں سے ستر کا ڈھانکنا کس وجہ پر درست ہو سکتا ہے؟ اور معاً یہ سوال بھی پیدا ہو گا کہ اگر جنت دنیا ہی کا باغ تھا، تو آج کافروں اور مشرکوں، دہریوں اور نافرمانوں کے نہایت عمدہ اور خوشگوار باغات موجود ہیں، تو پھر نعماتِ عظمیٰ اور باغ دنیا میں فرق ہی کیا رہ جائے گا؟ تو کہنا ہی پڑے گا کہ یہ سراسر نادانی اور ایسی تاویل ہے جس کے سوا کچھ چارہ نہ ہو سکا۔ ورنہ اس تفسیر کی معنوی بساط پر کچھ وقعت نہیں ہے۔

عزیزا! جان، کہ یہ برزخِ انسانیہ ہے، جس کے بغیر کوئی حقیقت و انکشاف درست نہیں

Marfat.com

ہو سکتا، اور اس کی حد و حصر کا اندازہ بے انتہا ہے۔

منقول ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرّم اللہ وجہہٗ ایک دفعہ اپنے لختِ جگر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گود میں لیے بہت پیار کر رہے تھے اور جذباتِ پدری از حد موجزن تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "ابا جان! آپ کو مجھ سے بہت محبت ہے"؟ فرمایا "ہاں"۔ فرمایا "تو بھائی حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے"؟ ارشاد ہوا "ان سے بھی"۔ فرمایا "تو میری والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے"؟ ارشاد ہوا "ان سے بھی"۔ پھر فرمایا کہ "نانا جان سے"؟ فرمایا "اُن سے بھی"۔ پھر سوال کیا "ابا جان! اللہ تعالیٰ سے"؟ ارشاد ہوا "سب سے بڑھ کر"۔ بولے کہ "ابا جان! آپ کا دل ہے یا سرائے"؟ سبحان اللہ! خورد سالی میں یہ سمجھ۔ قصہ مختصر حضرت علی المرتضیٰ شاہِ ولایت کو جوشِ محبتِ الٰہی اس قدر غالب ہوا کہ فرزندِ ارجمند کو صدرِ مبارک سے لگا لیا اور نسبتِ حق سے برزخِ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیراب کر دیا۔ اور فرمایا:

یَا وَلَدِیْ فِکْرُکَ فِیْکَ یَکْفِیْکَ دَآءُکَ	اے میرے بیٹے! اپنی جان میں تیرا غور و تفکر تجھے
وَدَوَآءُکَ فِیْکَ لَیْسَ شَیْءٌ خَارِجًا	کفایت کرے گا۔ تیری بیماری اور تیرا دوا تیرے
مِّنْکَ اَنْتَ اُمُّ الْکِتٰبِ۔ یَا وَلَدِیْ	اپنے ہی وجود میں ہے، تجھ سے باہر نہیں ہے، تو
اَنْتَ جِسْمٌ صَغِیْرٌ وَّفِیْکَ عَالَمٌ	اصل کتاب ہے۔ اے میرے بیٹے! تو ایک چھوٹا سا
کَبِیْرٌ۔	جسم ہے مگر تیرے اندر بہت بڑا جہان ہے۔

تو اپنے جسم کو چھوٹا سا خیال نہ کر۔ دونوں جہان تیرے ضمیر کی وسعت میں ایسے ہیں جیسے طشت میں دانہ۔

یہ ہے حقیقتِ انسان جس کی نسبت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہوا لیکن

Marfat.com

عوام کے معدے اس لقمے کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کے سمجھانے کے لیے اس مشکل کو حل کرنے اور اس حقیقت کے انکشاف کے لیے اس علیم حکیم نے انسان کے برزخ کی رویت کا انحصار خواب پر رکھا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا	اللہ تعالیٰ جانوں کو موت کے وقت قبض کر لیتا
وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ	ہے اور جو مرے نہیں ان کو نیند میں۔ پھر جن کی
الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ	موت مقرر ہو چکی ہے ان کو روک لیتا ہے اور
الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی اِنَّ فِیْ	اوروں کو ایک وقت مقرر تک کے لیے بھیج
ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝	دیتا ہے۔ اس میں تفکر کرنے والوں کے لیے
(۳۹: ۴۲۔ پ ۲۴۔ ع ۲)	نشانیاں ہیں۔

معلوم کیا چاہیے کہ برزخ دو وجہ پر ہے۔ ایک قبل از پیدائش اور دوسرا بعد از انتقال۔ اور یہ سب کے لیے یکساں ہے خواہ انسان کس درجہ میں ہو۔ فرق صرف یہ ہے کہ عوام الناس کو اس کا علم سوائے خیر کے نہیں۔ لیکن انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے لیے یہ برزخ ہماری مانند نہیں ہے۔ یا دوسرے معنوں میں ان کے لیے ہر دو برزخ ہوتے ہی نہیں۔ بمصداق فرمان محققین کہ "عام مومن جو کچھ دیکھتا ہے خواب میں دیکھتا ہے اور ولی نوم یعنی اونگھ میں دیکھتا ہے اور اعلیٰ درجہ کے اولیاء اللہ بالکل خفیف نوم میں جو قریب بہ بیداری ہوا کرتی ہے۔ لیکن پیغمبر اور مرسل کے لیے یہ نوم نہیں ہوا کرتی بلکہ بالکل بظاہر ہوا کرتا ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے عصا اور ید بیضا ظاہر میں پایا اور عوام کے روبرو پیش کر دیا۔

مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ ہر کیفیت برزخ مملکت انسانیہ کا آئینہ ہے خواہ محجوب ہو یا مکشوف۔ فرق صرف یہ ہے کہ مومن اس وجود عنصری سے جو سب حجابات کا آلہ ہے

Marfat.com

نیند میں خلاصی پانے والا ہوتا ہے، اور ولی تھوڑی سی قوم میں اس بلا سے نجات حاصل کرنے والا، اور مرسل اس بلا سے بحکم خدا منزہ ہوا کرتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کافر حَیٰوۃِ الدُّنیا میں مَعِیْشَۃً ضَنْکًا[1] کے مطابق نَحْشُرُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَعْمٰی[2] (پ۱۶۔ س۲۰) کا مرتکب ہوجاتا ہے اور مومن یَشْرَحْ صَدْرَہٗ[3] کے مطابق حیاتِ اَبدی اور طاقت و تصرف کا مختار کر دیا جاتا ہے:

اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ وَجَعَلْنَا	بھلا ایک شخص کہ مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ
لَہٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِہٖ فِی النَّاسِ کَمَنْ	کر دیا اور اس کو نور دیا کہ اس کے ساتھ لوگوں میں
مَّثَلُہٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ	چلتا پھرتا ہے اس شخص کے برابر ہے جو اندھیروں
مِّنْہَا ؕ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِلْکٰفِرِیْنَ مَا کَانُوْا	میں پڑا ہے اور وہاں سے نکل نہیں سکتا ؛ اسی طرح
یَعْمَلُوْنَ ○ (۶: ۱۲۳۔ پ۸۔ س۲)	بھلا دکھایا ہے کافروں کو جو وہ کر رہے ہیں۔

اور مرسلین کا حال جس سے کما حقہٗ واقف ہونا ہمارے حصہ میں نہیں ہے، عجیب و غریب ہوا کرتا ہے۔ صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ولی بھید میں رویت کو پاتا ہے، جیسے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا ارشاد ہے کہ جن مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عروج ہوا ہے فقیر کو بحکم خدا رویت نصیب ہوئی ہے۔ مدینۃ الاولیاء کا نشان اپنے حال سے حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے بھی دیا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بالکل بظاہر نماز خسوف میں کھڑے محراب کی طرف یدِ مبارک کو بڑھایا مگر مصلحت اور سِر کو مستور رکھنے کی بنا پر ہٹا لیا۔ اور صحابۂ کرام کے استفسار پر فرمایا "میں نے جنت کو دیکھا

---

[1] دنیا میں روزی تنگ۔ [2] اُٹھائیں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا۔

[3] کھول دے سینہ اُس کا۔

Marfat.com

اور اس میں سے انگور کا ایک خوشہ توڑنا چاہا۔ اور اگر میں توڑ لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس میں سے کھاتے رہتے۔

یہ ایک لمبی حدیث شریف بخاری و مسلم شریف دونوں میں مذکور ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے اسے صلوٰۃ الخسوف کے باب میں نقل فرمایا ہے۔ مفصل وہاں پر ملاحظہ فرمائیں۔ اس حصہ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَیْنَاكَ تَنَاوَلْتَ	صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو دیکھا
شَیْئًا فِیْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَاَیْنَاكَ	کہ آپ یہاں کھڑے کوئی چیز لینے کا قصد فرما
تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَنَّةَ	رہے تھے۔ پھر ہم نے آپ کو پیچھے ہٹتے دیکھا۔
فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهٗ	آپ نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اور اس میں سے
لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِیَتِ الدُّنْیَا	ایک خوشہ انگور کا لینا چاہا اور اگر میں لے لیتا تو تم
......	دنیا کے باقی رہنے تک کھاتے رہتے۔

تو اب کہنا ہی پڑے گا کہ یہ جنت میدانِ دنیا ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے عیاں تھی جس کو برزخ سے تعبیر کرنا ہمارے حال کے موافق بجا اور درست ہو گا۔ ورنہ اوپر گزر چکا ہے کہ مرسلین کے لیے برزخ مطلق روا نہیں ہے، یا ان کا برزخ اُور ہے اور ہمارا اُور۔ ان پاک ہستیوں کا برزخ اسرارِ الٰہیہ میں سے ہے جس کے علم سے ہم کو حصہ نہیں ہے۔ اور مطابق فرمانِ الٰہی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[1] یہ بھی ماننا ہی پڑے گا کہ یہ جنت حیات دنیا ہی میں میدانِ دنیا سے بالاتر اور مملکتِ انسانیہ کی بساط پر موافق ارشاد لم یزل مُلْکًا کَبِیْرًا[2] ہے جو بلا محنت و مشقت بلکہ بلا طلب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عنایت

---

[1] میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔ [2] بہت بڑا ملک۔

Marfat.com

فرمایا گیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ رَاَیْتَ نَعِیْمًا وَّ مُلْكًا كَبِیْرًا ۝ (۷۶: ۲۰۔ پ ۲۹۔ ع ۱۹)

اور جب دیکھے گا تو اس جگہ دیکھے گا تو بہت نعمت اور مملکت بہت بڑی۔

لیکن ساتھ ہی آزمائش کا شجر کھڑا کر دیا اور فرمایا:

لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (۲: ۳۵۔ پ ۱۔ ع ۴)

اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

آخر کار ابلیس لعین نے سمجھا کہ آدم اور بنی آدم علیہ السلام کے لیے یہ نعمت عظمیٰ ودیعت فرمائی گئی ہے۔ ہر چند کوشش کی اور اپنے قاعدے کے مطابق جس چیز کا طمع حضرت آدم علیہ السلام کے ضمیر میں پایا رغبت دلائی اور جھوٹی قسم کھا کر دھوکا دیا۔ لغزش کھانے کی وجہ سے جنت سے اتار دیے گئے، کما قال اللہ تعالیٰ:

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ۝ (۷: ۲۰۔ ۲۱۔ پ ۸۔ ع ۹)

اور شیطان نے کہا تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اس لیے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا یہاں پر ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جاؤ اور ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔

اب غور و فکر سے معلوم کرنا چاہیے کہ اس پروردگار نے حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے اور لباس کے اتارے جانے کا قصہ تنبیہاً ارشاد فرمایا ہے کہ دیکھنا کہیں تم کو اسی طرح جس طرح تمہارے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھوکا دے کر جنت سے نکلوا دیا تھا، تم کو بھی دھوکا نہ دے۔ فرمایا ہے:

Marfat.com

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ	اے آدم کے بیٹو! نہ بہکائے تمہیں شیطان جیسے
كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ	نکال دیا تمہارے ماں باپ کو جنت سے اتار
يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا	لیا تھا ان سے لباس ان کا تو کہ دکھلائے ان کو
سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ	شرمگاہیں ان کی۔ بیشک وہ دیکھتا ہے تم کو وہ
مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا	اور اس کا کنبہ اس طرح سے کہ نہیں دیکھتے تم ان کو
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا	تحقیق کیا ہم نے شیطان کو دوست واسطے اُن
يُؤْمِنُوْنَ ○ (۷:۲۷۔ پ۔ ۸)	لوگوں کے کہ نہیں ایمان لاتے۔

اب معلوم ہونا چاہیے کہ بنی آدم کونسی جنت میں داخل ہیں جس سے نکلنے کا احتمال اور شیطانِ رجیم کے فریب دینے کا خطرہ ہو جس کے لیے تنبیہ خاص من اللہ نازل ہوئی ہے؟ ہوسکتا ہے کہ تنبیہ کسی اور نعمت کے لیے ہو جس کی مثال حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جنت یعنی نعمت عظمیٰ سے فرمائی ہو۔ لیکن اس سے پہلی آیت:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا	اے آدم کے بیٹو! بیشک اتارا ہے ہم نے تمہارے
يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ	لیے لباس کہ ڈھانکتا ہے شرمگاہیں تمہاری اور
التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ	باعث زینت ہے۔ اور ایک لباس التقویٰ ہے،
اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○	یہ بہتر ہے اور یہ اللہ کی آیات (نشانات) میں سے
(۷:۲۶۔ پ۔ ۸)	ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

ہیں دونوں لباس کی تصریح ہے اور اس میں تمام بنی آدم شامل ہیں۔ لباس يُوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ تو سب پر روشن ہے، مگر لِبَاسُ التَّقْوٰى عالم مثال کا شجر ہے جس کا علم خواص کے سوا عوام الناس کو نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ اپنے برزخ فی الوجود یعنی خواب میں کبھی اپنے آپ کو برہنہ اور

Marfat.com

[ک]بھی لباس سے مزین دیکھتا ہے۔ علم اور جہل کو نظر انداز کرتے ہوئے صحت حال کے رو سے حضرت آدم اور بنی آدم علیہ السلام ہر دو لباس (ظاہری و باطنی) کے حصول میں یکساں ہیں اور یہ مسلم امر ہے کہ لِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِكَ خَيْرٌ جنتی لباس ہے جو جنت سے خارج ہونے کی صورت میں اُتر گیا۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لباس جنت کے سوا نہیں ہے اور جنت اس لباس کے سوا نہیں ہے، ہر دو لازم و ملزوم ہیں۔ یہ لباس (رِیْشًا) کسی لغزش یا گناہ سے اترنے والا نہیں۔ تو جب آدم علیہ السلام اور بنی آدم اس لباس میں مشترک ہیں اور کسی گناہ عظیم سے بھی یہ لباس نہیں اُترتا، اور لباس التقوی سے ایک چیتھڑا بھی باقی نہیں رہتا، تو [ن]ور ایمانی کے ترازو میں غور و فکر سے موازنہ کرنے سے معلوم ہوا کہ جس طرح یہ لباس عوام کے لیے مخفی ہے اسی طرح جنت بھی پوشیدہ ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ جنت یا دوزخ موت کے بعد ہی ظاہر ہوگی۔ جنت ایمان اور اعمال [ص]الحہ کا اور دوزخ کفر اور بداعمالیوں کا نتیجہ ہوگا۔ لیکن یاد رہے کہ یہ میدان دنیا میں کا ایک [ب]حر ہے جس کی جگہ انسانی ضمیر کے سوا نہیں ہے۔ اصل اور فرع کا سا حال ہے۔ نور ایمانی کے [ج]نت میں اعمال اصل کی مانند ہیں، اور فرع ان کی تفصیل اور نمود فی الآخرۃ ہے، کما قال اللہ:

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (۱۷: ۷۲۔ پ ۱۵۔ ع ۸)	جو کوئی یہاں (اس دنیا میں) اندھا ہے، وہی آخرت میں بھی اندھا ہے۔ اور راستے سے بہت ہی بھٹکا ہوا ہے۔

[ا]س کی تفسیر یوں ارشاد فرمائی ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (پ ۱۷۔ ع ۱۳)	اور وہ (اندھاپن) یہ آنکھیں اندھی نہیں ہیں، بلکہ دل اندھے ہیں جو کہ سینوں کے اندر ہیں۔

Marfat.com

دوسری جگہ سورۂ یٰسٓ میں فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝ (۳۶: ۹۔ پ ۲۲۔ ع ۱۵)

اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار کر دی اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار کر دی اور (اوپر سے) ان کو (اس طریقہ سے) ڈھانک دیا کہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔

اور تیسری جگہ مومن اور کافر کے ضمیر اور وسعت کے مطابق فرمایا:

اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (۶: ۱۲۲۔ پ ۸۔ ع ۲)

کیا جو شخص کہ مُردہ تھا پس ہم نے اس کو زندہ کیا اور اسے نور عنایت کیا کہ اس کے ساتھ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو ایسے اندھیروں میں ہے جن سے وہ نکل نہیں سکتا، اسی طرح سے زینت دیا گیا ہے واسطے کافروں کے جو وہ کرتے تھے۔

انسان کی یہ دونوں حالتیں فی الدنیا و فی الآخرہ اظہر من الشمس ہیں جو اس کے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ خداوند کریم ذوالجلال والاکرام نے انسان کو عین دین پر پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ فرمان مولیٰ کریم ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۰: ۳۰۔ پ ۲۱۔ ع ۷)

فطرت خدا کی کہ بنایا اوپر اس کے آدمیوں کو۔ نہیں بدلنا واسطے پیدائش خدا کی کے۔ یہ ہے دین درست اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔

محض حجاب جو دوزخ کا اصل اور موجب عذاب ہے، انسان کی ضلالت کی وجہ سے ہے ورنہ دین القیم جو خلقتِ انسانیہ سے وابستہ ہے سب نعمات اس کے غلام ہیں۔ لَا تَبْدِیْلَ

Marfat.com

لِخَلْقِ اللہِ اس امر پر شاہد ہے کہ کوئی عارف ہو یا محجوب، مقبول ہو یا مردود اس کی فطرت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ محض بعد و قرب، اعمٰی و بصیر سے عبارت ہے۔ مطابق:

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ ۙ وَ	اور نہیں ہیں برابر اندھا اور دیکھنے والا۔ اور نہ
لَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّورُ ۙ وَلَا الظِّلُّ	ہی اندھیرا اور روشنی، اور نہ ہی سایہ اور
وَلَا الْحَرُورُ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ	دھوپ، اور نہ ہی زندہ اور مُردہ برابر ہو
وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ (۳۵: ۱۹ تا ۲۲۔ پ ۲۲۔ ۱۵ع)	سکتے ہیں۔

اور یہ سب ہمارے ہی عارضہ کی وجہ سے ہے جو حال کے مترادف ہے، ورنہ اس رحیم الودود کی طرف سے وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (پ ۲۔ ۲ع)[1] اس امر پر دال ہے کہ مولیٰ کریم ذوالجلال والاکرام نے ہم پر تمام نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ اور یہ تمام نعمتیں مطابق لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ اصل کے موافق ہیں اور فرع ہمارے کسب کے لحاظ سے ہے لیکن اصل میں تغیر روا نہیں ہے۔ محض میدان آزمائش میں آکر ہوا و ہوس کا شکار ہو گئے۔ صرف اس سے زکیٰ حاصل کرنا ہی اتم کامیابی ہے، اور اس میں رہ جانا خاک میں ذلیل و خوار یعنی اسفل سافلین کا مقیم ہونا ہے، جو تمام مصیبتوں کا گھر اور نامرادی کی جڑ ہے، کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالٰی:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ	بیشک مراد کو پہنچا جس نے پاک کیا اس کو، اور
مَنْ دَسَّاهَا ۝ (۹۱: ۹۔۱۰۔ پ ۳۰۔ ۱۶ع)	یقیناً نامراد ہوا جس نے گاڑ دیا اس کو۔

اب نور ایمانی سے معلوم کرنا چاہیے کہ مطابق ارشاد ذوالجلال والاکرام زکیٰ حاصل کرنا فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا[2] کے مترادف ہے، اور یہی مقصود اور حصول ہے۔ اور خاک میں ملنا

۱؎ اور تاکہ تم پر میں اپنی نعمت کو پورا کر دوں، اور تاکہ تم راہ پاؤ۔

۲؎ پس بیشک مراد کو پہنچا بہت بڑی مراد کو۔

Marfat.com

یعنی اس مقام سے ملبوس ہونا سراسر محرومی اور نامرادی ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ فطرت اللہ میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ مالک حقیقی نے اس کے تغیر و تبدل کو روا نہیں رکھا ہے، یہ اس سے مبرا و منزہ ہے۔ بلکہ منازل و مدارج، عروج و نزول، بُعد و قُرب، کفر و اسلام، شرک و ایمان، سب اس کے نشیب و فراز کا نتیجہ ہے۔ انسان کے لیے یہی صراط المستقیم ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ[1] اسی کی آمد و رفت سے عبارت ہے۔ فطرت کی رُو سے انسان احسن تقویم اور آخری منازل یعنی عالم شہود مطابق مُسۡتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ[2] کی وجہ سے اسفل سافلین، ہوائے نفس کا گرفتار۔ ہاں جس تے فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ[3] میں سعی کی اور توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہوئی، اس مقام سے بفضلہ تعالیٰ خلاصی پانے والا ہوا۔ زکیٰ کے معنوں کو پائے ہوئے، طلب غیر کو دل سے ہٹائے ہوئے، قلب سلیم کو پہلو میں سجائے ہوئے لقاء و مشاہدۂ الٰہی لامتناہی کی روئت سے منزل مقصود پہ پہنچ جاتا ہے۔ اس کے لیے جنت راستہ کا ایک مقام ہوتا ہے۔ مومن اپنے ضمیر میں مطابق عَرَّفَہَا لَہُمۡ[4] کے عرف سے عارف ہو جاتا ہے لیکن مرسلین کو بالکل بظاہر روئت حاصل ہوتی ہے، عوام کی دانش اس سے عاجز ہے۔ ولی کو سّر یعنی بھید میں یہ معنی حاصل ہوتے ہیں، لیکن پیغمبران عوارضات سے مبرا و منزہ ہوتا ہے۔

مدعا اس عبارت سے یہ ہے کہ برزخ کسی آڑ کو کہا جاتا ہے یعنی ان مقامات یا حالات کو جو پوشیدہ ہیں، عالم موجودات، محسوسات، معلومات اور معروفات۔ عالم موجودات کی روئت تو بالکل ہر کہ و مہ پہ روشن ہے۔ عالم محسوسات ہر قسم کے احساس کم و بیش سے

---

[1] ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ [2] ٹھیرنے کی جگہ ہے اور ایک وقت تک کے لیے پونجی ہے۔ [3] پس دوڑو اللہ کی طرف۔ [4] انہیں اس کی پہچان کرا دی ہے۔

Marfat.com

متاثر ہونا ہے، اور احساس کی راہ سے ظاہری و باطنی علم کا حصول عالم معلومات سے ہے۔ لیکن عالم معروفات سوائے روئت کے درست نہیں ہو سکتا۔ اس عزیز الحکیم نے یہ سب انسان کے ضمیر میں ودیعت فرمائے ہیں یا دوسرے لفظوں میں ان سب کا حامل بنایا ہے۔ سرشتی توفیق سے اس کی خلقت کو مکمل بنا کر اپنی فطرت پر آفرینش کیا ہے۔ جو میدان آزمائش میں کسی قدر اختیار دے کر اس طرح ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا لَا	بیشک جو لوگ کہ گمراہی کرتے ہیں ہماری نشانیوں
یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰى فِی النَّارِ	میں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ کیا پس جو کوئی
خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْۤ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ	کہ آگ میں ڈالا جائے وہ اچھا ہے یا وہ کہ قیامت
اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	کے دن امن سے آئے؟ بس تم جو چاہو کر لو یقیناً
بَصِیْرٌ ۝ (۴۱: ۴۰۔ پ ۲۴۔ ۱۹)	وہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

عمل کے میدان میں انسان چار حالت سے خالی نہیں ہے: کافر، فاسق، مومن اور ولی۔ کافر اپنی فطرت کو محجوب کرنے والا، فاسق باوجود یقین رکھنے کے عمل میں قاصر ہونے کی وجہ سے محروم، مومن خدا کے فضل سے امیدوار اور کوشاں، اور ولی خدا تعالیٰ کی توفیق سے زکیٰ حاصل کرنے اور اپنی فطرت تک پہنچنے والا ہوتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ فطرت کی کسی حالت میں نفی نہیں ہے جس کی تفصیل میں بہت طول ہے۔ مراد صرف یہ ہے کہ فطرت اور مملکتِ انسانیہ دو چیزیں نہیں۔ یہ وسعت فطرتِ انسانیہ کی ہے۔ جب اسفل سے نجات حاصل کرتا ہے تو اس کے لیے عوالم بالاتر سے معارفت ہو جاتی ہے۔ اس جگہ الگ مثال کی ضرورت نہیں۔ صرف حالات حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کافی ہیں کہ لغزش کی وجہ سے ان مدارج عروج سے ہبوط ہوا تو فوراً لباس بھی اترا اور حال کے رو سے گر گئے،

Marfat.com

تمام کیفیات اور اپنے مقام اور اس کی رویت سے برطرف ہو گئے۔ چونکہ اس معاملہ میں آدم اور بنی آدم علیہ السلام یکساں ہیں، لہٰذا آج بھی حجاب کے دور ہوتے ہی ان مدارج پر عروج ہونا سنت اللہ جاری ہے اور تا قیامت جاری و ساری رہے گی۔

اوپر گزر چکا ہے کہ میدان دنیا یا انسانی ضمیر میں یہ مدارج و معارج مثل اصل کے ہیں، جو تحت ایمان ہے۔ اور عمل کے میدان میں مانند فرع، اور کما حقہٗ نمود بعد از انتقال فی الآخرۃ ہے۔

جاننا چاہیے کہ اُس عزیز الحکیم نے فطرتِ انسان کو اپنی فطرت پر اور عین حکمت پر مبنی رکھا ہے جس کے منازل و مدارج میں عجیب کیفیات کی وسعت ہے یعنی عالم موجودات میں اسباب ظاہری خورش و پوشش اور مکان وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مقام میں جسے ذات پاک نے اسفل سافلین فرمایا ہے، گویا احسن تقویم بنا کر اس مقام کا مطابق مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ مقیم بنایا ہے، یہ عاجز انسان محل و مقام کے رُو سے اسی کا حکم رکھتا ہے۔ اِس میں کلام نہیں کہ اس میدان میں اس کو آزمائش اور علم و دانش کے حصُول اور ظہورِ تمام کے لیے بھیجا گیا ہے۔ لیکن یہ قید انسان عین حجاب اور سراسر غفلت اور گمراہی کا سرمایہ ہے، سرتاپا اس بلا میں مبتلا، اپنی کشتی کا ناخدا اور اپنی خواہشات کا شیدا ہونا ہے۔ تاہم فطرتِ انسانیہ اس امر کی مقتضی ہوتی ہے کہ اپنے اصلی مقام پر پہنچے۔ خواہ اثرات اجسادی جو عوارضات ارضیہ کے مترادف ہیں، مانع بھی ہوں اور ہمیشہ کے لیے محجوب، موجب عذاب اور جہنم کا ایندھن ہی کیوں نہ ہوں، مولیٰ کریم کی رضا کے خلاف ہے۔ اور وہ اس لیے کہ مشیتِ ایزدِ متعال اس کے برعکس ہے۔ اور فطرتِ انسانیہ کا ارادۂ ازلی کے خلاف ہونا محال ہے

؎ ٹھیرنے کی جگہ اور ایک وقت تک کے لیے پونجی ہے۔

Marfat.com

محض سرشتی توفیق کے اختیارات جو سراسر آزمائش کے میدان کا شجر ہے، یہ اس کا ثمر ہے۔
جو نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی کی زبردست سلت کا نتیجہ ہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

وَاتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰہُ	اور پڑھ اوپر ان کے قصہ اس شخص کا کہ دیں ہم نے
اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْھَا فَاَتْبَعَہُ الشَّیْطٰنُ	اس کو نشانیاں اپنی پس نکل گیا ان میں سے پس
فَکَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا	پیچھے لگایا اس کو شیطان نے پس ہو گیا گمراہوں سے
لَرَفَعْنٰہُ بِھَا وَلٰکِنَّہٗٓ اَخْلَدَ اِلَی	اور اگر چاہتے ہم البتہ بلند کرتے ہم اس کو ساتھ
الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ ھَوٰىہُ ۚ فَمَثَلُہٗ	ان کے یعنی نشانیوں کے ولیکن وہ لگ گیا طرف
کَمَثَلِ الْکَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْہِ	زمین کی اور پیروی کی خواہش اپنی کی پس مثال
یَلْھَثْ اَوْ تَتْرُکْہُ یَلْھَثْ ۭ ذٰلِکَ	اس کی مانند مثال کتے کی ہے اگر بوجھ رکھے تو
مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا	اوپر اس کے زبان لٹکائے۔ یہ ہے مثال اس قوم
فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ	کی کہ جھٹلایا نشانیوں ہماری کو پس بیان کر قصے
(۷: ۱۷۵-۱۷۶ - پ ۹ - ر ۱۲)	تو کہ وہ فکر کریں۔

مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ وہ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ کا مرتکب ہوا یعنی مقاماتِ اسفل پر ہمیشگی چاہی اور اسی کو پسند کیا، اس لیے اس حجاب میں قَوْمًا عَمِیْنَ[۱] کی طرح غٰوِیْنَ[۲] میں سے ہو گیا۔ اپنی اصلی فطرت کو ہمیشہ کے لیے دوزخ کا مقیم بنا دیا، یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ[۳] کے ابدی حجاب میں گرفتار ہو گیا، کل نعمات سے محروم ہو گیا۔ گو فطرت میں کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہوا لیکن حجاب در حجاب میں ابدی محجوب ہو گیا۔ ھَلَکَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَہْ[۴] کے مطابق مُلْکًا کَبِیْرًا[۵]

ف ۱ پھیرتے ہیں ہم اس کو جدھر وہ پھرتا ہے۔ ف ۲ قوم اندھی ف ۳ گمراہ۔ ف ۴ اس دن حجاب میں ہونگے۔
ف ۵ ہلاک ہو گئی مجھ سے دلیل میری یا بادشاہی میری۔ ف ۶ بہت بڑا ملک۔

Marfat.com

سے بے نصیب ہوگیا۔ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ[1] کے رُو سے کتوں کے زنجیر میں جکڑا گیا۔ یہ ہے مقاماتِ انسانیہ کا آخری مقام یعنی اسفل سافلین کی حقیقت اور حصول۔

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انسان کا پہلا مقام سِرّی ہے، یعنی:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝ — انسان پر زمانے میں سے ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ یہ کوئی ذکر کی گئی چیز نہ تھا۔ (الدہر۔۱)

جس کا ذکر کرنا منع اور مخفی ہے۔ دوسرا مقام عالمِ ارواح جس کا ذکر عوام اور خواص کے لیے اظہر من الشمس ہے۔ تیسرا مقام عالمِ شہود یعنی میدان دنیا جو جسدی وجود کے موافق اور مترادف ہے، ذکر ہوچکا ہے۔ اب دوسرے مقام کی نسبت بیان کرنا لازمی ہے جو عالمِ معروفات سے ہے۔ عالمِ ارواح سے عالمِ اجساد یعنی موجودات تک نزولِ انسان ہے۔ لیکن واپسی پر مطابق کلامِ الٰہی ایک اور میعاد بھی مقرر ہوچکی ہے جس کو عالمِ برزخ سے تعبیر کرنا درست ہے، کما قال اللہ تعالیٰ:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ (۶:۲۔ پ۔ ۷) — وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے۔ پھر مقرر کی اجل اور ایک اور اجل مقرر کی ہوئی ہے نزدیک اس کے۔ پھر تم شک کرتے ہو؟

اس کا زیادہ تر تعلق عالمِ دنیا سے ہُوا کرتا ہے، گویا یہ بھی میدانِ دنیا ہی سے ہے۔ ہاں حدیث شریف سے ثابت ہے کہ قبر میں یا تو ایک کھڑکی جنت سے یا دوزخ کی طرف کھل جاتی ہے۔ یا تو باغ رضوان ہوجاتی ہے یا دوزخ یعنی نار کا حفرہ:

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ — سوائے اس کے نہیں کہ قبر جنت کے باغوں سے

---

[1] اور پیروی کی اپنی خواہش کی۔

Marfat.com

اَوْ حُفْرَۃٌ مِّنَ النَّارِ (ترمذی) ایک باغ ہے یا دوزخ کا ایک گڑھا۔

ہرایک انسان کے لیے اس کا حال منکشف ہو جاتا ہے۔ عالم دنیا جس سے مراد ضمیر فی الوجود ہے، اصل میں ویسا ہی تھا جیسا انکشاف ہوا۔ نص قطعی سے ثابت ہے چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ جو دنیا میں مردہ ہے آخرت میں بھی مردہ ہے، جو دنیا میں اندھا ہے آخرت کو بھی اندھا ہوگا، اور یہ اندھاپن اور مردہ ہونا فی الضمیر ہے نہ کہ بظاہر یعنی اس کا مُردہ ہونا اور اندھا رہنا روحانیت کی بساط سے ہے نہ کہ بظاہر بشریّت سے، بلکہ جامۂ بشریّت میں پوشیدہ ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کافر نافرمان کے لیے فطرت موجب عذاب اور مومن کے لیے راحت اور تمام نعمتوں کی حامل اور صراط المستقیم ہے۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ہر مقام و محل کے رُو سے اسباب بھی اسی کے موافق ہوا کرتے ہیں۔ بشری یا جسدی وجود کے لیے دنیا و مافیہا کے اسباب خورش و پوشش اور مکان وغیرہ۔ اور عالم روحانیت میں یہ سب کچھ اسی کے مطابق نوری وجود سے جس کو جنت کہنا روا ہے۔ اسی لیے کافر کو سوائے حجاب کے برزخ یا فی الآخرۃ میں کوئی حصہ نہیں ہے لیکن مومن کے لیے وجود یا وجود کے موافق روحانی باغ اور مَا تَشْتَهِيهِ الْاَنْفُسُ[۱] کے مطابق ہر قسم کی نعمت جس کو جنت کہنا روا ہے، حاصل ہوگی۔ دنیا میں مومن خاص یعنی ولی اللہ کو بے حجاب نہیں رہتا تو وہ سِر میں جنّت کو پالیتا ہے، اور گاہے اس میں مقیم بھی ہوتا رہتا ہے جس کو جنۃ الاولیاء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ انبیاء و مرسلین کے لیے من اللہ یہ حجاب نہیں ہوتا، اس لیے وہ بالکل بظاہر جنت کو پاتے ہیں۔ جیسے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داخل ہونے اور نکلنے کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے، سِر سے کوئی نشان نہیں ہے۔ بالکل ظاہر پر آیات

---

[۱] جس چیز کی نفس خواہش کریں گے۔

Marfat.com

مبارکہ ہیں جو حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ کافرعین حجاب ابدی میں گرفتار ہیں۔ باوجود مملکت رکھنے کے ظلمات کے گڑھے کے مقید، خسر الدنیا والآخرہ۔ اور مومن اپنی مملکت پر حاوی، اپنی سلطنت کا شہنشاہ، جنت و ما فیہا کو آغوش میں لیے ہوئے، اس کی نعمات کو عمل کے نور سے سجائے ہوئے، گاہے عالم خواب میں اپنے مقام کو دیکھتا ہے۔ اور ولی سِنَۃ[1] میں ان سب کیفیات سے عارف ہوتا ہے لیکن پیغمبر کے لیے بالکل عیاں صورت ہوتی ہے، کیونکہ وہ اس جسدی بلا سے ازلی خلاصی پائے ہوئے ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی فطرت یعنی سرشت پر مکمل بنا کر بلا طلب جنت میں داخل کر دیا اور شجرۃ النفس سے جس کو مادۂ ارضیت یا بشریت کہنا روا ہے، منع فرما دیا۔ ہر چند لغزش کی وجہ سے اِھْبِطُوْا[2] کے مرتکب ہوئے لیکن سوائے حجاب کے فطرت اللہ میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی، توبہ کے بعد پھر جگہ ملی۔

آج بنی آدم کے لیے بھی فطرتِ انسانیہ میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ[3] کے مطابق کبھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اسی سنت کے موافق بنی آدم کے لیے اس اپنے مقام پر پہنچنے کی علت اس جامۂ بشریت سے خلاصی پانے اور حجاب من اللہ دور ہونے کے سوا اپنی مملکت یعنی جنت میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ اور یہ امر مسلم اور متفق علیہ ہے کہ مرنے سے پہلے جنت میں داخل ہونا روا نہیں لیکن قرآن حکیم سے ثابت ہو چکا ہے کہ جنتی اور دوزخی اسی عالم شہود ہی میں بن کر جائے گا۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

---

[1] اونگھ۔ [2] اتر جاؤ۔ [3] نہیں تبدیل ہونا واسطے پیدائش خدا کے۔

Marfat.com

نسبتِ انسان

نسبت ایسے تعلق کو کہا جاتا ہے جس میں اتحادِ تام ہو۔ اور اس کے کئی اقسام ہیں مثلاً ذاتی، صفاتی اور کسبی۔

ذاتی نسبت تو انسان کو انسان کے ساتھ ہے جس میں تمام بنی آدم یکساں ہیں۔

صفاتی نسبت، نوعیت و جنسیت کے لحاظ سے صفت بالذات کے مترادف ہے۔ جس میں کمی بیشی عوارضات کی وجہ پر ہے۔ یعنی ایک کمزور ہے دوسرا توانا۔ ایک لنگڑا ہے، دوسرا صحیح و تندرست۔ ایک اندھا ہے اور دوسرا بصیر علیٰ ھٰذا القیاس۔ لیکن اس نسبت کا تعلق جو ذات کے ساتھ ہے اس میں مطلق فرق نہیں ہوا کرتا، خواہ بظاہر جوارح کسی عارضہ کی وجہ سے بگڑ ہی گئے ہوں۔ کیونکہ بظاہر جسمانیت کے تغیر و تبدل سے روح یا اصل انسان کی فطرت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ہونا روا نہیں، مطابق فرمانِ مولیٰ کریم:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ بناوٹ اللہ کی ہے کہ بنایا اوپر اس کے انسانوں کو

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ (پ۲۱۔ ۱۲) نہیں بدلنا واسطے پیدائش خدا کی کے

رہا کسبی، سو یہ دو وجہ پر ہے۔ ایک صنعتی اور دوسرا عملی۔ صنعت و حرفت کا تعلق تو فی الدنیا ہے جس کا اثر ضمیر پر بہت کم ہوتا ہے۔ لیکن عملی کا نتیجہ ہر چند فی الآخرۃ ہے جس پہ مدارج و منازل، عروج و نزول، عذاب و ثواب، گرفت و نجات اور قبض و بسط کا انحصار ہے۔ گو فطرت میں کسی قسم کا فرق لاحق نہیں ہوتا لیکن راستہ کا حجاب جو سراسر موجب عذاب اور دوزخ کا اصل ہے، اور مقصود و حصول جو سراسر حجاب کے دور ہونے سے عبارت ہے، افعال و اعمال

Marfat.com

کے اثرات کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔

عزیزا! جان، کہ انسان کی نسبت اس ذات پاک سے برتر کے میدان میں متحقق بالذات ہونے کے سوا نہیں ہے۔ اور یہ نسبتِ انسان اس ذوالجلال والاکرام کے ساتھ واقعہ ہے، اور جوار و قرب باری تعالیٰ کے سوا یہ کسی مقام و محل کی مقید نہیں۔ عروج و نزول سے منزّہ، مدارج و منازل سے مبرّا۔ اس کے بیان کے لیے زبان، نہ وہم نہ گمان، سب عوارضات سے ورا، با خدا۔

جب اس خالق موجودات نے ارادۂ ظہور فرمایا تو عالم ارواح کی طرف کُنْ[1] کا ارشاد فرمایا اور فَیَکُوْنُ[2] کی بساط پر تمام ارواح کا ظہور ہو گیا۔ تب عالم ارواح سے انسان کو مناسبت پیدا ہو گئی۔ گفت و شنید، سوال و جواب، ذکر و فکر، علم و عرفان کا حامل بنا دیا گیا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی[3] میثاق عوام و انبیاء اس پر شاہد ہیں۔ اب وقت آگیا کہ انسان کو عالم شہود کی طرف مبذول فرمایا جائے، تو ملائکہ کی طرف یوں خطاب فرمایا:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ فَاِذَا	میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔ جب میں اسے
سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ	درست کر کے اس میں اپنی روح سے پھونک دوں تو
فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝ (پ ۲۳۔ ۱۴)	تم اس کے لیے سجدے میں گر جانا۔

سب ملائکہ نے سر تسلیم جھکا دیا لیکن ابلیس اکڑ بیٹھا۔ فرمان ایزد متعال ہوا کہ:

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (پ ۸) مجھے کس چیز نے روکا ہے کہ میرے حکم پر سجدہ نہیں کیا

تو جواب دیا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (میں اس سے اچھا ہوں) اور ساتھ ہی یہ دلیل پیش کی کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ۝ (مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے)۔

---

[1] ہو جا۔ [2] پس ہو گیا۔ [3] کیا نہیں ہوں میں رب تمہارا؟ کہا ہاں (بیشک تو ہمارا رب ہے)۔

Marfat.com

دراصل معلم الملکوت نے جو دھوکا کھایا وہ اظہر من الشمس ہے یعنی یہ کہ اس کی نظر جوہر کے سوا عرض پر رہ گئی، ورنہ یہ اختلاف نہ ہوتا۔

حاصل کلام، بحکم خداوند کریم عزّوجلّ انسان کو بشر کے اسم سے نامزد کیا گیا اور اس کو اس بشریت سے مناسبت اور اس خاکی وجود سے مطابقت پیدا ہو گئی۔ یہ قاعدہ ہے کہ انسان جس مقام و محل میں جاگزیں ہوتا ہے اسی کا حکم رکھتا ہے اس لیے اب انسان بشری جامہ میں ملبوس ہو کر اسی کا حکم رکھنے والا ہوا اور مولیٰ کریم نے ازراہ عنایت تمام دینی و دُنیوی نعمتوں سے سرفراز کر دیا، جیسے کہ فرمایا:

وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ۝ (۲: ۱۵۰۔ پ۲۔ ع۲)	اور تاکہ پوری کر دوں میں نعمت اپنی تم پر اور تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اور ابلیس لعین کو حکم دیا کہ:

قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا (پ ۸)	فرمایا کہ یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا۔

شیطان نے سوال کیا:

قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ۝ قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ۝ اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَلَاُغۡوِیَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۝ (پ۱۴۔ ع۳ ۱۵: ۳۶ تا ۳۹)	کہا اے پروردگار میرے پس ڈھیل دے مجھ کو اس دن تک کہ زندہ کیے جائیں گے۔ کہا پس تحقیق تو ڈھیل دیے گیوں سے ہے دن وقت معلوم تک۔ کہا اے رب میرے بسبب اس کے کہ گمراہ کیا تو نے مجھ کو البتہ زینت دوں گا میں ان کے لیے زمین میں اور البتہ گمراہ کروں گا میں ان سب کو۔

یہ میدان مجادلہ ابتدا ہی سے پیدا ہو گیا۔ بعض کے نزدیک یہ مشیّت ایزد متعال ہی سے رنگ

Marfat.com

آمیزی ہوئی ہے لیکن یہ قرآن مجید کے بالکل خلاف ہے۔ یہ رضاء الٰہی ہرگز نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ غضبی صورت ہے نہ کہ رحمی۔ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی کی زبردست سنتِ اللہ جلّ شانہ کے مطابق یہ صورت پیدا ہوگئی چنانچہ فرمایا:

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ	فرمایا جا پس جو کوئی ان میں سے تیری پیروی
جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ٥	کرے گا تو یقیناً جہنم تمہاری جزا پورا بدلہ ہے۔ اور
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ	جس کو تو بہکا سکتا ہے بہکالے اپنے آواز سے
بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ	اور کھینچ بلا ان پر اپنے سواروں کو اور اپنے پیادوں
وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ	کو اور شریک ہو ان کا ان کے مالوں میں اور
الْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ	ان کی اولاد میں اور وعدہ دے ان کو، اور نہیں
الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ٥ اِنَّ عِبَادِيْ	وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر فریب کا۔ یقیناً
لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَكَفٰى	جو میرے بندے ہیں ان پر تجھے غلبہ نہیں ہے اور
بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ٥ (پ ۱۵ - ع ۷)	کفایت ہے تیرا رب کارساز۔

پس ان ہر دو نسبتوں کے ماتحت دو فریق ایک دوسرے کے مخالف پیدا ہو گئے، یکے رحمانی اور یکے شیطانی۔ ایک کے سردار انبیائے کرام اور سید المرسلین، آخر آمد بود فخر الاولین، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مطابق:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى	وہی (اللہ ہے) جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت
وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ	اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سارے دینوں
كُلِّهٖ ط (۴۸ : ۲۸ - پ ۲۶ - ع ۱۳)	پر غالب کرے۔

ـــــــــــ

سلہ پھیرتے ہیں ہم اس کو جدھر وہ پھرتا ہے۔

Marfat.com

اور دوسرے گروہ کا سردار ابلیس لعین، مطابق:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ	وہ اور اس کا لشکر تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ
لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ	تم ان کو نہیں دیکھتے ہو۔ ہم شیطان کو انہی لوگوں کا
اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۰ (پ۔ ر۱)	رفیق ہونے دیتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

ان ہر دو نسبتوں کا جہان میں شور برپا ہے۔ ہر ایک اپنے حال کے رُو سے كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ[1] کے سایہ میں خوش ہو رہا ہے۔ اور یہ ایسا اندھیرا ہے جس کے لیے کوئی چراغ نہیں، اور ایسی غرقابی ہے جس کے لیے کوئی ساحل ہی نہیں۔ کیونکہ ہر ایک شخص جس حال یا نسبت میں سرشار ہوتا ہے اسی کو راستہ سمجھ لیتا ہے۔ بلکہ اعمال کی وجہ سے كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ[2] کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک کے راستہ کی مشعل نور سے ہے اور دوسرے کی نار سے۔ ایک آہستہ آہستہ خدا اور رسول کے قریب ہوتا جاتا ہے، اور دوسرا رفتہ رفتہ دور ہوتا جاتا ہے۔ ایک کی نسبت اعلیٰ کے ساتھ، اور دوسرے گروہ کی نسبت اسفل کی طرف مضبوط ہوتی جاتی ہے حتیٰ کہ ایک سرتاپا مستغرق اور اپنے رنگ میں موافق صِبْغَةَ اللّٰهِ[3] کے رنگا جاتا ہے، اور دوسرا گروہ سرتاپا شیطانی تصرف کا شکار ہو کر ہمہ تن اسی کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے اور ارشاد ربانی کے مطابق مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ[4] میں گرفتار ہوتا ہوا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کا ایندھن بن جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ قبل از میدانِ دنیا یہ مخالفت و منافشت کالعدم تھی۔ یہ سراسر بشریت سے تعلق رکھتی ہے۔ گو حضرت انسان میں دونوں جہان سے نشان ہیں، لیکن یہ مقام اسفل سافلین

---

[1] ہر گروہ اپنی یافت میں خوش ہے۔
[2] ہر آدمی اپنی کمائی کے بدلے میں رہن ہے۔
[3] اللہ کی رنگت
[4] تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے۔

Marfat.com

تمام بلاؤں کا گھر، ہر آزمائش کا بیدا، ہر نیک و بد کے اثرات سے متأثر اور انسان عادت کیے جانے کے رو سے مناسبت کا حامل ہے۔ اس کے بیان میں کئی اقسام ہیں جن کی تفصیل میں بہت طول ہے۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند وجوہات مخیر و منشر میں اس ذوالجلال والاکرام کی توفیق سے کچھ تحریر کیا جاتا ہے، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ۔

اوپر گزر چکا ہے کہ انسان جس مقام میں مقیم ہوتا ہے اسی کا حکم رکھتا ہے۔ چونکہ یہاں بشریت کا مقید ہے جو عناصر اربعہ کی اضداد سے مرکب اور متحد واقع ہوئی ہے اس لیے اسی کا بندہ ہے۔ روحانیت سے بشریت کی طرف مبذول ہوا ہے اور ہر طرح کے اثرات (تخمی، صحبتی اور ملکی) کا حامل ہے۔ اولاً خورش و پوشش کا بندہ، بعدہٗ تفاخر و رعونت کا فتنہ اور انانیت کا شیدا ہوتا ہے۔ ابلیس لعین کو سوائے رغبت دلانے کے زیادہ مکلف نہیں ہونا پڑتا، کیونکہ دنیا و مافیہا کے ساز و سامان سراسر گمراہی اور غفلت پر مبنی ہیں تاہم انانیت کی نسبت شیطان رجیم ولعین سے منتسب ہے اور اس کا تعلق ارضیت سے وابستہ ہے۔ وہ اس طرح پر کہ انسانی ضمیر کا تعلق جسمانیت سے اور جسم کا عناصر اربعہ سے اور عناصر اربعہ کا واسطہ ارضیت سے ہے۔ گو یہ تعلق عارضی اور چند روزہ ہے لیکن اس کا اثر جو سراسر حجاب بلکہ سراپا عذاب ہے، رُوح یا کھلے لفظوں میں انسان اور اس کے ضمیر سے وابستہ ہے۔ اور وہ اس لیے کہ بعد از انتقال اس کا حامل انسان ہی ہوگا۔ کما قال:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيٓ اٰتَيْنٰهُ	اور پڑھ اوپر ان کے قصہ اس شخص کا کہ دیں ہم نے
اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ	اس کو نشانیاں اپنی پس نکل گیا ان میں سے۔ پس
الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ	پیچھے لگایا اس کو شیطان نے پس ہو گیا گمراہوں سے
شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ	اور اگر چاہتے ہم البتہ بلند کرتے ہم اس کو ساتھ

Marfat.com

اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ	ان نشانیوں کے و لیکن وہ لگ گیا طرف زمین کی
كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ	اور پیروی کی خواہش اپنی کی پس مثال اس کی
اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ	مانند مثال کتے کی ہے۔ اگر بوجھ رکھے تو او پر اس کے
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ	زبان لٹکائے یا چھوڑ دے اس کو زبان لٹکائے
الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○	یہ ہے مثال اس قوم کی کہ جھٹلایا نشانیوں ہماری
(پ ۹ - س ۱۲)	کو پس بیان کر قصے تو کہ وہ فکر کریں۔

تو صاف ظاہر ہے کہ بلعام بن بعور کی ہمیشگی دنیا میں تو ممکن نہیں تھی۔ بلکہ یہ ہمیشگی یعنی اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ نہ کسی کو ہوئی اور نہ ہو گی۔ معانی آیات مبارکہ اس پہ دال ہیں کہ اس نے اس مقام پہ اپنے سب مدارج و معارج کو فروخت کر دیا اور مطابق ارشاد باری تعالیٰ وہ اسفل کی طرف لپٹا اور آیات کے لباس کو پھاڑ کر دنیا و مافیہا کا شیدا ہو گیا۔ گویا اس نسبتِ ارضیت سے قدم نہ اٹھا سکا۔ ورنہ فرمان مبارک صاف عیاں ہے کہ اگر ہم چاہتے تو انہی آیات سے اس کے درجے بلند کرتے۔ لیکن وہ خود لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى[1] کے ماتحت خواہشات رذیلہ کی طرف جھک گیا اور اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ کو ہی بہتر سمجھا اور ہمیشہ کے لیے کتوں کی زنجیر میں جکڑا گیا۔

یہ ہے نسبتِ عالم شہود۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا[2] اس کے لیے ظاہر من الشمس ہے کہ جو اس مقام سے، اس نسبتِ رذیلہ سے پاک ہوا، فلاح پانے والا ہوا۔ اور جو اس جگہ میں رہ گیا وہ خاک میں مل گیا، جس سے مراد اس مقام میں مستغرق ہونے کے سوا نہیں ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا[3]۔ حدیث شریف کے حکم سے ایسا شخص مثل چوپاؤں

---

[1] نہیں ہے واسطے انسان کے مگر جو کچھ کوشش کرے۔ [2] بیشک مراد کو پہنچا جس نے اسے پاک کیا نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا۔ [3] پناہ پکڑتا ہوں میں ساتھ اللہ تعالیٰ کے نفسانی برائیوں سے۔

Marfat.com

کے ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ط یعنی وہ لوگ چوپاؤں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ۔ کیونکہ چارپایہ اپنی تخلیق میں کامل ہے اور حکم خدا اور ذکر خدا سے غافل نہیں۔ لیکن انسان باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے چوپایہ کی طرح ہو تو زیادہ گمراہ ہے ایسا شخص خواہ نماز بھی پڑھے، عبادت و ریاضت بھی کرتا ہو تاہم اس کا رجوع الی الدنیا اس امر کا مقتضی ہوتا ہے کہ اس کے اصل مقصود وحصول فی الآخرہ کو مفقود کر دے اور اپنی التجاؤں اور دعاؤں کی انتہا حاجات الدنیا ہی میں مقید رکھے۔ کما قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید وفرقان الحمید:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ	جو کوئی ارادہ کرتا ہے زندگانی دنیا کا اور اس کی
زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ	زینت کا پورا دیں گے ہم طرف ان کی عمل ان کے
فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○	بیچ اس کے اور وہ بیچ اس کے کمی نہ کیے جائیں گے
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ	یہی ہیں وہ لوگ کہ نہیں ہے واسطے ان کے آخرت
اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا	میں مگر آگ اور کھو یا گیا جو کچھ کیا تھا انہوں نے
وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (پ ۱۲۔ ع ۲)	بیچ اس کے اور جھوٹا ہوا جو کچھ کہ کرتے تھے۔

ایسے شخص سے وہ انسان بدرجہا بہتر ہے جو محض فرائض ادا کرتا ہو اور باقی سارا وقت خواہ وہ اپنی ضروریات معیشت کے ماتحت کاروبار میں صرف کرتا ہو مگر دنیا وما فیہا سے متنفر اور آخرت کی دُھن میں متفکر ہو۔ اس کے علائق متعلقہ فی الدنیا کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ اس کی نسبت فی الآخرۃ آہستہ آہستہ مستحکم اور مضبوط ہوتی جائے گی اور نسبت ارضیہ جس کو نفسیہ کہنا روا ہے رفتہ رفتہ کمزور ہوتی جائے گی۔ گویا جسمانیت پر روحانیت غالب ہوتی جاتی ہے۔ پھر اس کو عقل سلیم سے حصہ ونصیب کی امید ہو جاتی ہے جس سے وہ علم حال کا مسبوق اور خیر وشر کا متمیز

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ انسانی ضمیر یعنی مملکت انسانیہ میں جنگ و جدال شروع ہو جاتا ہے۔ انسان ان ہر دو لشکروں میں بمنزلہ خلیفہ کے مجاہد ہوتا ہے۔ اس کی سعی اور ہمت باطنی سے ہر دو فریق تقویت حاصل کرنے والے ہوتے ہیں اور ہر دو کا اثر اس کے ضمیر پہ ہوا کرتا ہے۔ اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ جونسا اثر قلب انسانی پہ مؤثر ہوتا ہے اسی کو یہ چاہنے والا اور اسی کے رنگ میں رنگا جانے والا بن جاتا ہے۔ یہی نسبت کا اصل اور مناسبت کا اتحاد ہے۔ اور یہ:

وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (۲۱: ۳۵ - پ۱۷ - ع۳) اور	اور آزماتے ہیں ہم تم کو ساتھ برائی اور بھلائی کے آزمائش کو۔
فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۝ (پ۳۰ - ع۱۶)	پس جی میں ڈالی اس کے بدکاری اس کی اور پرہیزگاری اس کی۔

سے عبارت ہے۔ اس مقام میں ہر دو نسبتوں کا معائنہ کرتا ہوا تغیر و تبدل سے عالم اور اپنے حال سے واقف ہو جاتا ہے۔ شر کی نسبت کا سردار ابلیس علیہ اللعنۃ اور خیر کی نسبت کے شہنشاہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ابتدا انسان کے عمل خیر اور شر سے ہوتی ہے اور انتہا نسبت کامل سے مکمل ہو جاتی ہے۔ فرماں برداری اور نافرمانی اس کے ضمیر میں تخم کی مانند ہے، کما قال اللہ تعالیٰ:

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ۝ (پ۲۵ - ع۴)	جو کوئی ارادہ کرتا ہے کھیتی آخرت کا زیادہ دیتے ہیں ہم اس کو بیچ کھیتی اس کی کے اور جو کوئی چاہتا ہے کھیتی دنیا کی دیتے ہیں ہم اس کو کچھ اس میں سے اور آخرت میں اس کے لیے کچھ حصہ نہیں۔

اور اس کی نشوونما ہر دو صورت میں سے مطابقت پہ مبنی ہے۔ یعنی رحمی اور غضبی۔ ایک کی امداد

Marfat.com

کے لیے تنزیل ملائکہ، مطابق فرمان:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ۚ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَشْتَہِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْہَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ (پ ۲۴ - ۱۸)	بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں یہ کہ مت خوف کرو اور نہ غم کرو اور خوشخبری سنو اس جنت کی کہ تھے تم وعدہ دیے جاتے۔ ہم دوست ہیں تمہارے بیچ زندگانی دنیا کے اور بیچ آخرت کے۔ اور تمہارے لیے بیچ اس کے جو کچھ چاہیں جی تمہارے اور تمہارے لیے ہے بیچ اس کے جو کچھ تم مانگو۔ مہمانی ہے (اللہ تعالیٰ) بخشنے والے مہربان سے۔

اور دوسرے کی تنزیل شیاطین، مطابق:

ھَلْ اُنَبِّئُکُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ ۙ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَکْثَرُھُمْ کٰذِبُوْنَ ۝ (پ ۱۹ - ۱۵)	کیا بتاؤں میں تم کو کہ کس پر اترتے ہیں شیطان؟ وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ باندھنے والے گنہ گار پر شیطان اپنی سنی ہوئی ان پر ڈالتے ہیں اور اکثر ان کے جھوٹے ہیں

کا ارشاد اظہر من الشمس ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کی امداد من اللہ و رسول کی جاتی ہے اور دوسرے کی امداد محض غضب و قہر اور مردودیت کے سوا نہیں ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَہٗ شَیْطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیْنٌ ۝ (۴۳: ۳۶ - پ ۲۵ - ۱۰)	اور جو کوئی شب کوری کرے یاد خدا کی سے مقرر کرتے ہیں ہم واسطے اس کے ایک شیطان پس وہ واسطے اس کے ہمنشین ہوتا ہے۔

Marfat.com

لیکن یاد رہے کہ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی کی زبردست سنت بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ کے روسے ہے۔ کیونکہ جب تک انسان کسی معصیت کا مرتکب نہ ہو مطابق ارشاد مولیٰ کریم شیطان تصرف نہیں کرسکتا۔ اور یہ کئی وجہ پر منقسم ہے۔ اوّل: رغبت اور خواہشات کے ضمن میں زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ کے مصداق ان کے اعمال کو زینت دینا، ھُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا کے روسے دماغ میں خلل ڈالنا، اس پر آمادہ بلکہ مستقل کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی خاص تصرف نہیں ہوتا۔ جب انسان نیکی کی طرف رجوع کرتا ہے تو شیطان لعین کے خرمن کو آگ لگ جاتی ہے، نامطابقت کی وجہ سے کمزور ہو جاتا ہے، وردکمر پڑھنے لگتا ہے، باوجود اِنَّ کَیْدَ الشَّیْطٰنِ کَانَ ضَعِیْفًا کے دھوکا، فریب اور حیلے کرنے لگتا ہے۔ عبادت میں ریاکاری، آسائش میں بزرگی، تقویت میں رعونت اور تکبر، محبت الٰہی میں شریعت غرا اور فرماں برداری سے آزادی، توکل کے نشیب و فراز میں فکرمندی اور مایوسی، قبولیت خلق کو باعثِ زینت اور اس کی ہوس، بڑائی اور امارت کا سبق دیتا ہے۔ ماسوائے ان ہزلیات کے صاحب کشف و حال کو عجیب و غریب کیفیات میں ملبوس کرنے کی سعی کرتا ہے۔ ملہم حقیقی کے الہام میں گڑبڑ مچاتا ہے۔ تخیلات اور استغراق تمنا میں خلل اندازی کرتا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ — اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے کوئی رسول اور نہ نبی

---

۱ پھیرتے ہیں ہم اس کو جدھر وہ پھرتا ہے۔ ۲ بسبب اس چیز کے کہ تھے وہ کماتے۔

۳ زینت دی واسطے ان کے شیطان نے ان کے اعمال کو۔

۴ وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

۵ بے شک مکر شیطان کا کمزور ہے۔

Marfat.com

وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ
فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي
الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ ۗ وَ
اللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي
الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ
مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ
الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ وَلِيَعْلَمَ
الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ
قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ
آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝
(۲۲ : ۵۲ - ۵۴ - پ ۱۷ - س ۱۴)

مگر جس وقت کہ آرزو کرتا تھا ڈال دیتا تھا شیطان
بیچ آرزو اس کی کے پس موقوف کر دیتا ہے اللہ جو
ڈالتا ہے شیطان پھر محکم کرتا ہے اللہ نشانیوں اپنی کو
اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا۔ تو کہ کر دیوے جو چیز
کہ ڈالتا ہے شیطان آزمائش واسطے ان لوگوں کے
کہ بیچ دلوں ان کے کے مرض ہے اور جو کہ سخت ہیں
دل ان کے اور تحقیق ظالم البتہ بیچ خلاف دور کے
ہیں اور تاکہ جانیں وہ لوگ کہ دیے گئے ہیں علم یہ کہ
وہ سچ ہے رب تیرے کی طرف سے پس ایمان لاویں
ساتھ اس کے پس عاجزی کریں واسطے اس کے دل
ان کے اور تحقیق اللہ راہ دکھلانے والا ہے ان لوگوں کو
کہ ایمان لائے طرف راہ سیدھی کے۔

لیکن ان آیات بینات سے یہ بھی صاف عیاں ہے کہ انبیائے کرام از راہ عنایت الٰہی اس بلا سے معصوم ہیں قبل از حائل اس القا سے منزہ ہیں۔ اور مومن اولوالالباب اس میں تمیز کرنے والا ہوتا ہے۔ اور جن کے دل میں مرض ہے، ان کے لیے آزمائش ہے۔ اور یہ دو وجہ پر ہے ایک مناسبت اور مطابقت پر، اور دوسری مخالفت اور ناموافقت پر۔ دراصل یہ مطابقت مخالفت سے اور مخالفت مطابقت سے ملی جلی ہوئی ہے جن کا اصل ایک ہے۔ مخالفت نامناسبت کی وجہ پر موافقت اور مخالف نسبت سے دھوکا دے کر برطرف کرنا ہے، اور مناسبت اپنے ساتھ ملانے اور موافقت کرنے پر ہے جو عین مخالفت ہے۔ اس مشکل کے حل

Marfat.com

کرنے کو ارشاد مولیٰ کریم اظہر من الشمس ہے :

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ	اللہ دوستدار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے
مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ	نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے طرف روشنی کے
كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓــــُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ	اور جو لوگ کہ کافر ہوئے دوست ان کے شیطان۔
مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ	ہیں، نکالتے ہیں ان کو روشنی سے طرف اندھیروں
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ	کے۔ یہ لوگ ہیں رہنے والے آگ کے، وہ بیچ
(۲ : ۲۵۷ - پ۳ - س۲)	اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اب نورِ ایمانی سے معلوم ہوگا کہ نور سے ظلمات کی طرف نور سے مخالفت اور نار سے موافقت اور مناسبت ہے۔ اور نار سے نور کی طرف نار کی مخالفت اور نور سے موافقت اور مناسبت ہے۔ اس مقام پر انسان کی حالت نفسِ لوّامہ کے مترادف ہو جاتی ہے۔ طالبانِ صادق کے لیے سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے اور اسی فکر میں مستغرق رہنا۔ اس غفور رّحیم سے مدد طلب کرنے کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔ اور مریضِ قلب اور معصیت کی طرف جھک جانے والوں کے لیے تو معاملہ ہی صاف ہو جاتا ہے اور شیاطین سے موافقت اور مناسبت کی رو سے نسبتِ کامل کا حامل ہو جاتا ہے۔ ماخوذ فی الضمیر کے آئینہ سے صراط المستقیم کا معائنہ کرنے والا، تمام مدارج اور معارج کا بادشاہ، اپنے زعم میں مکمل اکمل ہو بیٹھتا ہے اور بحکم خدا مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ[1] کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ درحقیقت مِنْكَ اور مِمَّنْ تَبِعَكَ میں کوئی خاص فرق نہیں، صرف جنسیت کے لحاظ سے کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن نسبت کے رو سے کوئی تفاوت نہیں ہوا کرتا۔ خواہ وہ جنّوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے، قَبِيْلُهٗ کی بساط پر سب یکساں ہیں۔

---

[1] تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے۔

Marfat.com

ظاہر و باطن میں ایک دوسرے سے متفق اور ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ ظاہر مطابقت کی وجہ سے اور باطناً نسبت تنزیل شیاطین کے رُد سے۔

یاد رہے کہ یہ مناسبتِ حالی خود بخود تعاون کے میدان میں استقلال اور تصرف کی متقق ہے اور نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف، بلا وجوہ و اسباب عداوت اور نامطابقت ہے۔ نور اور نار کا سا حال ہے۔ یہ گروہ نور سے پرورش پانے والا ہے اور وہ نار سے۔ اور عجب یہ ہے کہ سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنے والا اور خصوصاً نسبت اور حال رکھنے والا عملی جامہ میں یا حالی بساط سے عمداً سرمو بھی تجاوز کرے تو فوراً نسبتِ مخالف کے تصرف کا شکار ہونے لگتا ہے۔ اور صاحبِ حال تو اس کی کیفیات سے معاً مطلع ہو جاتا ہے اور یہ سب سے بڑا دھوکا ہے۔ اللہ کے بندے من اللہ حفاظت کی برکت سے محفوظ ہوتے ہیں۔ کیفیات و سرور قبض و بسط وغیرہ دونوں طرف نمایاں ہوتے ہیں۔ گو گرمی سردی کا سا حال ہے، کفر و اسلام کا معاملہ ہے، تاہم اس میں کئی وجہ پر دھوکا ہو جاتا ہے۔ مثلاً توحید میں انکارِ رسالت، محبتِ اہلِ بیت میں بساطِ اطاعت اور متابعت سے برطرفی اور بے اعتنائی اور زہد و ریاضت میں سنت کے خلاف ترکِ دنیا، بمصداق ؎

ما تفیماں بکوئے دلداریم
رُخ بہ دنیا و دیں نمے آریم

لیکن اس امر کا فیصلہ خداوند کریم ذوالجلال والاکرام نے چند لفظوں میں ایسا واضح کر دیا ہے کہ کسی کلام کی گنجائش باقی نہیں رہی:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳: ۳۱ - پ ۳ - س ۳)

کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو محبت کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ۔

Marfat.com

عجب یہ ہے کہ سنت نبوی کا گروہ محض دعوت دینے اور ہمدردی اور خیر خواہی اور صراط المستقیم کی طرف بلانے والا ہوتا ہے جس میں کسی قسم کا فریب نہیں ہے۔ لیکن ان سب امور کے باوجود دوسرے گروہ پر بہت کم اثر ہوتا ہے۔ لیکن اُن کا اثر متبعین سنت پر بہت جلد اور زبردست ہوا کرتا ہے۔ اس کی وجہ اس مثال سے واضح ہو گی کہ اندھیرا دور کرنے اور چراغ روشن کرنے کے لیے بہت سامان کی ضرورت ہوتی ہے، اور پھر اس کی حفاظت بھی ازبس ضروری ہے۔ لیکن ذراسی مخالف ہوا سے چراغ کے گل ہو جانے سے اندھیرا خود بخود ہو جاتا ہے۔ مولیٰ کریم ذوالجلال والاکرام نے انسان کی سرشتی حالت کو اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ[1] سے منسوب فرمایا ہے۔ سوائے تاثیرات سے متاثر ہونے کے کسی تعلیم کی حاجت نہیں ہے۔ اسفل سافلین کا مقام یعنی دنیا ومافیہا یا صحتِ حال کی رُو سے بشریت خود بخود اُفتاد ہے۔

سب سے خطرناک اور لطیف تر اسلام اور دین الحق میں تصرّف جو:

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ط (۱۶: ۹۔ پ ۱۴۔ س ۵) — اور اوپر اللہ کے پہنچتی ہے سیدھی راہ اور بعض ان میں سے ٹیڑھی ہیں۔

کے مترادف ہے، توحید الٰہی اور محبت لامتناہی میں ہُوا کرتا ہے۔ اور اس کا انحصار سراسر سعادت عبادت، ریاضت، ترک دنیا، رضائے الٰہی اور اخلاص پر مبنی ہے۔ اور وہ اس طرح پر ہے کہ اس عزیز الحکیم نے اپنی توحید اور محبت کو ایک ہی ظرف میں لبریز کر دیا ہے۔ فرمایا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ — اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہے کہ پکڑتا ہے سوائے اللہ کے شریک، محبت کرتے ہیں ان سے جیسا کہ

---

[1] یقیناً نفس حکم کرنے والا ہے ساتھ بُرائی کے۔

Marfat.com

الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ؕ	محبت خدا کی اور جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں بہت
(۲: ۱۶۵ - پ۲ - س۲)	سخت ہیں محبت میں واسطے اللہ کے۔

جاننا چاہیے کہ شرک دو وجہ پر ہے۔ ایک جلی اور دوسرا خفی۔ جلی تو سوائے باری تعالیٰ کے کسی چیز کو معبود ٹھیرانا یا مددگار بنانا ہے لیکن خفی جیسا کہ اس آیت پاک سے ظاہر ہو رہا ہے محض محبت ہے۔ تو ان معانی سے کسی نبی اور رسول، مومن اور ولی سے محبت کرنا یا مدد مانگنا صریح شرک ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ میں کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے۔ اور وہ اس لیے کہ یہ سب من دون اللہ میں شامل ہیں۔ لیکن دوسری جگہ:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَالَّذِیۡنَ	سوائے اس کے نہیں کہ دوست تمہارا اللہ ہے
اٰمَنُوا (۵: ۵۵ - پ۶ - س۱۲)	اور اس کا رسول اور جو لوگ ایمان لائے۔

اِس کے خلاف ہے۔ مان لیا کہ عوام الناس سے محبت مِنۡ دُوۡنِ اللہ شرک اور کفر ہے لیکن جن ہستیوں کی تعریف اس خالق موجودات نے مخصوص فرمائی ہے وہ ہمارے دوست ہیں، ان کے لیے شرک کا گمان بھی کفر ہے۔ تو اس تضاد کی تطبیق کے لیے ماننا ہی پڑے گا کہ مِن دُون اللہ سب کی محبت شرک ہے، مگر فی سبیل اللہ سرتاپا جائز بلکہ ذریعہ حصولِ مقصود ہے اور سبیل کا انکار سنت اللہ کا انکار اور اسباب سے اعراض ہے۔ اور اسباب کا انکار مسبب سے روگردانی ہے، اور یہ کفر ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اعتقاد کے میدان میں توحید ہی صراط المستقیم ہے۔ تمام سلسلۂ نبوت و رسالت کے حامل توحید ہی لے کر آئے، یہی تعلیم دی۔ ظاہری، باطنی، قالی، افعالی اور حالی وجہ پر اقرار اور رویت سب کا سب اسی شجر کا ثمر ہے۔ اطاعت و فرماں برداری، صبر و استقامت اسی شجر

Marfat.com

کی پرورش اور حفاظت کا ذریعۂ نیک ہے۔ اسلام وایمان کا انحصار اسی پر ہے۔ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[1] اس کے بغیر بے سود ہے۔ لیکن ایک گروہِ اسلام نے جو اصل توحید سے بے خبر ہیں، اسے ایسا گہہ کے پکڑا ہے کہ معانی اصل کے خلاف ہو گئے ہیں اور ان کے سر پر زعمی توحید کا ایسا بھوت سوار ہوا ہے جس نے عقلِ سلیم کو بالکل ڈھانپ لیا ہے۔ حق و ناحق دونوں کا انکار کر رکھا ہے۔ طریقت کو بدعت اور سبیل کو شرک خیال کرتے ہیں۔ گمانِ فاسد کے غبارہ کو اس انتہائی اوج فلک پر لے گئے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ توحید ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا ساتھ پڑھنا شرک ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ ایسے کلمات سُن کر کہنا ہی پڑیگا کہ بدوں نورِ رسالت ایسی توحید، توحیدِ ابلیس کے مترادف ہے اور اس کی نسبت سے عین مناسبت ہے۔ کیونکہ اس کا انکار غیر کو سجدہ کرنے کے رو سے تھا۔ لعنت کا طوق خوشی سے گلے میں ڈال لیا لیکن غیر کو سجدہ نہ کیا۔ موحّد حنیف اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے جس نے غیر کی عظمت کو تسلیم نہ کیا اور مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا[2] کا تاج سر پر رکھے ہوئے مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ[3] کے ہمراہ دوزخ کا ایندھن ہو گیا۔

دراصل ابلیس علیہ اللعنۃ نے امرِ خداوندی کا انکار کیا اور امر کا انکار آمر کا انکار ہوا کرتا ہے اور یہی کفر اور اس کا اصل ہے۔ قاعدۂ کلیہ ہے کہ ہر مقام و محل میں اسی کے مطابق عمل ہوا کرتا ہے اور یہ سنت اللہ یعنی طریقہ احکم الحاکمین ہے۔ مطابق ارشاد وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا[4] نہ کبھی اس کے خلاف ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ نادرات کے سوا کوئی حصول بھی سنت اللہ کے خلاف ہونا ممکن نہیں ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (آپ خدا کے دستور کو کبھی پھرا ہوا نہ پائیں گے)۔

---

[1] ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔

[2] مذمت کیا ہوا دھکے کھاتا۔

[3] تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے

[4] ہرگز نہ پائے گا تو اللہ کے دستور میں تبدیلی۔

دیکھیے! فرمان ہوتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ	کیا تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے رب نے ہاتھیوں والوں
الْفِيْلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ	کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کے مکر کو سرتاپا غلط نہ
تَضْلِيْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا	کر دیا؟ ان پر غول کے غول (ابابیل) پرندے
اَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ	بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے
سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝	سو (اس طرح سے) ان کو کھائے ہوئے بھس سے
(۱۰۵: ۱-۵ - پ۳۰ - ع۳۰)	کی طرح کر دیا۔

فَعَلَ رَبُّكَ کی نسبت محض فاعل حقیقی کی طرف عیاں ہے لیکن ظہور وعمل کے میدان میں ابابیل کا فعل مظہر ہے۔ عالم اسباب میں اسباب کی سنت کو کس قدر لازم رکھا ہے۔ دوسری جگہ اسی کے مترادف فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ	کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ سایہ کو
وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا	کیونکر پھیلایا ہے؛ اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھہرا ہوا کر
الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ	دیتا۔ پھر اس پر سورج کو علامت (دلیل) مقرر کیا۔
اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ (پ۱۹ - ع۳)	پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ سمیٹ لیا۔

کیا ہی واضح فرمایا ہے کہ سایہ کا بڑھانا اور گھٹانا پھر اس کو اپنی طرف قبض کر لینا میرا فعل ہے لیکن اس فعل کے لیے شمس کو دلیل ٹھیرایا ہے۔ تو معلوم کیا چاہیے کہ اس فاعل حقیقی نے اپنے فعل کے ظہور کے لیے سورج کو رہنما بنایا۔ عمل کے میدان میں مشاہدہ ہر کہ ومہ پر روشن ہے کہ ارض و سماء میں نظام شمسی متعین فرمایا ہے۔ ظل وحرور، لیل ونہار، حرارت وبرودت، سب اسی کے نشیب وفراز، قرب وبعد اور کشف وحجاب کا نتیجہ ہے۔ کل موجودات کا خالق اس لم یزل و

Marfat.com

لایزال کے سوا کسی کو سمجھنا کفر اور شرک ہے۔ لیکن موجودات یعنی نباتات اور معدنیات میں تصرفِ شمس کا انکار بھی اس سے کم نہیں۔

اب غور و فکر سے فرمانِ ایزد متعال کا مطالعہ باعثِ رشد و ہدایت ہوگا کہ مولیٰ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سِرَاجًا مُّنِيرًا یعنی منور کر دینے والا چراغ یا آفتاب فرمایا ہے اور مومنوں کی مثال کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ یعنی نبات سے تشبیہ فرمائی ہے۔ جس طرح عالم دنیا میں جسمانیت کا رہبر شمس کو مقرر کیا ہے اسی طرح عالم روحانیت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراجًا منیرًا سے نامزد کیا ہے۔ ہر چند یہ دونوں شمس مخلوق کے سردار اور فیاض ہیں اور تاقیامت ان کا تصرف جاری و ساری رہے گا۔

گو حضور کو شمس سے اور شمس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مثال دینا سراسر بے ادبی ہے مگر فہمائش کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں۔ ورنہ "چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"۔ شمسین بفضلہ تعالیٰ تاقیامت فیاض و باتصرف رہیں گے۔ لیکن آفتابِ نبوت قیامت کے بعد بھی رحمۃٌ للعالمین اور اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ کے ضمن میں ابدی برسات سے قلبوں کو ٹھنڈا کرتے رہیں گے خواہ خطاف کی مانند بمصداق ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

کور چشموں اور دل کے اندھوں کو سجھائی نہ دے۔

اس کور چشمی کو ہٹانے اور بصارتِ قلبی کے سُجھانے کے لیے کیا ہی بیّن فیصلہ فرما دیا ہے کہ سِرَاجًا مُّنِیْرًا کے ساتھ معًا بلا عطف و جملہ معترضہ :

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ اور مومنوں کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لیے اللہ کی

Marfat.com

فَضْلًا کَبِیْرًا ۰ (۳۳: ۴۷ - پ ۲۲ - س ۳) طرف سے یہ بہت بڑا فضل ہے۔

نازل فرما دیا ہے۔

اب عدل وانصاف سے کلام الٰہی کی تطبیق میں غور کرنا لازم ہے کہ آفتاب رسالت منور کرنے والا جس کا مفاد مومنین کے لیے عیاں ہے کیا صرف ان مومنین کے لیے ہے جو محدودے چند حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے یا تمام مومنین کے لیے ہے جو گزر چکے ہیں اور فی زمانہ موجود ہیں؟ تو بروئے قرآن ماننا ہی پڑے گا کہ یہ حکم ان کے لیے بھی منسوخ نہیں ہے بلکہ ماضی، حال اور مستقبل سب وقتوں میں اس کا تصرف یکساں ہے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ[۱] حیات النبی با تصرف ثابت ہوتے ہیں، اور ان دلائل سے انکار کی گنجائش باقی نہیں ہے۔

باوجود ان دلائل اور نص قطعی کے بھی ضد اور تعصب کی بنا پر انکار ہو تو اس مرض کا کوئی علاج ہی نہیں، اور یہ ایسی گم گشتگی ہے جس کے لیے کوئی سراغ ہی نہیں۔ ایسی غرقابی ہے جس کے لیے کہیں ساحل ہی نہیں۔ کیونکہ اس منعم حقیقی نے سب سے بڑی اور انتہائی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے:

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ	اور تاکہ پوری کروں میں نعمت اپنی اوپر تمہارے اور
تَهْتَدُوْنَ ۰ کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا	تاکہ تم راہ پاؤ۔ جیسا بھیجا ہم نے بیچ تمہارے پیغمبر
مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ	تم میں سے۔ پڑھتا ہے تم پر آیتیں ہماری اور پاک
وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُمْ	کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت اور
مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۰ (پ ۲ - ع ۲)	سکھاتا ہے تم کو جو کچھ کہ نہیں تھے تم جانتے۔

[۱] اب بھی ہے جیسا کہ تھا۔

Marfat.com

اور اس کا مفاد ذکیٰ پر رکھا ہے۔ ان آیات کو غور سے مطالعہ فرمائیے۔ کہ آیات کو پڑھ کر امر و نواہی سے متنبہ کرنا تو یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا پر بس ہے، اور یُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ اس نور سے نسبت ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توجہ باطنی سے اپنی اُمت میں سے جس پر مہربانی فرمائیں، بحکم خدا القا کر دیں۔ اور کفرانِ نعمت محرومی نعمت کی علت ہے۔ اس بیان میں بہت طول ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے موقع پر بیان ہوگا۔ اس لیے میں قلم کو روکتا ہوا اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اوپر گزر چکا ہے کہ ابتدا ہی سے دو نسبتوں (شر و خیر) کا عمل شروع ہے۔ ایک (شر) کا سردار ابلیس لعین اور دوسری (خیر) کے شہنشاہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا ثبوت قرآن شریف سے ہو چکا ہے۔ سب سے زیادہ سخت دھوکا ابلیس مردود کا یمین (دائیں طرف) یعنی نیکی کی طرف سے ہے۔ جو صاحب نصیب نسبت نبوی سے کم و بیش حصہ رکھنے والے ہیں، وہ توفیق الٰہی سے صراط المستقیم پر چلے جا رہے ہیں۔ جو سراسر نعمتِ عظمیٰ:

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی	وہ (اللہ تعالیٰ) جس نے بھیجا اپنے رسول کو
وَدِیْنِ الْحَقِّ۔	ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ۔

سے حصہ لینے والے ہیں۔ اور دوسرے اس سے اعراض کرنے والے اپنے زعم کے دریائے توحید میں غوطہ زن ہونے کے بعد انکارِ رسالت کے ساحل پر سر نکالنے والے حقیقتِ توحید سے جاہل، اثباتِ توحید کے بجائے نفی شرک کو عین توحید خیال کرنے والے، نسبتِ رسالت سے محروم، اپنے مقصود سے معدوم، اپنی سیاہیِ قلب سے لکھی ہوئی کتاب کو سامعین کے روبرو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ نصب العین ان آیات سے یہ ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شریعت لائے اور امر و نواہی کے مطابق دین الحق کی تلقین کر کے چلے گئے۔ اس سے زیادہ

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت خیال کرنا یا خوف ورجا کے ماتحت اعتقاد رکھنا سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔"

جاننا چاہیے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ کفر و اسلام، نفاق و ایمان، خیر و شر، نور و ظلمت، موت و حیات وغیرہم۔ تو نور رسالت سے انکار اور اعراض بھی اپنی ضد کے سوا نہیں۔ پھر نور کی نسبت کا حصول کیسے اور کس جگہ سے ہو سکتا ہے؟ خداوند کریم جل و علا نے اس امر کو واضح کرنے کے لیے کیا ہی بین ارشاد فرمایا ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (۵: ۱۵۔ پ ۶۔ ع ۷)	بیشک آیا ہے تمہارے پاس اللہ تعالیٰ سے نور اور کتاب بیان کرنے والی۔

کلام الٰہی میں نور کا لفظ بہت سی آیات میں مذکور ہے۔ مثلاً:

۱۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ (۲: ۲۵۷ پ ۳۔ ع ۲)	اللہ والی ہے مسلمانوں کا۔ انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں۔ وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔
۲۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ (۶: ۱۔ پ ۷۔ ع ۷)	سب خوبیاں اللہ کو جس نے آسمان اور زمین بنائے، اور اندھیرے اور روشنی پیدا کی۔
۳۔ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ (۶: ۹۲۔ پ ۷۔ ع ۱۷)	تم فرماؤ کس نے اتاری وہ کتاب جو موسیٰ لائے تھے روشنی اور لوگوں کے لیے ہدایت۔

Marfat.com

۴۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ۔ (۶: ۱۲۲۔ پ۸۔ ع۲)

اور کیا وہ کہ مُردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے۔

۵۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۹: ۳۲۔ پ۱۰۔ ع۱۱)

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا۔ اگرچہ بُرا مانیں کافر۔

۶۔ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۝ (۱۳: ۱۶۔ پ۱۳۔ ع۶)

تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے اندھا اور دیکھنے والا؟ کیا برابر ہو جائیں گے اندھیرے اور اُجالا۔

۷۔ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (۳۳: ۴۳۔ پ۲۲۔ ع۳)

وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر وہ اور اس کے فرشتے کہ تمہیں اندھیروں سے اُجالے کی طرف نکالے۔

۸۔ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ (۳۵: ۲۰۔ پ۲۲۔ ع۱۴)

اور برابر نہیں اندھا اور دیکھنے والا، اور نہ ہی اندھیرے اور اُجالا۔

۹۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (۳۹: ۲۲۔ پ۲۳۔ ع۱۶)

تو کیا وہ جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔

۱۰۔ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط (۴۲: ۵۲۔ پ۲۵۔ ع۵)

اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکامِ شرع کی تفصیل۔ ہاں ہم نے اسے نور کیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں سے جسے چاہتے ہیں۔

Marfat.com

۱۱۔ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ (۵۷:۹۔ پ ۲۷۔ ع ۱۷)	وہی ہے کہ اپنے بندہ پر روشن آیتیں اتارتا ہے تاکہ تمہیں اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جائے۔
۱۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ (۵۷:۲۸۔ پ ۲۷۔ ع ۲۰)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ وہ اپنی رحمت کے دو حصے تمہیں عطا فرمائے گا، اور تمہارے لیے نور کر دے گا جس میں چلو اور تمہیں بخش دے گا۔
۱۳۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (۶۱:۸۔ پ ۲۸۔ ع ۹)	چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے موہوں سے بجھا دیں اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا ہے۔ اگرچہ برا مانیں کافر۔
۱۴۔ رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ (پ ۲۸۔ ع ۱۸)	وہ رسول کہ تم پر اللہ کی روشن آیتیں پڑھتا ہے۔ تاکہ انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اندھیروں سے اُجالے کی طرف لے جائے۔
۱۵۔ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۖ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ (۶۶:۸۔ پ ۲۸۔ ع ۲۰)	جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو۔ ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔

ان آیاتِ مبارکہ میں سے اکثر کے معانی اور تفسیر میں دو گروہ کا اختلاف ہے۔ ایک کے نزدیک تو نور سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، اور دوسرے گروہ کے افراد اس سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ مناظرہ و مباحثہ میں اس حد حیا تک پہنچتے ہیں کہ "کیا حضورؐ کی لحیہ مبارک

Marfat.com

سیاہ نور تھی"، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ! ایسے شخصوں کا تو انجام بھی خطرہ میں ہے۔

صحتِ حال اور تطبیق کلام الٰہی کے رو سے ایک نے تو کم فہمی کی بنا پر غلو کیا ہے' اور دوسرا انکار اور کفر کی وجہ پر حقیقت سے دُور ہوا ہے۔ کیونکہ ان تمام آیات پر غور و فکر کرنے سے بحث و تنقید کا میدان ختم نہیں ہو سکتا۔ دوسرے گروہ نے قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ میں نور اور کتاب مبین کو ایک سمجھنے میں غلو کیا ہے اور اس کے لیے قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ کو دلیل پکڑتے ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ کتاب انسانوں کے لیے نور اور ہدایت ہے لیکن اس کے حامل انسان ہیں عمل کے رو سے اور فرمانبرداری کی وجہ پر۔ اور اس کا نور ہونا عملی جامہ میں مستور ہے۔ ورنہ یہ صرف عبارت ہے جو بصحتِ صورت کے لحاظ سے حروف اور الفاظ کے لباس میں ملبوس ہے۔ معانی اور برکات و اسرار کے حامل تو وہ اشخاص ہی ہیں جو ایمان رکھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ کلام الٰہی ہونے کی حیثیت سے نورٌ علیٰ نور ہے جس کا اصل صفت بالذات مولیٰ کریم کے قدوسی پردہ میں نہاں ہے۔ لیکن دوسری تمام آیات میں سے ایک کی بھی اس کے ساتھ تطبیق نہیں ہے۔ غور سے مطالعہ کرنا روز روشن کی طرح ظاہر کر دیتا ہے۔ بالخصوص آیات نمبر ۴، ۹، ۱۰، ۱۱ اور ۱۵ بالکل واضح ہیں کہ نور من اللہ ایک نعمتِ عظمیٰ اور حیاتِ ابدی ہے جس سے ہدایت فی الدنیا اور مدارج فی الآخرۃ حاصل ہُوا کرتے ہیں۔ نہ ہی یہ کتاب ہے اور نہ ہی مومن اور مرسل ہو سکتے ہیں۔ اختلاف صرف عارضہ اور کم فہمی کے سبب سے ہے۔ تعجب ہے کہ کتاب کو (جو کاغذ، سیاہی اور حروف و الفاظ کی شکل و صورت، ہر ایک چیز سراسر حادث ہے) نور ماننے پر مُصر ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مان لینے میں کس وجہ پر انکار ہے؟ کوئی خاص عداوت ہے جس پر انکار کا انحصار ہے۔

Marfat.com

پہلا گروہ کسی حد تک حق پر ہے۔ اس کی غلطی کا انحصار حفظ مدارج پر ہے۔ اور وہ اس لیے کہ انسان کی حالت اسفل اور اعلیٰ کئی درجوں پر منقسم ہے۔ مثلاً مسلم و کافر، مومن و منافق، عالم جاہل، رُوح و بشر و مُلہم۔ انسان جس نسبت سے مناسبت پیدا کرتا ہے اسی صفت سے موصوف اور اسی اسم سے موسوم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مسلم کو اسلام سے، کافر کو کفر سے، مومن کو ایمان سے، منافق کو نفاق سے، عالم کو علم سے اور جاہل کو جہالت سے نسبت ہے۔ قرآن حکیم بھی انہی صفات اور اسماء سے مخاطب کرتا ہے۔ جیسا کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان لانے والو!)، یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (اے کافرو!) وغیرہما۔ مقصود اس عبارت سے یہ ہے کہ سوائے انسان کے (جو ذاتی اسم ہے) باقی سب صفاتی نام ہیں اور ہر ایک کو اس کی صفت سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ ولی کو ولایت سے، نبی کو نبوت سے، رسول کو رسالت سے نسبت ہے اور ان سب نسبتوں کا تعلق اس خالق موجودات سے ہے، خواہ مقبولیت سے ہو یا مردودیت سے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مطابق فرمان مولیٰ کریم:

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ	نہ پائے گا تو کسی قوم کو کہ ایمان لاتے ہوں ساتھ
الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ	اللہ کے اور دن پچھلے کے دوستی کریں ساتھ اس
وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ	شخص کے کہ مقابلہ کرتا ہے اللہ کا اور رسول اس کے
اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ	کا اگرچہ ہوں باپ ان کے یا بیٹے ان کے یا بھائی
اُولٰٓىٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ	ان کے یا کنبہ اُن کا یہ لوگ لکھ دیا ہے اللہ نے
وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ (۵۸ : ۲۲۔	بیچ دلوں اُن کے کے ایمان اور قوت دی ہے ان کو
پ ۲۸۔ ع ۳)	ساتھ رُوح کے اپنی طرف سے۔

اور مطابق:

Marfat.com

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ (۴۳: ۳۶ پ۲۵ - س۱۱)	اور جو کوئی شب کوری کرے یاد خدا کی سے مقرر کرتے ہیں ہم واسطے اس کے ایک شیطان پس وہ واسطے اس کے ہمنشین ہوتا ہے۔

جیسا فاعل حقیقی نے فرمایا ہے کہ:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۝ (پ۵ - س۸)	جو کچھ پہنچے تمہیں نیکی سے پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ پہنچے تمہیں برائی سے پس وہ تمہارے اپنے نفس سے ہے۔

اور مطابق:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۝ (۳۹: ۲۲ پ۲۳ - س۱۷)	کیا پس جو شخص کہ کھولا ہے اللہ نے سینہ اس کا واسطے اسلام کے پس وہ اوپر نور کے ہے اپنے رب سے۔

یعنی اس نور کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اور نور سے ظلمات کی طرف کی نسبت شیطانوں کی طرف کی ہے۔ اور اس نور السماوات والارض نے مومن کی ہدایت کو اپنے نور سے ارشاد فرمایا ہے۔ مطابق يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی جس کو چاہتا ہے اپنے نور سے ہدایت دیتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ تعلیم خارجی نہیں ہے کہ امر و نہی کی طرح دعوت عمل ہو۔ بلکہ اس کی رحمت سے انسانی ضمیر میں ودیعت کے مترادف ہے۔ ایک طاقت ہے جو رگ و ریشہ میں سما جاتی ہے۔ ایک قوت ہے کہ طاقتِ جسمانی کو جو بہیمیت کے مترادف ہے، کمزور کر دیتی ہے۔ قربِ خداوندی، لقائے الٰہی اور مشاہدہ لامتناہی، بصیرت قلبی اس کے فرع کا حکم رکھتی ہے

Marfat.com

اس کا چلنا پھرنا، کلام و گفتار، صحت و بیماری اسی وجہ پر نمایاں ہوتا ہے۔ بارہا کے تجربہ سے ثابت ہے کہ جب بندگان خدا کو اس میں ذرا کمی واقعہ ہوتی ہے تو کمزور اور بیمار ہو جاتے ہیں لیکن جب یہ وُرود درست ہوتا ہے ترقی، توانا اور تندرست ہو جاتے ہیں، بمصداق ؎

چو تو پنہاں شوی از من ہمہ تاریکی و کفرم
چو تو پیدا شوی بر من مسلمانم بجان تو

کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ (۶: ۱۲۲۔ پ۔ ۸) کیا جو شخص کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کو نور عطا کیا کہ اس کے ساتھ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔

خبردار! یہ حال تو مومن کا ہے کہ خدا کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔ اسی کے نور سے فی الدنیا و الآخرہ انسانوں میں چلتا پھرتا ہے، حیاتِ ابدی کا حامل ہو جاتا ہے۔ گو ایسے شخص کی بشریت مفقود نہیں ہوتی لیکن صفاتِ الٰہی سے متصف[1] ہو جاتی ہے۔ بمصداق ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

مرسلین کا حال اس سے ورا ہے، جس کے بیان کا کسی کو یارا نہیں۔ سوائے اس کے کہ حسب استعداد کلام الٰہی سے کچھ ذکر کیا جائے۔ اور خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت صرف نور کہنا بے ادبی ہے۔ کیونکہ اس عزیز الحکیم نے اپنے بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر سوم مکتوب نمبر ۲۳ میں تحریر فرماتے ہیں: "فنا کے یہ معنی نہیں کہ وجود زائل ہو جائے اور نہ ہی بقا کے یہ معنی ہیں کہ ممکن سے امکان بالکل زائل ہو جائے اور اس کو وجوب حاصل ہو جائے۔ کیونکہ یہ محال عقلی ہے اور اس کے قائل ہونے سے کفر لازم آتا ہے۔ بلکہ اس کے معنی امکانیت کے باقی رہنے کے باوجود خلع و لُبس کے ہیں یعنی صفات بشریت سے نکلنا اور صفاتِ الٰہی سے موصوف ہونا۔

Marfat.com

علیہ وآلہ وسلم کو پانچ صفات واہبیہ سے خاص فرمایا ہے :

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ	اے نبی! یقیناً ہم نے بھیجا ہے تجھ کو گواہ اور خوشخبری
مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ	دینے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا طرف اللہ
بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۞ وَ بَشِّرِ	کی ساتھ اس کے حکم کے اور چراغ روشن اور خوشخبری
الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا	دے ایمان والوں کو کہ واسطے ان کے ہے اللہ کی
كَبِیْرًا ۞ (۳۳: ۴۵ تا ۴۷۔ پ ۲۲۔ ع ۳)	طرف سے فضل بڑا۔

یہ آیات اس امر کی دلیل ہیں کہ اس خالق کائنات نے بلا محنت و مشقت بلکہ بلا طلب اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان صفات حسنہ سے مزین فرما کر مرسل کیا ہے۔ دوسرے صفات کے علاوہ سِرَاجًا مُّنِیْرًا کا مفاد مومنین کے لیے بشارت و رحمت تاکید مزید کے ساتھ مِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا پر رکھا ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ جس طرح شمس کو رہنما بنایا ہے اور سایہ کے بڑھنے اور سکڑنے کو جو سوائے کسی چیز کے بذاتہ کوئی وجود نہیں رکھتا، اپنی جانب منسوب فرمایا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحانیت کا رہنما بنایا ہے۔ سِرَاجًا مُّنِیْرًا جو لغت کے لحاظ سے اسم فاعل ہے۔ تو موافق ارشاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَللّٰهُ مُعْطِیْ وَاَنَا قَاسِمٌ[1] کے سِرَاجًا مُّنِیْرًا کے معنی منور کر دینے والے ہیں۔ تو نص قطعی سے ثابت ہو گیا کہ بحکم خدا آپ مومنین کے ضمیر کو منور کر دینے والے ہیں۔ اور اس فاعل حقیقی نے اپنے فعل کے اجرا کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمیر میں جاری کر دیا ہے۔ یا بصحیح معنوں میں فاعل کے رو سے مختار کر دیا ہے۔ اس کے خلاف خیال کرنا سراسر انکار کلام اللہ اور مشیتِ ایزد متعال پر اعتراض ہے جو سراپا کفر پر مبنی ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ

---

[1] اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔

Marfat.com

اَعْمَالِنَا۔[1]

نتیجہ اس عبارت سے یہ ہوا کہ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[2] میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں۔ جن میں فرع کے لحاظ سے اختلاف ہے اور اس میں بہت طول ہے جو اس جگہ مقصود نہیں ہے اور صفحہ نمبر　　پر پہلے بیان ہو چکا ہے۔ مختصر طور پر صرف اتنا کافی ہے کہ مطابق قرآن مجید تمام خیر و برکت، ثواب و رحمت، توفیق و طاقت، نور و ہدایت من اللہ ہی ہے اور اس کی سبیل و صراطِ مستقیم، ہادی و رہنما اپنی سنت کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنایا ہے اور سراجاً منیراً کا خطاب عنایت فرمایا ہے یعنی منور کرنے والا سورج۔ جس طرح وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ[3] کے ضمن میں یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ[4] کو اپنی نسبت سے منسوب کیا ہے لیکن صراط المستقیم اور صحت حال کی رو سے اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ[5] پر انحصار رکھا ہے، اسی طرح نور و ہدایت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے لیکن طریقت کے لحاظ سے سراجاً منیراً کو رہنما فرمایا ہے۔ اور یہ سلسلہ سینہ بسینہ جاری ہے اور تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ جس کے لیے قَصْدُ السَّبِیْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ[6] کا فرمان روز روشن کی طرح عیاں ہے اس کی مثال یوں سمجھیے کہ بجلی کا مبدأ یا منبع پانی یا کوئی اور چیز ہے جس کے اخذ کرنے کے لیے انجن تیار کیا گیا ہے۔ اور اس انجن سے تاروں کے ذریعہ سے دور دراز مقامات تک بجلی کے چھوٹے بڑے لیمپ روشنی کرتے ہیں۔ کئی کارخانے مشینوں کے ذریعے کاروبار کرتے ہیں۔ اگر

---

[1] پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے اپنے نفس کی برائیوں اور اپنے برے اعمال سے۔

[2] نور آسمانوں کا اور زمین کا۔　[3] اور جو لوگ ایمان لائے بے حد محبت رکھتے ہیں اللہ سے

[4] محبت رکھتا ہے وہ ان سے اور وہ محبت رکھتے ہیں اس (اللہ تعالیٰ) سے۔

[5] اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔　[6] بیچ کا راستہ اور اس سے ٹیڑھے راستے

مبدأ سے بجلی کی آمد بند ہو جائے تو ان اوزار و ظروف سے کوئی فعل سرزد نہیں ہو سکتا۔ سب مانند مُردہ بے حس و حرکت پڑے نظر آئیں گے۔ لیکن جب برقی رَو درست ہوئی اور بجلی کی آمد جس کو امر الٰہی اور فاعل حقیقی کے تصرف سے تشبیہ دینا بجا و درست ہوگا) بدستور جاری ہوئی تو سب لیمپ (بلب) روشن اور کاروبار کی مشینیں فاعل ہوں گی۔ اس مثال سے یہ مفاد حاصل کرنا چاہیے کہ مبدأ بجلی نورِ ذاتِ باری تعالیٰ ہے اور کارخانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور تار اور لیمپ یعنی بلب اولیائے کرام اور مومن ہیں۔ اگر بلب میں نقص واقع ہو جائے تو بجلی کی رَو جاری ہونے کے باوجود وہ روشن نہیں ہو سکتا۔ اور اگر بلب صحیح سالم تار اور آئینہ سمیت درست ہو لیکن اس کو کھینچ کر برقی رَو سے الگ کر دیا جائے تو خواہ راستہ بجلی بدستور کھلا رہے لیمپ روشن نہیں ہوگا اور نہ ہی طاقت بجلی خرچ یا ضائع ہو گی۔ مطلب یہ ہے کہ طاقتِ بجلی بغیر درستی بلب کے اور بلب بغیر برقی طاقت کے کارآمد نہیں ہو سکتے۔ اور تاریں اور لیمپ سب کے سب کارخانے کے محتاج ہیں اور کارخانہ یا انجن بغیر منبع بجلی کے کچھ تصرف نہیں رکھتا۔ چھوٹے سے بڑا اور بڑے سے چھوٹا ہر ایک بلب حسب استعداد روشن ہر زمانہ میں معروف ہے۔

یاد رہے کہ جس طرح یہ سلسلہ طریقت صراط المستقیم پر جاری ہے اسی طرح اس کے برخلاف سلسلہ بھی جاری ہے۔ اور ان ہر دو نسبتوں کا جہان میں شور برپا ہے۔ ایک مطابق قَصْدُ السَّبِيْلِ خدا تک پہنچتا ہے اور دوسرا مِنْهَا جَآئِرٌ کے موافق عزازیل تک رہ جاتا ہے۔ بمصداق ؎

ہرگز بکعبہ نہ رسی اے اعرابی!

آں راہ کہ تو می روی بترکستان است

لیکن بایں ہمہ اس گروہ کا تصرف میدان دنیا میں بڑھ چڑھ کر ہے۔ کرامت کی جگہ اندراج کی وجہ پر دنیا والوں کے کاموں میں حیرت انگیز تصرف رکھتا ہے۔

Marfat.com

غور طلب امر تو یہ ہے کہ یہ اپنے حال میں خوش کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کے موافق شادان و فرحاں بلکہ دوسرے فرقہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور اپنی ترک دنیا کے مقابلہ میں ان کو دنیا دار خیال کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو حال کی رو سے اچھا خیال کرتے ہیں تو اس کو بھی اسفل منزل کا مقیم سمجھتے ہیں اور اپنے حال کو سب سے اعلیٰ اور ارفع جانتے ہیں۔ غرضیکہ اپنی نسبت کے پورے شکار ہوتے ہیں۔ مطابق اِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ دوسرے کے حال کو دیکھنے والے ہوتے ہیں۔ تاہم اپنے حال کے دیوانے، سرور کے متوالے، اپنی دُھن میں جانے والے لیکن یہ سب یکساں نہیں ہوتے۔ بعض ان میں سے شریعت غرا یعنی صوم و صلوٰۃ کے پابند، سنت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عظمت و رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے حال میں کچھ تامل ہے۔ لیکن نسبت سے ان کو بھی کچھ حصہ نہیں ہے اس لیے خطرہ ہی ہے۔ کیونکہ خواہ شریعت اور سنت پر عامل ہو تاہم نسبت خلاف نبوت خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔ اور وہ اس لیے کہ اس گروہ سے جو محض خشک توحید کے پودے اور نور رسالت سے سراسر محروم ہیں، اس گروہ کی موافقت پائی گئی ہے۔

قصہ مختصر، روئے خطاب تو خصوصاً اس گروہ کی طرف ہے جن کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا صاف انکار ہے۔ صرف اعراض ہی نہیں بلکہ اعتراض تک ان کے کلام سے ظاہر ہو چکا ہے اور ابلیس علیہ اللعنۃ سے مطابقت ثابت ہے۔ بلکہ اس کے حق میں تعریف اور نعت کو کلام و اشعار میں بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ایک کہتا ہے:

تیری نہ مانی اے حضرت شیطان عجیب　　جو قدم بوسی کرے صورت انسان عجیب
تو نے نہ مانا مگر تجھ کو خدا مان گیا!　　پھر تیرا ہی ذکر کرے ناطق قرآن عجیب
نسل آدم پہ ارے خوف تیرا طاری ہے　　پھر جاری ہر ایک جگہ تیرا ہی فرمان عجیب

۱؎ ہر ایک گروہ اپنی یافت پر خوش ہے۔ ۲؎ وہ اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

Marfat.com

جس نے دیکھا ہے تمہیں اس نے خدا دیکھ لیا   پر تیری کچھ ایسی انوکھی سی ہے پہچان عجیب

صُوفی بیچارے کو بھی تیری چاہ نے مارا!

ورنہ یہ بھی تھا کسی ملک کا سلطان عجیب

الامان - یہ گروہ اس نسبت سے پورا حصّہ لینے والا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ میدان قیامت میں ان کے راز کی قلعی کھل جائے گی۔ حقیقت کا انکشاف ان کے لیے روز روشن کا حکم رکھے گا۔ تب اپنے ظلم اور تعدی کی داد دیتے ہوئے کفِ حسرت مل کر کہیں گے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ	اور جس دن ظالم کاٹ کاٹ کھائے گا اوپر دونوں
يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝	ہاتھوں اپنے کے کہیگا اے کاش کہ پکڑتا میں ساتھ
يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝	رسول کے راستہ۔ اے وائے ہے مجھ کو کاش کہ نہ پکڑتا
لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِي	میں فلانے کو دوست۔ البتہ بیشک گمراہ کیا اس نے
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝	مجھ کو ذکر سے پیچھے اس کے کہ آیا میرے پاس، اور
(۲۵: ۲۷ تا ۲۹ - پ ۱۹ - ر ۱)	ہے شیطان آدمی کو ہلاکت میں ڈالنے والا۔

ھیہات، اس وقت اس تعلق و رفاقت، خُلّت و محبت اور نسبت و مناسبت کا علم ہو جائے گا لیکن بے سود۔ ہر ایک زمرہ اپنے پیشوا کے پیچھے مطابق حال و نسبت کچھ دوزخ کی طرف اور کچھ جنت کی طرف ہنکایا جائے گا۔ لیکن متبع حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بلکہ تمام انبیاء مرسلین بواسطۂ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سایہ میں عین مقصود اور حصول کو پانے والے مشکور و ممنون ہوں گے اور نسبتِ محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سرتاپا مستغرق و محظوظ ہو جائیں گے۔ الحمد للہ رب العٰلمین۔

Marfat.com

فریبِ نفس اور شیطانی دھوکے

خواص بشریہ

جاننا چاہیے کہ اس خالق کائنات نے انسان کی فطرت کو از حد متأثر بنایا ہے اور یہی اس کی ہر قسم کی ترقی کا باعث ہے۔ خواہ ناری طبقات سے ہو یا نوری، پاکی ہو یا پلیدی، نیکی ہو یا برائی، خیر ہو یا شر، نفع ہو یا نقصان، ہر ایک فعل سے متأثر، ہر ایک نسبت سے مناسبت اختیار کر جانے والا اور اَلْعَادَةُ طَبِیْعَةٌ ثَانِیَةٌ[1] کے مصداق ہر رنگ میں رنگ جانے والا ہوتا ہے۔ جہان میں اس کی بے شمار مثالیں موجود اور مشہود ہیں۔

مثلاً کوئی شخص پہلی دفعہ ایک رتی بھر افیون کھالے تو اس کو کافی نشہ ہو جاتا ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ بوجہ خون غلیظ ہونے کے زیادہ مقدار میں کھانے کے سوا چونکہ یبوست اور حدتِ خون میں ناکافی تحریک ہوتی ہے اس لیے مقدار بڑھتی جاتی ہے اور نوبت دو تولہ تک کھانے سے ایک رتی مقدار کے برابر نشہ ہوتا ہے۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ بجائے افیون کے سنکھیا کھا جاتے ہیں۔ بعض کی حالت اس درجہ تک ہو جاتی ہے کہ ایک زہریلا سانپ رکھا ہوتا ہے۔ افیون اور سنکھیا نہ ملنے کی صورت میں زبان پر سانپ ڈسا لیتے ہیں، تب ان کا وقت گزرتا ہے۔ دوسرے کے لیے ان سمیات کا استعمال موجب ہلاکت ہے اور اس کے واسطے صرف نشہ تو درکنار سوائے ان سمیات کے کھانے کے چلنا پھرنا بھی دشوار اور بالکل ترک میں بلاشبہ

---

[1] عادت دوسری طبیعت بن جاتی ہے۔

Marfat.com

موت کا شکار۔ ایک کے لیے زہر قاتل ہے اور دوسرے کے لیے تریاق۔ دراصل دونوں کے لیے زہر قاتل ہی تھا لیکن عادت ہو جانے کی وجہ سے اور ضمیر کے فنا اور زہر سے بقا حاصل کرنے سے وجود میں سم کا ایک وجود پیدا ہو گیا جو غذا کی مانند طاقت کا سبب بن گیا۔ اسی طرح ہر عمل اور ہر نسبت سے مناسبت اختیار کرکے مطابق فرمان مولیٰ کریم:

كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (پ ۲۷ - ۳) ہر آدمی بیچ اس چیز کے کہ کمایا ہے گرفتار ہے۔

کے قیدی اور مجبور ہو جاتا ہے۔

شیریں آب کی مچھلی تلخ آب میں مر جاتی ہے اور تلخ آب کی مچھلی آب شیریں میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ گرم ملک کے باشندے خطۂ سرد کو بلائے جان سمجھتے ہیں اور سرد ملک کے باشندے گرم ملک کو عذاب جان جانتے ہیں۔

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ○ (پ ۱ - ۴) ہر ایک گروہ ساتھ اس چیز کے کہ پاس ان کے ہے خوش ہے

کے موافق ہر ایک اپنے حال میں خوش ہے۔

اسی طرح ہر اثر سے تعلق اور ہر تعلق سے متاثر ہونا لازم ہے۔ پیدائش ہی سے جبکہ میدانِ علم بھی اس کے لیے تنگ تھا، تاثرات سے متاثر ہونا جاری ہی رہا اور ہر قسم کا اثر نیک ہو یا بد، اسلام ہو یا کفر، اس کی فطرت پر صفاتی نقش و نگار سے ایسی گلکاری کرتا ہے کہ نقش بر سنگ ہو جاتا ہے جس کا مٹانا اور اس جگہ دوسرا نقش جمانا دشوار بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ مثلاً ہندو بچہ رام رام کرتا ہوا پرسن ہو جاتا ہے لیکن اللہ اللہ کرنا اس کے لیے کفر ہے۔ اسی طرح مسلمان اسمائے الٰہیہ کے ذکر سے مطمئن ہوتا ہے لیکن رام رام کہنا اس کے لیے بلائے جان ہے۔ غرض ہر قسم کے اثرات سے جوارح کے راستے حوضِ دل کا (جو بے رنگ پانی کی طرح ہے) رنگین ہونا لازم ہے۔ اور تاثرات گو خارجی ہوتے ہیں لیکن جب عادت کرتے کرتے طبیعت ثانیہ کی

Marfat.com

حدتک پہنچ جائیں تو ذاتی کا حکم رکھتے ہیں۔ تب وہ شخص اپنے ضمیر کا بندہ اور اپنی خواہشات کا شیدا ہو جاتا ہے۔ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کا حکم اس کے لیے درست ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کو صرف برائی ہی کی طرف حصر کرنا سراسر غلط ہے کیونکہ یہ اصطلاحات دینیہ میں

شیطانی فریب

سے نامزد ہے اور یہ بالکل درست و بجا ہے۔ کیونکہ دنیا و مافیہا کی طرف ہر نفس (جس کو اَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ فرمایا ہے) کا رجوع بلا دعوت ہے۔ اس میں شیطانی تصرف رغبت کے سوا نہیں ہے۔ اور یہ سود کا قاعدہ اور نفع کا نتیجہ ہے، حرص کا میدان اور رذیل حظ کا سامان ہے۔ البتہ نیکی کی طرف شیطانی تصرف بڑی محنت سے ہے یعنی نیکی میں دھوکا دینا ہے۔ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا میں ان کے اعمال کو مطابق زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ مزین کرنا ہوتا ہے۔ جہان میں اس کی مثالیں موجود ہیں اور تصرف معروف۔

عوام و خواص کے نزدیک دنیا و مافیہا کو ترک کرنا اور روحانیت کے میدان میں قدم رکھنا اعلیٰ مقصود ہے لیکن اس کا علم اور عمل نہایت مشکل ہے اور تمیز نہایت دشوار۔

ایک گروہ کے نزدیک علم امر و نواہی اور قوانین اسلام (جو محض نظام کی درستی اور ضروریاتِ نفس کے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کو جاننا ہے) اور اس پر کاربند ہونا اصل مقصود ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ بیحد ضروری ہے۔ نفس کی تأدیب اور اصلاح کے لیے سامان اور رجوع الی اللہ کی سبیل اور مہذب بننے کا شیوہ ہے، آخرت کے لیے سرمایہ، گناہوں کی مغفرت کا

---

۱ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا لیا۔ ۲ برائی کا حکم کرنے والا۔

۳ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں۔ ۴ مزین کرتا ہے واسطے ان کے برے اعمال ان کے۔

Marfat.com

سبب، کامیابی کا راستہ، مولیٰ کریم کی خوشنودی کا ذریعہ، یومِ حشر میں آرام حاصل کا طریقہ اور حصولِ نعمات کے لیے نیک مجاہدہ ہے۔ لیکن ہدایت یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کے مشاہدہ و لقا اور قربِ خداوندی کے مقام کی علت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ محض فضلِ ایزدی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	بیشک جو لوگ کہ ایمان لائے اور نیک عمل کیے
یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ ۚ	ہدایت دے گا ان کو اللہ تعالیٰ بسبب ایمان
(۱۰:۹ - پ۱۱ - س۱۰)	ان کے کے۔

ہیہات، آج کل تو معاملہ اُلٹ ہو رہا ہے۔ عمل صالح تو درکنار، علم کے حصول میں نیت ہی درست نہیں ہوتی۔ عالم اور مناظر و مباحث بننے، فخر اور تکبّر کی دستار باندھنے، حصول دنیا کا ذریعہ بنانے کے لیے عمر ضائع کر بیٹھتے ہیں، اور فقط اسی یافت و یاب کو معراج کمال سمجھ لیتے ہیں۔ تعجب تو یہ ہے کہ صرف اسی پہ ہی بس نہیں ہے۔ اولیاء اللہ اور انبیائے کرام کے علم کو بھی اسی پر حصر کرتے ہیں بلکہ اپنے آپ کو ان سے اکمل و افضل جانتے ہیں اور اپنے زعمی مراتب کی وجہ سے جہالت کے دریا میں ایسے مستغرق ہوئے ہیں کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ[1] سے سر نکالنا ناممکن ہو گیا ہے۔ اَلْاَمَان!

یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ	گمان کرتے ہیں یہ کہ وہ اوپر کسی چیز کے ہیں، خبردار
هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ	ہو تحقیق وہی ہیں جھوٹے۔ غالب آیا ہے اوپر ان کے
الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ	شیطان، پس بھلا دی ان کو یاد خدا کی۔ یہ لوگ گروہ
حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ	شیطان کے ہیں۔ خبردار ہو، بیشک گروہ شیطان کے
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (۵۸:۱۸-۱۹ - پ۲۸ - س۳)	وہی ہیں زیاں پانے والے۔

---

[1] میں اس سے بہتر ہوں۔

Marfat.com

دوسرے گروہ نے اس رازِ مخفی کو جونیت کے پردہ میں اوجھل ہو رہا تھا، وہ مقصد جس کے لیے کسی بہانہ یا اوٹ کی ضرورت تھی، اس کو بالکل فاش کر دیا ہے۔ قرآن شریف کی آیاتِ مبارکہ کو اپنی حرص و ہوا کے ڈھانچے میں ایسا ڈھالا ہے کہ معانی اصل کے بالکل خلاف ہو گئے ہیں۔ مناسبت رکھنے والے طبقۂ جہلاء نے ان کے ساتھ موافقت کی ہے۔ امارت کے شیدا اَلدُّنْیَا مَلْعُوْنٌ وَّمَا فِیْھَا مَلْعُوْنٌ کے طالب،

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا	جو لوگ تم سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے
الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ	رہے، ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو ملک
كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	کا حاکم بنا دے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى	بنایا تھا، اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ	لیے پسند کیا ہے مستحکم و پائدار کرے گا، اور خوف
اَمْنًا ؕ (۲۴: ۵۵۔ پ۱۸۔ ۱۳)	کے بعد ان کو امن دے گا۔

کے مستحق اور عامل بننے کے لیے لباس سپاہیانہ کو کافی سمجھ لیا ہے۔ اور جن ہستیوں اور اعمال صالح کرنے والوں کی نسبت یہ وعدہ اللہ ہوا ہے عملی حیثیت سے ان کے نقش قدم پر چلنے کی بجائے سرے ہی سے اعراض کیا ہوا ہے۔ نہ خلافت کے معانی سے واقف ہوئے ہیں اور نہ ہی وعدہ کے مستحق ہونے کی طرف رجوع کیا ہے۔ اصل کے خلاف فرع کے فریفتوں نے آخرت سے دنیا کو مقدم رکھا ہے۔ شاید انہوں نے کلام پاک میں

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ	پس اب جس نے سرکشی کی اور اختیار کیا زندگانی دنیا
فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ (پ۳۰۔ ع۲)	کو پس بیشک دوزخ ہے ٹھکانا اس کا۔

کو نہیں پڑھا ہے۔ استغفر اللہ من شرور انفسہم۔

Marfat.com

تیسرا گروہ، بلا درد محبت کہلانے والے ہیں۔ نہ شریعت سے کچھ واسطہ، نہ طریقت سے سروکار، حقیقت کا تو ذکر ہی کیا۔ تمام جہان کے مذاہب سے نرالے، اپنے ضمیر کے متوالے، معانی سے بے خبر، مطلق جہالت کے گرفتار، امر و نواہی سے بیزار۔

چوتھا گروہ، جو اسی گروہ کی مانند ہے لیکن ایک فرق ضرور ہے کہ وہ اپنے کردار میں کاذب نہیں۔ دنیا سے بے تعلقی ہے اور طالب مولیٰ ہیں۔ مجاہد بھی ہیں، زاہد بھی ہیں، تارک بھی ہیں اور حال بھی رکھتے ہیں۔ ایسی ہستیوں کے لیے کچھ توقف ہے۔

حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ "قیامت کو ہر ایک گروہ کو اس کے نام سے پکاریں گے یعنی اس کی صفت سے ندا کریں گے۔ کہ اے اُمتِ موسیٰ، اے اُمتِ عیسیٰ، اے اُمتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم، اے محبانِ خدا"۔

یہ جو کچھ ارشاد مبارک ہے بالکل بجا و درست ہے لیکن یاد رہے کہ یہ ان صاحبان کے لیے ہے جنہوں نے شریعتِ غرا کو ہاتھ سے نہیں دیا ہے اور مقصود کو حاصل کیا ہے۔ بمصداق ؎

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوس نا کے چہ داند جام و سنداں باختن

میرا مذہب اس کتاب میں محض "انسان فی القرآن" ہے اس لیے اس کی تفصیل کی میرا مسلک مجھے اجازت نہیں دیتا سوائے اس کے کہ بندگانِ خدا نے ریاکاری سے نفور اور اخلاص کے میدان میں قدم جمانے کے لیے ملامت کو اختیار کیا ہے لیکن ملامت کا وہی معیار صحیح ہو سکتا ہے جو شریعتِ غرا کے خلاف نہ ہو۔ یہ لوگ اخلاص کے پودے، محبت کے پھول اور اعلیٰ مقصود کو پانے والے ہیں۔ دنیا و مافیہا سے اعراض کیے ہوئے، لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ[1] ہوتے ہیں۔

---

[1] کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہیں کھاتے۔

Marfat.com

لیکن آج کل تو صرف شریعت کی پابندی اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل ہی اعلیٰ درجہ کی علامت ہے۔ مخلصوں کے لیے یہ وقت نایاب اور قیمتی ہے۔ کیوں کہ آج کل معاملہ الٹ ہو رہا ہے۔ عوام شریعت کے خلاف چلنے والوں کو ولی سمجھتے ہیں، اور پابندِ شریعت کو حقیر خیال کرتے ہیں۔ اور فرمان ایزدی ہے:

مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ	اور جو کوئی چاہے سوائے اسلام کے دین پس ہرگز
يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ	نہ قبول کیا جائے گا اس سے اور وہ بیچ آخرت کے
الْخٰسِرِيْنَ ۝ (۳: ۸۵۔ پ۳۔ ع۱۶)	خسارہ پانے والوں میں سے ہے۔

میرے حضرت قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ "یکے فقر رحمانی و یکے شیطانی"۔ سبحان اللہ! کیا ہی لطیف اور پر حقیقت ارشاد مبارک ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ پر ایک نور عظیم منجلی ہوا اور اس میں سے ندا آئی کہ "اے عبدالقادر! ہم نے تجھے نماز و مجاہدہ وغیرہ معاف کیا۔ اب تیرے لیے کسی محنت و ریاضت کی ضرورت نہیں رہی۔ تو ہمارا مقبول ہو گیا ہے"۔ جناب کو معاً خیال آیا کہ کیا میرا معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ گیا ہے؟ تو استغفار پڑھی۔ وہ تجلی اور روشنی دھوئیں کی شکل میں تبدیل ہو گئی اور آواز آئی کہ "تو بڑا مرد ہے کہ بچ گیا۔ ورنہ میں نے اس مقام پر لاتعداد انسانوں کو گمراہ کیا ہے"۔ آپ نے لاحول پڑھی اور ایک پتھر اٹھا کر اس دھوئیں کی طرف پھینکا۔ ایک چیخ کے ساتھ یہ آواز آئی کہ "یہ میرا آخری داؤ تھا۔ مگر اس میں بھی ناکام رہا"۔ اور دھواں گم ہو گیا۔

اگر حضرت اس وقت شان جلال و جمال میں تمیز نہ فرماتے اور اس کا کہا مان لیتے تو ملحد ہو جاتے۔ لیکن بڑے ہوشیار تھے، بچ گئے۔ شرع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ علم راہ نما ہو گیا۔

Marfat.com

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مُرید کا واقعہ ہے کہ حسب مدارج جب حال کھلنے پر آئے تو شیطانی تصرّف غالب ہوا۔ کئی نوع پر خوابیں آنے لگیں۔ تو تکبّر اور رعونت کی راہ سے عوام کے سامنے بیان کرنی شروع کر دیں کہ:

"مجھے رات کو فرشتے لے جاتے ہیں۔ جنت کی سیر کراتے ہیں، حور و غلمان میری خدمت کرتے ہیں۔ ——— میں نے اپنے عالی مقام کو کئی دفعہ دیکھا ہے ——— آج مجھے تخت پر بٹھا کر عرش معلی تک کی سیر کرائی"۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب حضرت جنیدؒ نے سنا تو اس کے پاس تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا "اے عزیز! تو کیا دیکھتا ہے"؟ اس نے حسب دستور بیان کیا۔ آپ نے فرمایا "اب کے جب ملائکہ تمہیں لیجائیں تو لاحول پڑھنا"۔ اس نے کچھ اعراض کیا کہ میرے حال کو آپ نے شیطانی خیال کیا ہے۔ آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا "مَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغ[1]"۔ جب رات کو وہی معاملہ پیش آیا تو پہلے سے بڑھ چڑھ کر حالات منکشف ہوئے۔ ایک نہایت خوشنما تخت ملائکہ اُٹھائے ہوئے آئے جس کے گرد حوریں نغمہ سرا تھیں۔ اور اس پہ اسے بٹھا کر لے گئے۔ تب اُسے وہی خیال جو دل کو انکار و اعراض کی صورت میں پیدا ہوا تھا، ظاہر ہوا۔ لیکن معًا یہ خیال بھی آگیا کہ لَا حَوْلَ پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ اور آپ کا فرمان بھی ہے۔ تو پڑھا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ[2]۔ پڑھتے ہی وہ سب سامان جاتا رہا اور اپنے آپ کو مزبلے میں گرا پڑا دیکھا۔ تب حضرت کی خدمت میں زار و نزار روتا ہوا حاضر ہوا اور توبہ کی۔

حالات و کیفیات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے وضاحت کے لیے یہ دو واقعات تحریر کیے گئے

---

[1] نہیں ہے ہم پر مگر پہنچا دینا۔

[2] نیکی کرنے کی طاقت ہے اور نہ برائی سے بچنے کی قوت مگر اللہ بلند و برتر کی مدد سے۔

Marfat.com

ہیں۔ ورنہ قرآن مجید کے ہوتے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ مولیٰ کریم ذوالجلال والاکرام نے

صِراطُ المُستقیم

کو واضح کرنے کے لیے مشعل ہدایت کو روشنی بخشنے کے لیے اور نفسانی شر اور شیطانی تصرف سے بچنے کے لیے کیا ہی بیّن دلیل سے مطلع فرمایا ہے۔

بھائی! صراط المستقیم کے دو رُخ ہیں۔ ایک بندے کو اس ہادی و نصیر کی طرف، اور دوسرا مولیٰ کریم کا اپنے بندے کی طرف۔ سو بندے کو خداوند کریم کی طرف سوائے مجاہدہ کے جو اسی کی توفیق سے ہے چارہ نہیں ہے۔ اور اس رب العالمین کا راستہ بندے کی طرف اس کی رضا اور خوشنودی کے باعث ہدایت اور رحمت ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۝ (۶: ۱۲۶-۱۲۷۔ پ۔ ۸)

تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اسی طرح خدا ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔

پس ہر ایک انسان کو اس ترازو سے اپنی حالت کو جانچ لینا اور معلوم کر لینا چاہیے کہ اگر اسلام کے لیے میرا سینہ کشادہ ہے اور اعمال صالح میرے لیے آسان ہو رہے ہیں، اور ذوق و شوق میرے لیے روحانی غذا بن رہا ہے تو ضرور میرے واسطے خداوند کریم کا ارادہ خیر ہے اور ہدایت

Marfat.com

کی امید ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ[1]۔ اور اگر نعوذ باللہ من ذٰلک[2] طبیعت کا رُخ
دوسری طرف دیکھے تو استغفار مانگے اور توبہ کرے۔ کیونکہ یہ ایسی گمراہی ہے جس کے لیے راستہ
ہی نہیں، اور ایسا اندھیرا ہے جس کے واسطے کوئی چراغ ہی نہیں، ایسی غرقابی ہے جس کے لیے
سہارا ہی نہیں، اور ایسا طوفان ہے جس کے لیے کوئی کنارا ہی نہیں۔ مطابق ارشاد مَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی ہادی نہیں۔

خداوند کریم ذوالجلال والاکرام نے انسان کو اشرف المخلوقات اور اپنی محبت کا امین بنایا ہے
اور اس کی پیدائش اپنی سرشت یعنی صفت پر۔ انسان کے ضمیر میں جو عادت کیا جانے کی صفت
ہے یہی تنزل و عروج کا سرمایہ اور سبیل الرشد کا سامان ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کا حامل ہونا
ممکن نہ تھا۔ ہر فرد و بشر حصول اور ریاب ہی سے آزمایا جاتا ہے۔ جیسے اندھے کے لیے جو بینائی
ہی نہیں رکھتا، حلال و حرام نظر سے اس کو کیا حصہ؛ نامرد کے لیے عورت بلا نہیں ہو سکتی۔ علیٰ
ھذا القیاس انسان میں دونوں جہان سے نشان ہیں۔ کفر و ایمان، انکار و اسلام، خُلق نیک و
بد، ظلم و رحم، وفا و جفا، محبت و عداوت و ظلم۔ ان سب کا حامل ہے۔ یہی اس کی آزمائش
کے اسباب ہیں اور من اللہ ان سے بخوبی واقف ہے۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (۹۱: ۸) پھر اس کو سمجھ دی برائی اور بھلائی کی۔

تاکہ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا[3] کے علم سے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى[4]

---

[1] یہ اللہ کا فضل ہے، دیتا ہے اس کو جس کو چاہتا ہے۔

[2] پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس سے۔

[3] اگر تم نیکی کرو گے تو اپنی جان کے لیے نیکی کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو وہ بھی اپنے لیے۔

[4] نہیں ہے واسطے انسان کے مگر جو کچھ کوشش کرے۔

Marfat.com

کے میدان میں قدم بڑھائے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا[1] کی حقیقت اس پر ظاہر ہو جائے۔

اے بھائی! جب حضرت آدم علیہ السلام کو اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[2] کے ارادہ سے شرف و بزرگی کی خلعت پہنائی گئی تو ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوا۔ ابلیس نے عداوت اور تکبر کی راہ سے انکار کر دیا۔ حکم خداوندی سے سرکشی کی لعنت کا طوق اس کے گلے میں اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ[3] پہنا دیا گیا۔ عجز و انکساری اور قصور کا اعتراف تو درکنار، نامطابقت کی وجہ پر مردانہ وار کمر ہمت کو مضبوط کیا اور میعاد اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ[4] کا سوال کیا۔ اس عزیز الجبار نے قادریت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے غضب و غیرت کی رو سے مہلت دے دی۔ قرآن کریم میں یہ کئی وجہ پر ذکر ہے جس کا بیان اس جگہ موزوں نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ یہ ابتدا ہی سے دو گروہ بن گئے۔ ایک نوری، اور ایک ناری، ایک صلحاء اور دوسرے اشقیاء، ایک فرماں بردار اور دوسرے نافرمان، ایک تابعدار اور دوسرا سرکش، ایک صاحب رحمت دوسرا صاحب لعنت۔ ایک مقرب دوسرا محجوب، ایک مقبول دوسرا مردود، ایک نسبت نعمت سے مسرور، دوسرا نسبت غضبی سے مقہور دونوں میں سرکاری ظہور۔ ایک نیکی میں مستغرق، دوسرا بدی میں سراپا غرق۔ ایک پر من اللہ نزول رحمت و صلوٰۃ، دوسرے پر نزول شیاطین۔ جیسا کہ مومنوں کے لیے فرمان مولیٰ کریم صادر ہو رہا ہے:

هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ　　وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے اوپر تمہارے اور فرشتے

---

[1] بیشک خلاصی پا گیا جس نے پاک کیا اس کو اور نامراد ہوا جس نے معصیت میں چھپایا اس کو۔

[2] میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں۔　　[3] دن قیامت تک۔

[4] اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے۔

Marfat.com

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط — اس کے تاکہ نکالے تم کو اندھیروں سے طرف نور کے

(۳۳: ۴۳ - پ ۲۲ - س۱)

اور جو نسبت غضبی سے مقہور ہے، دوسری جگہ اس کے حق میں ارشاد مولیٰ کریم دیکھیے:

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ — کیا تم کو میں بتاؤں کہ شیاطین کس پر اُترتے

تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ○ — ہیں؟ وہ نازل ہوتے ہیں ہر جھوٹ باندھنے والے گنہ گار پر

(۲۶: ۲۲۱-۲۲۲- پ ۱۹ - س۱۵)

اَفَّاك کے معنی لغت میں پھرے ہوئے کے ہیں یعنی حق سے، یا فرماں برداری سے خواہ عملی صورت میں یا انکار کی رُو سے۔ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا۔ تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ آپ ہی اپنے پر ظلم کر لیتے ہیں۔

"پھر پھر کے قدم رکھتے ہیں دائرے کے اندر"، ایک کا مرجع خدا و رسول، دوسرے کا مرجع شیطان و قبیلہ۔ ایک کی ولایت یعنی دوستی اطاعت، مطابقت، مناسبت اور محبت کے راستہ بتوسل رحمۃ للعالمین، سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولیٰ کریم کے ساتھ اور مولیٰ کریم کی ان پاکباز بندوں کے ساتھ، اور دوسرے کی انکار اور سرکشی کے راستہ بتوسل طاغوت ابلیس مردود کے ساتھ متصرف۔ ہر دو فریق کے تصرف جاری ہیں اور جاری و ساری رہیں گے۔ بلکہ تصرف کے لحاظ سے دوسرا گروہ زیادہ اثر رکھتا ہے۔ اور وہ اس لیے کہ نفس کا رجوع (اَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ) اکثر برائی کی طرف ہے جو سراسر گمراہی ہے۔ اور شریعت غرا کے سب احکام نفس کے خلاف ہیں تاکہ آزمائش ہو سکے۔

گو تصرفِ حق کے سامنے تصرفِ نفس و شیطان کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

Marfat.com

لیکن یہ جب معلوم ہو کہ نفس تزکی حاصل کرے، عالم قدس کا پرتو اس کو منور کرے، چشم دل نور معرفت سے روشن ہو، شیطان اس کی حس سے بھاگے۔ اور اس کی مثال روشنی اور اندھیرے کی سی ہے۔ نجاست و طہارت کا سا حال ہے۔ بلندی و پستی کا سا معاملہ ہے، ہدایت و ضلالت کا رنگ ہے۔ روشنی، طہارت، بلندی، ہدایت، ان سب میں انسان مکلف ہے اور ذوالجلال والاکرام کے فضل کا محتاج ہے۔ لیکن اندھیرا، نجاست، پستی اور ضلالت کے لیے مکلف ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سب خود بخود موجود ہے۔ صرف پہلی صفات حسنہ سے تغافل ہی کافی ہے۔ مطابق فرمان ایزدی اُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا[1] ان کو بھی متمتع کرتے رہیں گے، اور:

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ	ہم اسے ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ خود پھرا۔
وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝	اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت
(۴ : ۱۱۵ - پ ۵ - ع ۱۴)	بری جگہ ہے پھر جانے کی۔

کی پر زور تدبیر کی سنت سے فائدہ حاصل کرتے رہیں گے۔ مگر افسوس! اس دن یعنی قیامت کے روز یہ قلعی کھل جائے گی۔ تب حسرت اور یاس کی بصیرت سے اپنے اعمال کا ملاحظہ کرتے ہوئے افسوس سے اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ	اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا ظالم اپنے دونوں
يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ	ہاتھوں اپنے کے کہے گا اے کاش کہ پکڑتا میں
الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ	ساتھ رسول کے راہ۔ ہائے افسوس ہے مجھ کو
لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝	کاش کہ نہ پکڑتا میں فلانے کو دوست
(۲۵ : ۲۷ - ۲۸ - پ ۱۹ - ع ۱)	

---

[1] فائدہ دیتا ہوں میں اس کو تھوڑا سا۔

Marfat.com

اسی حجت کے ختم کرنے کے لیے مشعل ہدایت کو روشن کرنے کے لیے، صراط المستقیم کو واضح اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے واسطے خاتم النبیین

سیّد المرسلینؐ

رحمۃ للعالمین، فخر الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور فرمایا۔ لیکن کفار اور اہل کتاب کی آنکھیں جو مدت سے آخر الزمان پیغمبر کی بعثت کی منتظر تھیں جب ایک دُرِ یتیم اور ایک اُمی پر پڑیں تو تاجِ رسالت جو آفتاب سے زیادہ روشن، کل انبیاء و مرسلین کی عزت اور تصدیق کے ساتھ رحمۃ للعالمین کے سر پر فخر و ناز لیے کھڑا تھا' اس سے شناسا نہ ہو سکیں۔ مطابق فرمان ایزدی:

اَمۡ لَمۡ یَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ○ (۲۳: ۶۹۔ پ ۱۸۔ ع ۴)

کیا انھوں نے پہچانا نہیں اپنے رسول کو کہ وہ اس کے منکر اور ناشناسا ہو رہے ہیں ؟

تعجب کی رُو سے اور دُوسرے بظاہر وجہ پر، کیا نہیں پہچانا انھوں نے اپنے رسول کو امانت، سچائی، تحمل، وفا، کرم، مروت، خوش خوئی اور کمال علم کے ساتھ، باوصف اس کے کہ انھوں نے علم حاصل نہیں کیا۔ تو وہ کا فراس رسول کے منکر اور نہ پہچاننے والے ہوں ؟ یعنی ایسا نہیں ہے کہ رسول کو پہچانتے ہی نہ ہوں: تاکہ انکار کریں اور کہیں کہ یہ بیگانہ ہے، ہم اس کا حال نہیں جانتے۔ یہ اعتبار کی رُو سے لیکن جب ان کی نظریں صرف ظاہر یعنی

آپؐ کی بشریت

پر رہ گئیں تو ان کو انکار ہی آسان معلوم ہوا اور سیاہیِ قلب سے لکھی ہوئی کتاب کو اپنے سامعین

Marfat.com

کے روبرو اسی طرح پیش کیا جس طرح پہلوں نے کہا تھا کہ:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ (۲۳:۳۳-۳۴۔ پ۱۸۔ ع۳)	کہ یہ تو تمہیں جیسا آدمی ہے جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے، اور جو پانی وغیرہ تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کی تو اس وقت تم گھاٹے میں پڑ گئے۔

اور جب پیغمبروں نے انہی سرداروں اور قوم کے آسودہ حال لوگوں کو دعوت دی، اور اس حیات ابدی اور بے نہایت نعمت کی طرف بلایا جس کو وہ نہ چاہتے تھے اور نہ ہی اعتقاد رکھتے تھے تو مرسلوں کو یہی جواب دیا:

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ (۱۱:۲۷۔ پ۱۲۔ ع۳)	تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تمہیں اپنے جیسا آدمی دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوتے ہیں جو رذیل ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے نہ غور و تعمق سے، اور ہم تم میں اپنے اوپر کچھ فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

گو انکار کفار کئی وجہ پر تھا، مگر یہاں تو صرف ظاہری اسباب پر ہی نظر تھی اور بطن میں یقین لانا محال، اس لیے خدا کی برگزیدہ ہستیوں سے یہی جواب ملا:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا	کہا کہ اے قوم! اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ

Marfat.com

وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ (۱۱: ۲۸ - پ۱۲ - س۱۱)

رکھی گئی ہو تو کیا ہم اس کو تمہارے گلے باندھ سکتے ہیں حالانکہ تم اس سے بیزار ہو۔

لیکن جب خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ[1] کا وقت آیا اور شجر رسالت جڑ سے لے کر آہستہ آہستہ پتے، ٹہنیاں اور پھول نکالتا ہوا بار آور ہوا تو پہلے دین منسوخ ہو گئے اور باطل کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا گیا، آتش کدے سرد ہو گئے، قصر کسریٰ کے کنگرے گر گئے۔ بت پرستوں کے دلوں سے بتوں کی وقعت جاتی رہی۔ زمین و آسمان میں انوار بے نہایت غمام کی صورت میں ہویدا ہوئے، دین ہمیشہ کے لیے کامل کر دیا گیا۔ تب مولیٰ کریم نے حجت ختم کرنے کے لیے کافروں کے جواب میں اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس طرح ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ (۱۸: ۱۱۰ - پ۱۶ - س۳)

(کہ میرے حبیبؐ! ان سے) کہدو کہ اور کچھ نہیں (یعنی تمہاری ہی عقل و سمجھ کے مطابق) میں ایک تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ معبود (تمہارا معبود) ایک ہی ہے۔

تاکہ اسی کی عبادت کی جائے۔ تو اس میں کفار کے لیے دو مفاد ظاہر ہوئے۔ ایک تو اگر یہ ایمان لے آئیں گے تو خود بخود جان پہچان لیں گے کہ ہمارے نبی بظاہر بشریت کی رو سے تو مثل ہی ہیں لیکن حقیقت میں مثل نہیں ہیں۔ دوسرے نہ ماننے والوں کے لیے حجت قائم ہو جائے گی۔

باوجود اس امر کے بھی کفار کئی باتیں بناتے تھے مثلاً:

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ

اور کہتے کہ پیغمبر پر فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوا؟

جوان کے ساتھ رہتا۔ جواب میں فرماتے ہیں:

---

[1] بہترین زمانوں کا میرا زمانہ ہے۔

Marfat.com

وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝

(۸:۶-۹-پ-سر)

ہاں اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا، پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم (ان کے کہنے کے مطابق) کسی فرشتے کو بھیجتے تو ضرور تھا کہ اسے مرد کی صورت میں بھیجتے تو جس شبہہ میں پڑے ہوئے ہیں پھر اسی اشتباہ ہی میں پڑ جاتے

مگر اس تشبیہ کا سوائے اعتقاد کفار یا جواب کفار کے سارے قرآن مجید میں اول سے آخر تک کہیں (مِثْلُنَا یا مِثْلُکُمْ کا) ذکر تک نہیں۔ اب تعجب تو یہ ہے کہ نام نہاد مسلمان بلکہ علمائے دین متین توحید خالص کی تعمیر کو اوپر سے شروع کرنے لگے ہیں، اور اس کے لیے اینٹ اور مصالحہ کفار ہی کے بھٹہ سے لے رہے ہیں۔ تاکہ عوام کو شرک زعمی سے بچانے کے لیے اس لباس میں ملبوس کردیں جس میں آفتاب نبوت کی شعاعیں نہ پہنچیں۔ ہیہات۔ ورنہ مومنوں کے لیے کلام پاک میں جو ارشاد ہے وہ اس کے سخت برخلاف ہے۔ دیکھو، بخطاب مومن کیا فرما رہے ہیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

(۴۹:۲-پ۲۶-سر)

اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو اور جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے حضور نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو) کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو

مولیٰ کریم اپنے کلام پاک میں فرماتے ہیں:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝ (س الشمس)

ہم نے انسان کو گناہ اور صواب کی سمجھ عطا فرمائی ہے

تاکہ گناہ سے متقی ہو اور اعمال صالح میں ساعی اور گناہ کے استغفار کرنے والا، تائب ہونے والا

Marfat.com

اور توفیق من اللہ کا شکر کرنے والا ہو۔ سب گناہوں سے وہ معصیت زیادہ سخت اور خطرناک ہے جس کا انسان کو علم ہی نہ ہو۔ ہر ایک چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور گناہ وصواب حال کے تغیر کا سبب اور دل کی زندگی اور موت کے موجب ہیں۔ تو جب تک دل نورِ ایمانی سے روشن اور زندہ ہے معصیت کی پہچان اور اطلاع ضرور ہوتی ہے۔ اور وہ گناہ جو نورِ ایمانی اور حیاتِ ابدی کے لیے زہر ہلاہل ہو، اور وہ تیز ہوا جو اس چراغ کو فوراً گل کر دے اور کفر تاریکی ایسا ڈھانپ لے کہ وہ ضیا جس سے علم معصیت کا امکان تھا معدوم ہو جائے تو پھر شعور نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ جیسے کہ مولیٰ کریم فرماتے ہیں کہ گناہ نیکیوں کو کھا جاتے ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا[1]۔ اسی لیے نہایت کرم لطف سے مومنوں کو متنبہ فرما رہے ہیں کہ اے ایمان والو! جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو سمجھتے اور بولتے بلاتے ہو، اپنی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ سمجھنا اور نہ ہی ایک دوسرے کی مثل بلند آواز نکالنا۔ ورنہ ایسے گمراہ ہو جاؤ گے کہ تم کو شعور بھی نہ ہوگا اور تمہاری عقلیں ماری جائیں گی۔

آہ! آج کل تو بجائے نور و ہدایت علم کے سیاہی علم نے عقلوں کو ڈھانپ ہی لیا ہے۔ ورنہ کچھ بھی سمجھ ہو تو کلام الٰہی ایسی فاصل ہے کہ کوئی دقیقہ باقی ہی نہیں رہتا۔ بشراً رسول اور عبدہٗ و رسولہٗ میں تو کسی کو بھی کلام نہیں، بلکہ یہ لازمی اور ضروری ہے تاکہ ہماری تعلیم میں جنسیت اور مطابقت کے لحاظ سے آسانی ہو سکے اور تاکہ نسبت فیض کا ورود بآسانی پہنچ سکے۔ ورنہ اگر عدل وانصاف سے کچھ بھی موازنہ ہو تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشریت کی ماہیت و حقیقت تو درکنار، ظاہراً بھی کوئی چیز ہماری مثل نہ تھی اور علمائے متقدمین و متاخرین میں سے اکثر اہلِ حق و تحقیق نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ بطورِ

---

[1] نفس کی برائیوں سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

Marfat.com

اِستشہاد

چند ایک حوالہ جات درج ذیل ہیں :

(۱) تفسیر کبیر جلد ثانی ، مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴۰ ، سطر ۲۲ - زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ الآیۃ :

واعلم ان تمام الکلام فی ھذا الباب ان النفس القدسیۃ النبویۃ مخالفۃ بماھیتھا سائر النفوس الخ بلفظہ - یعنی نفس قدسیہ نبویہ کی ماہیت باقی تمام نفوس کی ماہیت سے مخالف ہے۔

(۲) تفسیر کبیر، جلد پنجم، صفحہ ۴۹۶ ، سطر ۱۳ ، مصری ، سورۂ کہف :

وَعَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا - فنقول جواھر النفس الناطقۃ مختلفۃ بالماھیۃ بلفظہ - یعنی جواہر نفوس مختلف الماہیت ہیں - پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مطہرہ کی ماہیت سے وہ جداگانہ ہے - اس لیے نفس بشریت میں مساوات یا مماثلت کسی انسان سے نہیں۔

(۳) تفسیر کبیر، جلد دوم، صفحہ ۴۳۹ - ۴۴۰ ، سطر ۳۵ ، مصری :

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ، وذکر الحلیمی فی کتاب المنھاج ان الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام لا بد وان یکونوا مخالفین لغیرھم فی القوی الجسمانیۃ والقوی الروحانیۃ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم زویت لی الارض فرء یت مشارقھا و مغاربھا وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اقیموا صفوفکم و تواصلوا فانی اراکم من وراء ظھری بلفظہ - یعنی جانو کہ رسالت کہاں رکھی جاتی ہے - اور حلیمی نے کتاب منہاج میں ذکر کیا ہے کہ تحقیق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرے لوگوں سے قوئ جسمانی اور قوئ روحانی میں سے جدا ہیں - اور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے لیے زمین کو سمیٹا گیا - پس میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا - اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وآلہ وسلم نے کہ قائم اور سیدھی کرو نماز میں اپنی صفوں کو اور مل کر کھڑے ہو۔ پس تحقیق میں دیکھتا ہوں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی۔

(۴۱) تفسیر فتح العزیز، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، پارہ عم، صفحہ ۲۱۸، سطر ۱۰۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

از خصوصیاتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را در بدن مبارکش دادہ بود:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از پس پشت می دیدند چنانچہ از پیش روئے خود می دیدند۔

(۲) و در شب و تاریکی چناں می دیدند کہ بروز در روشنی۔

(۳) و آب دہن ایشاں آبہائے شور را شیریں می کرد۔

(۴) و با طفال شیر خوارہ یک قطرہ از آب دہن بچکانیدند آں اطفال تمام روز شکم سیر می ماندند طلب شیر نمی کردند چنانچہ در روز عاشورہ با طفال اہل بیت تجربہ شدہ

(۵) و بغل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفید رنگ براق بود و اصلاً موئے نداشت۔

(۶) و آواز ایشاں جائے می رسد کہ آواز دیگراں بعشر عشیر آں نمی رسد و از دوری شنیدند کہ دیگراں باں مسافت نمی تواند شنید۔

(۷) و در خواب چشم ایشاں خواب آلود می شد و دل خبردار می ماند

(۸) و فاژہ دہن ہرگز ایشاں در تمام عمر اتفاق نہ افتاد۔

(۹) و احتلام ہرگز واقع نہ شد۔

(۱۰) عرق مبارک ایشاں خوشبو تر از مشک بود، بحدے کہ اگر در کوچہ می گذشتند، مردم بسبب بوئے خوش عرق ایشان کہ در ہوا سرایت کردہ می ماند پے می بردند کہ ازیں کوچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گذشتند۔

Marfat.com

(۱۱) ہیچ کس از فضلۂ ایشاں بر روئے زمین ندیدہ زمین می شگافت فرو می برد واز آں زمین بوئے مشک می شمیدند۔

(۱۲) ودر وقت تولد مختون پیدا شدند۔

(۱۳) وناف بریدہ و پاک وصاف، ہرگز لوث نجاست بر بدنِ ایشاں نبود۔

(۱۴) چوں بر زمین افتادند سجدہ کناں وانگشتِ خود را سوئے آسمان برداشتند۔

(۱۵) ودر وقت تولدِ ایشاں نور متشعشع شد کہ بسبب آں شہر ہائے شام مادرِ ایشاں را نمودار شد۔

(۱۶) وعہد ایشاں ملائکہ می جنبانیدند۔

(۱۷) ومہتاب با ایشاں در حالتِ گہوارہ تکلم می فرمود۔

(۱۸) ہمیشہ بروز وقت تمازت گرما ابر بر ایشاں سایہ می داشت۔

(۱۹) اگر زیر درختے می آمدند سایہ درخت بسمتِ ایشاں متوجہ می شد۔

(۲۰) وسایۂ ایشاں بر زمین نمی افتاد۔

(۲۱) وپیش ایشاں را ایذا نمی داد۔

(۲۲) بر جامہائے ایشاں مگس نمی نشست۔

(۲۳) اگر بر جانورے سوار می شدند آں جانور تا مدت سواری ایشاں بول وبراز نمی کرد۔

(۲۴) در عالمِ ارواح اوّل کسیکہ پیدا شد ایشاں بودند۔

(۲۵) اوّل کسیکہ در جواب اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ بَلٰی گفت نیز ایشاں بودند۔

(۲۶) وسیر معراج مخصوص بایشان ست۔

(۲۷) وسواری براق نیز مخصوص بایشاں

(۲۸) وبالائے آسمان رفتن وبحد قاب قوسین رسیدن ودیدار الٰہی مشرف شدن۔

Marfat.com

(۲۹) و ملائکہ را فوج فوج حشم ایشاں ساختہ ہمراہ ایشاں مانند لشکریاں جنگ و قتال کردند نیز خاصہ ایشاں ست۔

(۳۰) و شق القمر و دیگر معجزات عجیبہ و غریبہ نیز مخصوص بایشاں است۔

(۳۱) و در روز قیامت آنچہ ایشاں را دہند ہیچ کس را ندہند۔

(۳۲) اول کسیکہ از قبر سر بر آرد ایشاں باشند۔

(۳۳) ایشاں بر براق حشر نمائند۔

(۳۴) و ہفتاد ہزار فرشتہ گرداگرد ایشاں جلودار باشند۔

(۳۵) و بجانب راست عرش بالائے کرسی ایشاں را جا دہند۔

(۳۶) و بمقام محمود مشرف سازند۔

(۳۷) و در دست ایشاں لواء الحمد دہند کہ حضرت آدم و تمام ذریت ایشاں زیر آں نشان باشند

(۳۸) و ہمہ انبیاء با منیان خود پس ایشاں شوند۔

(۳۹) و در دیدار خدا اول بایشاں شروع کنند۔

(۴۰) و بشفاعت عظمیٰ ایشاں را مخصوص سازند۔

(۴۱) و اول کسے کہ بر پلصراط بگذرد ایشاں باشند و تمام خلائق حشر را حکم شود کہ چشمہائے خود را فرو بندند تا دختر ایشاں فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بر پلصراط بگذرد۔

(۴۲) اول کسیکہ جنت را بکشاید ایشاں باشند۔

(۴۳) در روز قیامت ایشاں را بمرتبہ وسیلہ مشرف سازند و آں مرتبہ ایست نہایت بلند کہ کسے را در مخلوقات میسر نہ شد۔

(۴۴) و حقیقت آں آنست کہ ایشاں دراں روز از جناب خداوندی بمنزلہ وزیر از پادشاہ باشند و آنچہ در شرائع بآں مخصوص اند چیزہائے بسیار است کہ تعداد آں موجب تطویل ست۔ بلفظہ۔

Marfat.com

عوام کے فائدہ کے لیے اس فارسی عبارت کا ترجمہ بھی تحریر کر دیا جاتا ہے :

"وہ خصوصیتیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک کو دی گئیں :

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پشت مبارک سے بھی ویسا ہی دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے سے دیکھتے تھے۔

(۲) اور رات کو اور اندھیرے میں بھی ویسا ہی دیکھتے تھے جیسا کہ دن کو اور روشنی میں۔

(۳) آپ کے منہ مبارک کا لعاب کڑوے پانی کو میٹھا کر دیتا۔

(۴) اور شیر خوار بچوں کے منہ میں آپ اپنے دہن مبارک سے ایک قطرہ ٹپکاتے، وہ بچے سارا دن شکم سیر رہتے اور دودھ نہ مانگتے۔ جیسا کہ عاشورہ کے دن اہل بیت کے بچوں پر تجربہ ہوا۔

(۵) آپ کے بغل مبارک نہایت سفید صاف شفاف تھے ان میں بال مطلق نہیں تھے۔

(۶) آپ کی آواز مبارک اتنی دور پہنچتی کہ دوسرے لوگوں کی اس سے سودیں حصے تک بھی نہ پہنچتی اسی طرح آپ اتنی دوری سے سنتے کہ دوسرا کوئی نہ سن سکتا۔

(۷) آپ کے چشم مبارک سو جاتے لیکن دل بیدار رہتا۔

(۸) ساری عمر آپ کو بلغم (کھنگھار) نہیں آیا۔

(۹) آپ کو کبھی احتلام نہ ہوا۔

(۱۰) آپ کا پسینہ مبارک کستوری سے بھی زیادہ خوشبو ناک تھا۔ اس حد تک کہ اگر آپ کسی گلی میں سے گزر جاتے تو لوگ آپ کی اس خوشبو سے جو ہوا میں رچ بس جاتی آپ کے پیچھے پیچھے آ جاتے اور پہچان جاتے کہ یہاں یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے ہیں

(۱۱) کسی آدمی نے آپ کا فضلہ (براز) زمین پر نہیں دیکھا۔ کیونکہ زمین اسے نگل لیتی اور وہاں سے کستوری کی طرح خوشبو آتی۔

Marfat.com

(۱۲) ولادت کے وقت آپ مختون پیدا ہوئے۔

(۱۳) اور ناف بریدہ تھے، نہایت پاک صاف کسی قسم کی نجاست و آلائش آپ کے جسم اطہر پر نہ تھی۔

(۱۴) اور ولادت کے وقت جب آپ زمین پر تشریف لائے اسی وقت سجدہ ریز ہو گئے اور اپنی انگشت مبارک کو آسمان کی طرف اُٹھایا۔

(۱۵) نیز آپ کی ولادت کے وقت ایسا نور متجلّی ہُوا کہ آپ کی والدہ محترمہ نے اس کی روشنی میں شام کے شہر دیکھے۔

(۱۶) آپ کا جُھولا فرشتے جھلاتے تھے۔

(۱۷) اور چاند آپ سے جھُولے میں باتیں کرتا تھا۔

(۱۸) گرمی کے موسم میں ہمیشہ آپ پر بادل سایہ کیے رہتا۔

(۱۹) اگر آپ کسی درخت کے پاس تشریف لاتے تو درخت سایہ کے لیے آپ پر جُھک جاتا۔

(۲۰) آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

(۲۱) آپ کو جُوئیں نہیں پڑتی تھیں۔

(۲۲) آپ کے کپڑوں (اور جسم اطہر) پر مکھی نہیں بیٹھتی تھی۔

(۲۳) اگر آپ کسی جانور پر سواری فرماتے تو وہ جانور سواری کی مدت تک بول و براز نہ کرتا۔

(۲۴) عالم ارواح میں آپ ہی سب سے پہلے پیدا ہوئے۔

(۲۵) اور اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے جواب میں سب سے پہلے آپ ہی نے بَلٰی فرمایا۔

(۲۶) معراج کی سیر آپ ہی کے ساتھ مخصوص ہے

(۲۷) اور براق کی سواری بھی آپ ہی کے ساتھ مختص۔

(۲۸) اور آسمانوں پر جانا اور قَابَ قَوْسَیْن (دو کمانوں) تک پہنچنا اور دیدار الٰہی سے مشرف

Marfat.com

ہونا بھی آپ ہی کا حصہ ہے۔

(۲۹) اور آپ کے جاہ وحشم کی خاطر فرشتوں کا فوج کی طرح آپ کے ساتھ رہنا اور جنگوں میں شریک ہوکر کفار کے ساتھ لڑنا آپ ہی کا خاصہ ہے۔

(۳۰) شق القمر (چاند کا دو ٹکڑے کرنا) اور دوسرے کئی عجیب وغریب معجزے آپ ہی کو دیے گئے۔

(۳۱) قیامت کے دن جو کچھ آپ کو دیا جائے گا اور کسی کو نہیں دیا جائے گا۔

(۳۲) سب سے پہلے آپ ہی قبر سے باہر تشریف لائیں گے۔

(۳۳) میدانِ حشر میں آپ براق پر سوار ہوں گے۔

(۳۴) اور ستر ہزار فرشتے آپ کے گرداگرد جلوہ دار ہوں گے۔

(۳۵) اور عرشِ معلیٰ کی دائیں جانب کرسی پر آپ کو جگہ دی جائے گی۔

(۳۶) مقامِ محمود سے آپ ہی کو مشرف کیا جائے گا۔

(۳۷) لواء الحمد (خداوند تعالیٰ کی حمد وثنا کا جھنڈا) آپ ہی کے دستِ اقدس میں دیا جائے گا، کہ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی تمام (ایماندار) اولاد اس کے نیچے ہوگی۔

(۳۸) تمام انبیاء اپنی اُمت کے ساتھ آپ کے پیچھے ہوں گے

(۳۹) خداوند جل وعلیٰ کا دیدار آپ ہی سے شروع ہوگا۔

(۴۰) شفاعتِ عظمیٰ کا سہرا آپ ہی کے رُخِ انور پر بندھے گا۔

(۴۱) سب سے پہلے پلصراط پر سے آپ ہی گزریں گے اور تمام خلقت کو حکم ہوگا کہ اپنی نگاہیں نیچی کریں تاکہ آپ کی دختر سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پلصراط سے گزریں۔

(۴۲) آپ ہی جنت کا دروازہ کھولیں گے۔

(۴۳) قیامت کے روز آپ کو وسیلہ کے مرتبہ سے مشرف کیا جائے گا، جو ایک مرتبہ ہے نہایت

Marfat.com

بلند کہ مخلوق میں سے کسی اور کو میسر نہ ہوگا۔

(۴۴) اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن خداوند تعالیٰ کے حضور میں بمنزلہ وزیر کے ہوں گے۔ اور جو کچھ شرائع میں آپ کی ذات اقدس سے مخصوص ہے وہ بہت چیزیں ہیں جن کا گننا طوالت کا باعث ہے۔ بلفظہ

۵۔ حدیث شریف صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۴۶ سطر ۲۵ مطبوعہ مصر۔ باب الوصال۔ ترجمہ:

"یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وصل نہ کرو یعنی روزہ وصل نہ رکھو۔ عرض کیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ آپ جو وصل کرتے ہیں اس لیے ہم بھی روزہ وصل رکھیں گے۔ اس پر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ کہ میں تمہارے کسی آدمی کی مانند نہیں ہوں"۔

۶۔ صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۲۴۶ سطر ۲۷۔ مصری۔ ترجمہ:

"یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ منع فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وصال سے یعنی روزہ وصال سے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ آپ بھی وصال کرتے ہیں۔ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِنِّیْ لَسْتُ مِثْلُكُمْ کہ تحقیق میں تمہاری مثل یا مانند نہیں ہوں"۔

۷۔ صحیح بخاری، جلد اول صفحہ ۲۴۷ سطر ۲۔ مصری۔ ترجمہ:

"حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وصال کے روزہ کی بابت، تو حضور ﷺ نے فرمایا اِنِّیْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ کہ میں تمہاری شکل وصورت وہیئت کی مانند نہیں ہوں۔ کیوں کہ مجھے (اللہ تعالیٰ) کھلانے والا کھلاتا ہے اور پلانے والا پلاتا ہے۔

۸۔ صحیح بخاری، جلد اول صفحہ ۲۴۷، سطر ۲۔ مصری۔ ترجمہ:

Marfat.com

"روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ منع فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ وصال سے اور فرمایا اِنِّی لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ کہ میں تمہاری شکل وصورت اور خوخصلت کے مانند نہیں ہوں"۔

۹۔ صحیح بخاری، جلد اوّل صفحہ ۲۴۶، سطر ۹، مصری۔ ترجمہ:

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ وصال سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ جو روزہ وصال رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ۔ یعنی تمہارے میں کون میری مانند ہے"؟

۱۰۔ مواہب اللدنیہ، للشیخ قسطلانی علیہ الرحمۃ۔ جلد اول صفحہ ۲۴۸، مقصد ثالث، سطر ۲۳:

"اعلم ان من تمام الایمان بہ صلی اللہ علیہ وسلم الایمان بان اللہ تعالیٰ جعل بدنہ الشریف علیٰ وجہ لم یظہر قبلہ ولا بعدہ خلق آدم مثلہ الخ بلفظہ یعنی خوب جان لے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کمال ایمان یہ ہے کہ ایمان لاوے اللہ تعالیٰ پر کہ اس نے پیدا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن شریف کو ایسی وجہ پر کہ ان کے برابر نہ کوئی پہلے پیدا ہوا اور نہ ان کے بعد پیدا ہوگا یعنی ان کی مثل یا نظیر کوئی نہیں ہوگا"۔

۱۱۔ مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۰۰۔ ترجمہ اُردو:

"جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدیؐ تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں۔ بلکہ افراد عالم میں کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ۔ میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں۔ دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہوئی۔ اس دقیقہ کا بیان یہ ہے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت واجب الوجود جل شانہٗ کے صفات ثمانیہ حقیقیہ

Marfat.com

اگرچہ دائرۂ وجوب میں داخل ہیں۔ لیکن اُس احتیاج کے باعث جو ان کو حضرت ذات تعالیٰ کے ساتھ ہے ان میں امکان کی بو پائی جاتی ہے۔ اور جب صفات حقیقیہ قدیمیہ میں امکان کی بو پائی جاتی ہے تو حضرت واجب الوجود جل شانہٗ کی صفات اضافیہ میں بطریق اولیٰ امکان ثابت ہوگا اور ان کا قدیم نہ ہونا ان کے امکان پر پہلی دلیل ہوگا۔ کشفِ صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکناتِ عالم میں ثابت ہے۔ ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مشہود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی خلقت کے امکان کا منشا عالم ممکنات میں سے ہے ہی نہیں کیونکہ اس عالم سے برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ جب جہان میں ان سے زیادہ لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے"۔ بلفظہٖ۔

۱۲۔ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی، دفتر سوم۔ مکتوب نمبر ۶۴:

"جن مجوبوں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہا اور دوسرے انسانوں کی طرح تصور کیا وہ منکر ہو گئے۔ اور جن سعادت مندوں نے ان کو رسالت اور رحمت عالمیاں کے طور پر دیکھا اور تمام لوگوں سے ممتاز اور سرفراز سمجھا وہ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور نجات پا گئے"۔ بلفظہٖ۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ فرقان حمید میں مولیٰ کریم نے فرمایا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (۱۷:۹۴۔ پ۱۵۔ ع۱۰)	اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو ان کو ایمان لانے میں اس کے کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر کر کے بھیجا ہے۔

Marfat.com

یہ وہی مرض ہے جس کا علاج نہ ہو سکا۔ یہ وہی حجاب ہے جو کھل نہ سکا۔ یہ وہ سبب ہے جس کی وجہ سے انکار آسان معلوم ہوا۔ لیکن آج کل نام نہاد مسلمان اس آیت کو عجیب طرح سے حجت پکڑتے ہیں اور مَنَعَ النَّاسَ کا اطلاق بَشَرًا رَّسُوْلًا پر کرتے ہیں۔ یعنی کہتے ہیں کہ یہ انکار کہ آپ بشر نہ تھے وہی انکار ہے جو کفار کرتے تھے۔ یہ وہی حجاب ہے جس میں وہ محجوب ہو رہے تھے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ بشرًا رسُولًا اور عبدًا رسُولًا میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ صرف مِثْلُکُمْ میں کلام ہے۔ جیسا کہ اقوال بزرگانِ دین و احادیث اور تفاسیر سے اوپر گزر چکا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلا انکار کی رو سے ہے اور دوسرا افضیلت مدارج اور نور ایمانی کی رو سے ہے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی عورتوں نے دیکھا تو ان کے حسن وصورت کی وجہ سے بے ساختہ بول اٹھیں کہ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا[1] ط ظاہر ہے کہ ان کا یہ قول محض عزت و تکریم کی وجہ سے تھا، انکار کی رو سے نہ تھا ورنہ خوب جانتی تھیں کہ یہ بشر ہے، زلیخا کا غلام ہے، اور طعن کی رو سے:

تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ج قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ط اِنَّا لَنَرٰىهَا فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (۱۲: ۲۰ - پ ۱۲ - ۱۴)	عزیز کی عورت اپنے غلام سے ناجائز خواہش کرتی ہے اور اس کی محبت میں فریفتہ ہو گئی ہے۔ ہم دیکھتی ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔

کہا تھا۔

معلوم کرنا چاہیے کہ اس خالق موجودات نے انسان کے لیے بشر کا لفظ کس جگہ اور کس وقت استعمال فرمایا ہے اور اس کا وصف کیا ہے؟ دیکھو ذوالجلال والاکرام کا فرمان:

اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ	میں بنانے والا ہوں ایک بشر مٹی سے۔ جب اس کو ٹھیک بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے

[1] پاکی ہے اللہ کو، نہیں ہے یہ بشر۔

Marfat.com

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۔ (پ ۱۴ - ۱۴)　　پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا۔

...وح کے بغیر صرف بُت انسان کو بشر سے نامزد کیا ہے۔ اور لغت میں بشر کے معنی ردّی الخلق ...پڑے کے ہیں بعض بزرگوں نے بھی آپ کو سیّد البشر فرمایا ہے لیکن اس لحاظ سے تو میرے نزدیک حضور کے لیے یہ خطاب بھی مذموم ہی ہے۔ اس واقعہ سے پہلے حضرت باری تعالیٰ نے ...ھی قبل از ظہور جب بشر اور بشریت کا نام تک نہ تھا، انسان فرمایا ہے:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ　　بیشک آیا ہے انسان پر ایک وقت زمانے میں

لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۔ (الدہر ۱)　　کہ نہ تھا کچھ چیز ذکر کی گئی۔

اور یہ اسم مبارک اس کا ذاتی نام ہے جو تمام صفات کا جامع اور احسن تقویم سے مزین ہے:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ　　انجیر اور زیتون کی قسم اور طور سینین کی اور اس

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا　　امن والے شہر (مکّے) کی کہ ہم نے انسان کو اچھی

الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔ (پ ۳۰)　　صورت میں پیدا کیا ہے۔

...اقی سب کے سب نام صفات حسنہ اور سیئہ کے اسموں سے موسوم ہیں۔ جیسے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے آدمی ہو گیا ہے۔ بعدہٗ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ[1] اور بعض جگہ صرف ...وح کے نام ہی سے مخاطب فرمایا ہے۔ یہاں ہر اسم کے ساتھ آیات کا حوالہ دینا ضروری ...یں۔ کیونکہ ہر ایک مسلمان ان صفات سے علم رکھتا ہے۔ مثلاً کافر، منافق، فاسق، مشرک، ...مسلم، مومن، ولی، نبی، رسول۔ یہ سب کے سب نام صفاتی ہیں۔ جس صفت سے انسان نسبت ...ھتا ہے اسی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان میں سے کافر، منافق، مشرک، فاسق یا مومن اور مسلمان ...نا کا نُوْا يَكْسِبُوْنَ[2] کی وجہ پر ہے۔ لیکن ولایت، نبوت اور رسالت، سو یہ وہبی شرف ہے

---

[1] ہر ایک جان موت کو چکھنے والی ہے۔　[2] بسبب اس چیز کے کہ کی تھے۔

Marfat.com

جو کسب سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي [1] اور اَرْسَلْنٰكَ [2] اس پر شاہد ہے اور اس میں بھی مدارج ہیں۔ گو رسالت میں سب یکساں ہیں۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ [3] لیکن تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ [4] کی حیثیت سے مختلف۔ جیسے نوح نجی اللہ، ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام۔ ہر ایک کو اس صفت سے موصوف فرمایا ہے جس میں وہ ممتاز تھے۔ اور ہر وجود باجود سے مطابق مدارج وصفات فعل بھی سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً نجات سے حضرت نوح علیہ السلام کو اور خُلّت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور کلام سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سرفراز فرمایا۔ اور روحانیت کے کرشمے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے۔ جیسے مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست، مردہ کو زندہ اور مٹی کا جانور بنا کر ٹھیک اور سچ مچ کا پرندہ بنا دینا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس لم یزل و لایزال، بے مثل و بے مثال نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کونسی صفتوں سے مزین فرما کر رسل کیا؟

خداوند کریم ذوالجلال والاکرام نے اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

سِرَاجًا مُّنِيْرًا

کی خلعت سے آراستہ فرمایا ہے۔ بعض مفسرین نے سراج کے معنی چراغ کے لیے ہیں اور اس امر کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہ چراغ سے دوسرا چراغ بلکہ لاانتہا چراغ روشن ہو سکتے ہیں اور آفتاب سے ایسا فعل سرزد ہونا ناممکن سمجھ کر مفاد کو ملحوظ رکھا ہے۔ لیکن تطبیق قرآن شریف کے رُو سے سِرَاجًا وَّهَّاجًا کے معنی شمس ہی کے ہیں۔ گو سراج کے معنی چراغ کے بھی ہو سکتے ہیں لیکن

---

[1] یہ میرے رب کا فضل ہے۔　　[2] ہم نے تجھے بھیجا۔

[3] ہم رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔　　[4] یہ رسول ہیں کہ ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔

Marfat.com

آفتاب کے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ کیونکہ جو حقیقت اور مفاد آفتاب سے عیاں ہے چراغ ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور وہ اس لیے کہ چراغ نے بھی آفتاب ہی سے روشنی حاصل کی ہے۔ کیونکہ چراغ کی روشنی کا اصل سرمایہ کوئی روغن ہے اور باقی وجودِ چراغ یا بتی سامان ہے۔ ہر روئیدگی جس سے روغن حاصل کرنا ممکن ہے اپنی نشوونما کے میدان میں آفتاب کی محتاج ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ عالم موجودات کی ہر چیز کو اس خالق یکتا نے عناصر اربعہ یعنی آگ، ہوا، مٹی اور پانی ہی سے خلعت کیا ہے۔ نیز فرمایا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط یعنی ہم نے ہر چیز کی زندگی کو پانی سے وابستہ کیا ہے۔ جب کچھ نہ تھا تو پانی تھا۔ مطابق ارشاد مولیٰ کریم :

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور
فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى	زمین کو بیچ چھ دن کے اور تھا عرش اس کا اوپر
الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝	پانی کے تاکہ آزمائے تم کو کون تم میں بہتر ہے
(پ۱۲ - س۱۱)	عمل میں۔

اور موجودات کی تخلیق اربعہ عناصر میں سے کسی ایک عنصر سے ہونا روا نہیں ہے۔ اور جو فرمایا

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ	اور البتہ بیشک پیدا کیا ہم نے آدمی کو بجنے والی
مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ	مٹی سے جو بنی تھی کیچڑ سڑی ہوئی سے اور جنّوں
مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ (۱۵:۲۶-۲۷)	کو پیدا کیا ہم نے ان کو پہلے اس سے آگ
(پ۱۴ - س۱۵)	لوؤں کی سے۔

یہ جنسیت کے لحاظ سے اور غلبہ کے رُو سے ارشاد مبارک ہے۔ ورنہ یہ امر معروف ہے کہ ہوا کے بغیر زندگی محال ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر مخلوق اربعہ عناصر ہی سے بنائی گئی

Marfat.com

ہے اور ہر ذی رُوح کے جسم کا نظام اور وجود کا ثبات وصحت انہی عناصر کے قریب بہ اعتدال رہنے پر منحصر ہے۔ اور ایک دوسرے کی اضداد کا مستحیل ہوکر اور ترکیب پاکر فنا ہونے کے بعد باہمی اتحاد و امتزاج ایک وجود کے ظہور کا باعث ہے جس میں وجودِ عناصر کی انفرادیت کا نشان معدوم ہو چکا ہے۔ مثلاً لکڑی میں آگ، مٹی، ہوا اور پانی کا بعینہٖ ملنا ناممکن ہے، اور یہی حال تمام مخلوق کا ہے۔

مطابق ارشاد مولیٰ کریم تخلیق میں دو درجے ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل عناصر سے اور دوسرا نطفہ یا تخم سے۔ پس ہر تخم میں روح اور جسد پنہاں ہے جس کا ظہور انہی عناصر سے خوراک کا محتاج ہے تاکہ جڑ سے لے کر تنے، ٹہنیوں اور برگ و گُل کے مراحل کو طے کرتا ہوا پھل یعنی تخم سے بارآور ہو۔ اور مولیٰ کریم نے اپنی حکمت کاملہ سے کل موجودات کا نظام شمس سے متعلق رکھا ہے۔ جس کے بغیر سلسلۂ نشوونما بالکل ناممکن ہے۔ اس لیے اس کو نظامِ شمسی کہنا بجا و درست ہے۔ اس کے پورے بیان میں بہت طول ہے۔ اختصار کے طور پر کچھ حوالہ فرما کیا جاتا ہے۔ مثلاً رات اور دن کی آمدورفت اسی کے چہرہ کے نقاب اور رویت کا نتیجہ ہے۔ موسم کا تغیر و تبدّل اسی کے بُعد و قرب کے باعث ہے۔ پانی کو اسفل مقام سے اُٹھا کر اوجِ فلک پر پہنچا دینا اور اس سے چمک اور گرج پیدا کرنا اس کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ پہاڑوں کی سخت چٹانوں میں اپنی شعاعوں کے تصرّف سے لعل و زمرّد کا پیدا کرنا اس کے طبع فیض کا ظہور ہے۔ بجلی اور اس کی طاقت سے کارخانوں کی حرکت اور دور دراز کی خبروں کے سامان کا مبدا یہی ہے۔ لیکن اس کا تصرّف و فیض اور ہر قسم کا مفاد دراصل مولیٰ کریم کی طرف سے ہے بلکہ سایہ تک کو بھی جو محض آفتاب کی رویت میں حجاب کے سوا وجود نہیں رکھتا، اپنی ہی جانب منسوب کیا ہے۔ اور اسی سنت اللہ پر ہر ایک چیز کے فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

Marfat.com

مثلاً فرمایا ہے نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ یعنی ہم ہی تم کو رزق دیتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ	بھلا تم نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا کہ وہ سایہ
وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا	کو کس طرح دراز کر کے پھیلا دیتا ہے اور اگر وہ
الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ	چاہتا تو اس کو (بے حرکت) ٹھیرا رکھتا۔ پھر ہم نے
إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ۝ (۲۵: ۴۵-۴۶)	سورج کو اس پر نشانی ٹھیرایا۔ پھر ہم اس کو آہستہ
(پ ۱۹ - ع ۳)	آہستہ سمیٹ کر اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

اسی طرح ہر ایک فعل کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے۔ ہاں ایک مقام پر تفصیل کے ساتھ ذکر ہے:

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ۝ أَأَنْتُمْ	دیکھو تو کہ جس نطفے کو تم عورتوں کے رحم میں
تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۝	ڈالتے ہو، کیا تم اس سے انسان کو بناتے ہو
(۵۶: ۵۸-۵۹ - پ ۲۷ - ع ۱۵)	یا ہم بناتے ہیں؟
أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنْتُمْ	بھلا دیکھو تو کہ جو کچھ تم بوتے ہو۔ تو کیا تم اسے
تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝	اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ (پ ۲۷ - ع ۱۵)

فرق صرف یہ ہے کہ ہر شے مثل دانہ یا نطفہ میں تصرف کسی قدر اسباب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن تصرف روح کو (جس کے سوا کسی وجود کی بھی پرورش ناممکن ہے اور درحقیقت وہ حق کے فعل کے سوا نہیں ہے) اپنی ذات کے فعل سے ملحق کیا ہے لیکن یہ بھی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بعض تصرف روحی بھی مخلوق کی طرف منسوب ہیں۔ تاہم ان کی حقیقت بھی حق کی طرف ہی سے ہے، جو مخلوق روحی ہیں۔ اور یہ اقسام مخلوق ہیں۔ جیسے زمین و آسمان و مافیہن سب مخلوق ہیں اور سب کے سب فانی ہیں۔ لیکن ملائکہ جو نوری وجود رکھتے ہیں، اس مخلوق سے ان کی کوئی

Marfat.com

مناسبت نہیں ہے۔ انسان، دوزخ اور جنت بھی مخلوق ہیں لیکن ان کو فنا حقیقی نہیں ہے۔ اور مرسلین بشریت کی رو سے یا بنی آدم ہونے کی حیثیت سے انسان ہی ہیں لیکن زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اوران کی مثال ایسی ہے جیسے جسم میں آنکھ یا تجربات میں لعل یا آئینہ۔ کیونکہ آئینہ باوجود وجود رکھنے کے سایہ نہیں رکھتا۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنے مکتوبات جلد سوم مکتوب نمبر ۱۰۰ میں فرمایا ہے جیساکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ "پیدائش محمدی تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی" اس لیے خام مثالیں بیگانگی ہیں اور شرم و حیا مانع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کوئی مثال پیش کی جائے۔ چونکہ مولیٰ کریم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراجاً منیرا کے لقب سے ممتاز فرمایا ہے اس لیے آفتاب اور آپ کا فرق بیان کرنے کے بغیر چارہ نہیں۔

واضح ہو کہ اَلشَّمْسَ ضِيَاءً کی صفت آفتاب کے لیے ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سِرَاجًا مُّنِيرًا فرمایا ہے۔ یعنی خورشید ضیاء سے متصف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا نور۔ سورج دنیا کی تاریکی کو روشنی سے بدلنے والا ہے، اور حضورؐ روحانیت کی ظلمات کو مٹا کر نور سے منور کرنے والے۔ سورج موجودات کی نشوونما کا رہنما اور حضورؐ روحانیت کے پودوں کے ہادی و پیشوا۔ سورج ہر بار آور کو ثمر تک پہنچانے والا، اور آپؐ ہر مومن تابع کو کعبۂ مقصود تک لے جانے والے ہیں۔ زیادہ تحریر بھی سوء ادبی ہے۔ صرف یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ جس طرح عالم موجودات کا سب نظام مولیٰ کریم نے آفتاب پر رکھا ہے اور اس کو راہنما فرمایا ہے اسی طرح عالم روحانیت کا سارا نظام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رکھا ہے۔ فرمان ایزد متعال اس پر دال ہے:

Marfat.com

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا	اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری
وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ	سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور
بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ۝ وَبَشِّرِ	خدا کی طرف بلانے والا اس کے اذن سے اور
الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ فَضْلًا	سورج منور۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ
كَبِيرًا ۝ (۳۳: ۴۵ تا ۴۷۔ پ ۲۲۔ ۳)	ان کے لیے خدا کی طرف سے بڑا فضل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے پانچ صفات سے متصف فرمایا:
شاہد، مبشر، نذیر، داعی اِلی اللہ اور سراجاً منیر۔

مبشر و نذیر اور داعی اِلی اللہ ذاتِ حق کے فرمان یعنی قرآن حکیم کے ذریعہ سے معروف ہے۔ اس کی تسلیم میں تو کسی بھی مسلمان کو کلام نہیں۔ رہا شاہد و سراجاً منیراً سو

شَاهِدٌ

کے معنی گواہ کے ہیں۔ اور یہ دو وجہ پر ہے۔ ایک تو کسی غیر پر اس کے حال سے آگاہی رکھنے والا اور دوسرا اپنے افعال کی وجہ سے اپنی ذات پر شہادت دینے والا۔ پہلا علم احوالِ غیر کی وجہ پر شاہد ہے اور دوسرا اپنے حال کی وجہ پر شہید۔ جیسے لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہونے والے کو شہید کہنا درست ہے اور اس کے لیے کسی علم کی احتیاج لازم نہیں ہے۔ لیکن شاہد کے لیے علوم ظاہری و باطنی کا ہونا از حد ضروری ہے۔ کیونکہ وہ معنی جو شاہد کے لیے لازم ہیں، بغیر علم کے سطلق ناممکن ہیں۔ لیکن شاہد اور شہید دونوں صفتوں کا جمع ہونا کمال علم کی دلیل ہے۔ جیسے ارشاد مولیٰ کریم وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا یعنی شہید تو کمال وصفت ذاتیہ سے اور شاہد وصف فعلیہ سے، جیسا صفات بالذات جو ذات

Marfat.com

سے متصف ہیں، نہ ذات سے منفک ہوئی ہیں اور نہ ہی کبھی ہوں گی۔ اور صفات بالفعل کا تعرف
وظہور الی الخلق ہے۔ گو صفات فعلیہ بھی ذات سے منفک نہیں ہیں لیکن اتنا فرق ضرور ہے
کہ صفات بالفعل تابع صفات بالذات ہیں اور صفات بالذات "تابع ذات"۔

اسی طرح ذوالجلال والاکرام نے اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں شہید کا
لقب استعمال فرمایا ہے:

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط — اور ہوں رسول تم پر گواہ۔ (پ۲۔ س۱)

تو اس میں ہر دو معانی منکشف ہوئے یعنی شہید اپنے حال و ذات کے لیے اور عَلَيْكُمْ کے رو سے
شاہد امت کے واسطے۔ لہٰذا ان دونوں وصفوں کا جمع ہونا آپ کے کمال حال اور علم کی دلیل
ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عنایت کرتا ہے
خود ذات باری تعالیٰ نے فرمایا ہے كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا۔ یعنی اللہ کا تم پر بڑا
فضل ہے۔ اور یہ تخصیص کے رو سے ہے۔ جو قابلیت رسالت اور منصب نبوت کے لیے
لازم ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر اول، مکتوب نمبر ۹۹ میں ایک حدیث
شریف کے تحت بیان فرماتے ہیں:

"تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ کہ تحریر یافتہ بود اشارت بدوام آگاہی نیست بلکہ اعتبارات
از عدم غفلت احوال خویش و امت خویش۔ لہٰذا نوم در حق آں سرور ناقض طہارت نگشت۔ و چوں نبی
رنگ شبانست در محافظت است خود غفلت شایاں منصب نبوت او نباشد۔"

ترجمہ: حدیث "میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا" جو لکھی ہوئی تھی اس میں
دوام آگاہی کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اپنے اور اپنی امت کے احوال سے غافل نہ ہونے کی خبر
ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیند آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں وضو کو توڑنے والی نہ ہوئی۔ اور چونکہ

Marfat.com

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اُمت کی محافظت میں گڈریے کی طرح ہیں تو پھر غفلت منصب نبوت کے مناسب نہیں“۔

رہی سراجاً منیرا کی مثال، جو ذات باری تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں فرمائی ہے، بالکل عیاں ہے۔ اس عزیز الحکیم سے بہتر کون مثال پیش کر سکتا ہے۔ یہ رب العالمین ہی کے شایاں ہے۔ کیونکہ خالق موجودات، وارث کائنات جس نے ہر چیز کو اس کے اصل سے پیدا کیا اور اس کی فرع کو ظہور کا اسباب بنایا۔ ہر چیز کی حقیقت کا علم اسی عزیز الحکیم ہی کے لیے خاص ہے۔ سوائے اس کے کماحقہٗ عارف ہونا یا ذات باری تعالیٰ کا عالم ہونا مخلوق کے لیے روا نہیں ہے:

لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (۲: ۲۵۵ - پ۳ - ۲) — نہیں احاطہ کرتے ساتھ کسی چیز کے علم اس کے سے مگر ساتھ اس چیز کے کہ وہ چاہے۔

ہاں جس قدر عنایت فرمائیں صرف اسی قدر۔ مَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

تو اس قادر و قیوم نے جیسے عالم موجودات میں شمس کو اس قدر روشنی عطا فرمائی ہے کہ ہر چیز اس کی ضیا سے روشن اور فیض یاب ہے۔ یہ ضیا زمین و آسمان وما بینہما ہر جگہ تمام موجودات پر حاوی ہے، بلکہ کل کائنات و مخلوقات کی حیات کا سبب ہے۔ کوئی جگہ اس سے پوشیدہ نہیں اور یہ ہر چیز کے لیے عیاں ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روحانیت کے جہان میں انہی صفتوں کے ساتھ موصوف ہیں۔ اب اس مثال کی مطابقت بھی منَ اللہ ہی ہونی چاہیے تاکہ معانی میں کوئی اشکال باقی نہ رہے۔ مومنوں کے واسطے اطمینانِ قلب اور نور ایمانی میں افزائش کا باعث ہو۔ مذبذبین کے لیے دلیل ہو اور منکروں پر حجت ہو۔

اے بھائی! مولیٰ کریم تجھے نیک سمجھ دے، اس خالق کون و مکان نے آفتاب کو نعمت

Marfat.com

فرمایا ہے اور شکر کے لیے دعوت دی ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ	اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لیے رات اور
النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ	دن کو بنایا ہے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥ (۲۸:۷۳)	فضل تلاش کرو، اور تاکہ شکر کرو۔

رات اور دن کا ہونا سورج کے پھرنے سے ہے، تو اصل میں یہاں منعم کریم کی نعمت شمس کے شکر کے لیے ہی فہمائش کی گئی ہے۔ ہر نعمت کا شکر اس منعم حقیقی کی قدرت کاملہ کی تمجید اور صنعت کی توصیف و تعریف سے ہے اور کفرانِ نعمت محسن حقیقی کے احسان کو فراموش کرنا ہے۔

نعمت دو نوع پر ہے۔ ایک نعمت جسمانی اور دوسری رُوحانی۔ جسمانی کا دار و مدار میدان دنیا پر ہے اور روحانی کا دار الآخرہ پر۔ دُنیوی انعام فانی ہیں اور نعمات الاخرہ یعنی روحانی انعام باقی رہنے والے ہیں۔ نعمتِ دنیا ایک حد تک ضرورت کے پورا کرنے کے بعد متغیر صورت اختیار کرنے سے زحمت ہو جاتی ہے لیکن نعمتِ عظمیٰ یعنی فی الآخرہ بے انتہا اور تغیر سے مبرا ہے۔ مثلاً پیاسے کے لیے پانی نعمت ہے لیکن سیراب کے لیے جو سردی سے کانپ رہا ہو، زحمت ہے۔ بھوکے کے لیے کھانا بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن سیری شکم کے بعد کھانا اس کے لیے بلا کا حکم رکھتا ہے۔ جاڑے میں تمازتِ آفتاب اکسیر کا حکم رکھتی ہے لیکن گرمیوں میں بعض اوقات ہلاکت کا موجب ہو جاتی ہے، علیٰ ہٰذا القیاس۔

تیسری نعمت وہ ہے جو دین و دنیا میں باعثِ برکت اور نعمت کا اصل ہے۔ اسلام و ایمان، توحید و رسالت، ان سب کا اصل اور ثمر توحید باری تعالیٰ ہے۔ جس کا اول ایمان بالغیب مطابق يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ محض ظن سے ہے اور آخر رویت ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ

Marfat.com

لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔[1]

لیکن خبردار ہونا چاہیے کہ سوائے توحیدِ رسالت کے توحید بھی مذموم اور باعثِ گمراہی ہے اور صراط المستقیم کی راہبری سوائے نورِ رسالت کے ناممکن، اور اس سے روگردانی باعثِ ابدیت وکفرانِ نعمت۔ زمینِ قلب کو ماسوائے اصل کے پاک کر کے کتنی ہی محنت سے سنوارا جائے اور حبِّ مقصود ڈال کر اعمالِ صالحہ سے آبپاشی کی جائے، جب تک آفتابِ نبوت کی شعاعیں رہنمائی نہ کریں، روئیدگی محال ہے اور عمل بے فائدہ۔ کیونکہ ارادۂ الٰہی اور سنت اللہ اسی طرح جاری ہے۔ کلامِ الٰہی اس کی مصدق اور دلیلیں روشن موجود، نص اس پر شاہد اور مثالیں بیّن۔ عدل وانصاف کو مدِّنظر رکھتے ہوئے نورِ ایمانی کے ترازو سے موازنہ کرنا چاہیے کہ جس طرح مولیٰ کریم نے اپنے حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آفتابِ منیر سے مثال دی ہے اسی طرح آفتابِ رسالت کی شعاعوں میں پرورش پانے والوں، اس نورِ خدا سے منور ہونے والوں، دین وایمان سے مزین اور ثمرِ توحیدِ رسالت اور مقصود کو حاصل کرنے والوں کی مثال روئیدگی سے بیان فرمائی ہے تاکہ کوئی اشکال باقی نہ رہے۔ فرمایا ہے:

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ	وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے)
فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ	اپنی سوئی نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی
يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ	اور پھر نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور لگی کھیتی والوں
(۴۸: ۲۹۔ پ ۲۶۔ ع ۱۲)	کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے۔

ہیہات! آج کل تاریکی وظلمات کی گھٹائیں اس قدر محیط ہو گئی ہیں کہ حق وباطل میں تمیز محال ہو گئی ہے۔ ایمان کے میدان میں تسلیم تو درکنار، صاف انکار ہی کو صراط المستقیم سمجھ رہے ہیں۔

---

[1] یقیناً ظن حقیقت سے کچھ بھی مستغنی نہیں کرتا۔

Marfat.com

اَلعِلمُ حِجَابُ الاَکبَر[1] کے ملبوس، اپنے زعم کے موحد، نور معرفت سے بے نور، چاہ کو مینار اور مینار کو چاہ جان رہے ہیں۔ سچ ہے ارشاد باری تعالیٰ:

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(۱۰: ۳۹ - پ۱۱ - ع۹)

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر قابو نہ پا سکے اس کو (نادانی سے) جھٹلا دیا۔ اور ابھی اس کی حقیقت ان تک آئی ہی نہیں۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی تھی۔ سو دیکھ لو کہ ظالموں کا انجام کیا ہوا۔

لیکن جنہوں نے اس نور سے بصارت قلبی حاصل کی، اللہ جل شانہ نے اپنی رحمت سے ان کے سینوں کو شفا بخشی اور یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ کی دولت سے مالا مال ہوئے، اس نعمت عظمیٰ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت سے عارف ہوئے۔ فرمان ایزدی

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

(۲: ۱۵۰ - ۱۵۱ - پ۲ - ع۲)

اور میں اپنی تمام نعمتیں بخش دوں اور یہ بھی کہ تم راہ راست پر چلو (منجملہ اور نعمتوں کے) میں نے تم میں تمہی سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم کو میری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہیں پاک بناتے ہیں اور کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

کی ان کے دلوں نے تصدیق کی وَيُزَكِّيْكُمْ کے مفاد سے زکیٰ حاصل کرتے ہوئے وَيُعَلِّمُكُمْ سے علم حاصل کیا۔ تب اس بے بہا دولت سے مومنین کو آگاہ کرنے کے لیے یوں ارشاد فرمایا:

---

[1] علم بہت بڑا حجاب ہے۔

Marfat.com

۱۔ علامہ نبہانی اپنی تحقیق ارقام فرماتے ہیں :

حیث قال وان الذی اراہ ان جسدہ الشریف لا یخلو منہ زمان ولا مکان ولا محل ولا امکان ولا عرش ولا لوح ولا کرسی ولا قلم ولا بر ولا بحر ولا سھل ولا وعر ولا برزخ ولا قبر۔

میں جو دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسد مقدس سے زمان خالی ہے نہ مکان، محل خالی ہے نہ امکان، عرش خالی ہے نہ قلم، زمین خالی ہے نہ سمندر، نرم زمین خالی ہے نہ پہاڑ، برزخ خالی ہے نہ قبر۔ غرضیکہ تمام عالم کے ذرہ ذرہ میں سرکار اعظم جلوہ افروز ہیں۔

۲۔ شفاء حضرت قاضی عیاض شرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہما صفحہ ۱۱۷، جلد ثانی :

ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان روح علیہ السلام حاضر فی بیوت اھل الاسلام

یعنی اگر (کسی مسلمان کی ملاقات کو جاؤ) وہ گھر میں موجود نہ ہو تو کہو کہ میرا اسلام و رحمت و برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔ یہ اس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک ہر اہلِ اسلام کے گھر میں حاضر رہتی ہے۔

۳۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر عزیزی میں وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا کی یوں تفسیر فرماتے ہیں :

یعنی باشد رسولِ شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر رتبہ ہر متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ از دینِ من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است۔ پس او می شناسد گناہان شمارا و درجاتِ ایمانِ شمارا و اعمالِ نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا و لہٰذا شہادتِ او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است۔

Marfat.com

ترجمہ: یعنی ہوں رسول تمہارے تم پر گواہ۔ اس لیے کہ آپ نورِ نبوت کے ساتھ اپنے دین کے ہر دیندار کے رتبہ پر مطلع ہیں کہ میرے دین میں کس درجہ پر پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور جس حجاب کی وجہ سے اس میں ترقی سے محجوب ہو گیا ہے وہ کونسا ہے۔ پس آپ پہچانتے ہیں تمہارے گناہوں کو، اور تمہارے ایمان کے درجوں کو اور تمہارے اچھے اور بُرے اعمال کو، اور تمہارے اخلاص و نفاق کو۔ اس لیے آپ کی شہادت دنیا میں شرع کے حکم سے اُمت کے حق میں مقبول اور واجب العمل ہے۔"

۴۔ شیخ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، جلد اول، باب تشہد، صفحہ ۴۴۳ میں حدیث شریف از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کے تحت یوں تحریر فرماتے ہیں:

"دعا بخیر و سلامت ست بر تو اے پیغمبر و مہربانی خدا و افزونیہائے خیر و کرم وے و وجہ خطاب با آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجہت القائے ایں کلام است بر آنچہ در اصل بود کہ در شب معراج از جانب پروردگار تعالیٰ و تقدس بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطاب بسلام آمد۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در حینِ تعلیم اُمت نیز بر ہماں لفظ اصل گذاشت تا ایشاں را بذکر آں حال گردد۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابدان است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آنکہ وجود نورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر و قوی تر است۔ و بعضے عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات۔ پس آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) در ذات مصلیاں موجود و حاضر است۔ پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا با نوارِ قرب و اسرارِ معرفت منور و فائز گردد۔" بلفظہ۔

Marfat.com

گو میرے مسلک کے خلاف تھا کہ ان سندات کو پیش کیا جائے۔ لیکن تصدیق اور امید مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے بزرگان دین کے اقوال مبارک کو باعث برکت سمجھ کر درج کر دیا گیا ہے امید ہے کہ ناظرین کے لیے مفید ہی ثابت ہوں گے۔

شاید میرے وہ مسلمان بھائی جنہوں نے محض خشک اور ظنی توحید کے شجر کو ناویل اور بے اصل اعتراض کے میدان میں کھڑا کیا ہے کہہ دیں کہ یہ ممتنعات سے ہے۔ میں نہایت ادب سے ملتمس ہوں کہ اس ممتنعات سے ان کا مقصود علم ذاتی ہے یا عطائی؟ امید اغلب ہے کہ وہ ذاتی کے علاوہ عطائی کو بھی ممتنعات ہی سے قرار دیں گے۔ اس اعتراض کے رفع کرنے کے لیے کلام الٰہی اظہر من الشمس ہے:

اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِکُمْ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝	کہ میں تمہارے سامنے بہ شکل پرندمٹی کی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے (سچ مچ) کا جانور ہو جاتا ہے۔ اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو خدا کے حکم سے تندرست کر دیتا ہوں اور مُردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں، اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لیے (قدرت خدا کی) نشانی ہے۔
(پ۳ - ع ۱۳) (۳: ۴۹)	

اب یہ افعال یعنی مردے کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینا، مٹی کا جانور بنا کر پھونک مارنے سے سچ مچ کا جانور بن جانا، اور لوگوں کے کھانوں اور گھروں کے

Marfat.com

ذخیروں تک سے مطلع کرنا، اگر یہ سب ممتنعات سے نہیں ہیں تو مُردے کو زندہ کرنا اور مٹی سے پرندہ بنا کر رُوح پھونکنا ضرور ممتنعات سے ہیں اور ہونے چاہییں کیونکہ یہ فعل ذات باری تعالیٰ ہیں جو سوائے اس کے غیر کے لائق نہیں۔ اور جیسے قرآن مجید میں کئی جگہ پر ذکر ہے۔ مثلاً:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ (۶: ۵۹۔ پ۔ ۱۳)	اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی نہیں جانتا ان کو کوئی مگر وہی۔
اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۰ (۳۱: ۳۴۔ پ ۲۱۔ ۱۳)	بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اُتارتا ہے بارش اور جانتا ہے جو کچھ بیچ پیٹوں ماں کے ہے۔ اور نہیں جانتا کوئی جی کہ کیا کمائے گا کل کو۔ اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس زمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے خبردار ہے۔

ان آیات بینات میں اختلاف لاحق ہوا ہے جن کی تطبیق مشکل بھی ہے اور نہایت ضروری بھی۔ کیونکہ مولیٰ کریم اپنے کلام کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۰ (پ ۵۔ ۸)	بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔

یہ آیت مبارک اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ کلام الٰہی میں اختلاف محال ہے۔

اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تصور و تصدیق کے موضوع پر علمائے کرام نے کئی کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن کو منطق کے نام سے موسوم کیا ہے، اور اسی علم کی بساط پر کچھ تصدیقات

Marfat.com

بیان فرمائی ہیں:

تصدیق بالذات، تصدیق بنعت الذات، تصدیق بالرب، تصدیق بنعت الرب، تصدیق بالحال، تصدیق بالحکم۔

اور تحریر فرمایا ہے کہ ان میں پانچ مردود ہیں اور ایک مقبول:

(۱) تصدیق بالذات یعنی تصدیق ساتھ ذات کے۔ اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ' جیسا تھا ویسا ہی ہے اور اسی طرح رہے گا۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ[۱]۔ بخاری شریف میں وارد ہے کَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ وَهُوَ الْاٰنَ كَمَا كَانَ[۲]۔ سوائے واحد یا ذات کے یہاں بیان ہی نہیں، سوائے ذات کے کسی وصف کا عیان ہی نہیں۔

(۲) تصدیق بنعت الذات۔ یعنی ان صفات کی نعت یا تعریف جو ذاتیہ ہیں، اور یہ سات ہیں۔ حیّ، قدیر، علیم، مرید، سمیع، بصیر، کلیم۔ یہ صفات ذاتیہ نہ ذات سے منفک ہوئی ہیں اور نہ ہوں گی۔ ان کو ذات سے انفصال ہے جس کا انفصال ناممکن ہے۔

(۳) تصدیق بالرب: یہ صفت ربوبیت ہے۔ خواہ اس کا ظہور ہو یا نہ ہو، متحقق بالذات ہے یعنی قدرت ربوبیت جو صفت ذاتیہ کے تابع ہے۔

(۴) تصدیق بنعت الرب: یہ صفات فعلیہ سے ہے اور یہ ظہور الی الخلق ہے۔ یعنی ربوبیت کی تعریف ہے۔ خواہ جسمانی صورت سے ہو یا روحانی صورت سے۔

(۵) تصدیق بالحال: یہ عبارت حال سے ہے۔ نہ اس سے کوئی کما حقہٗ واقف ہے اور نہ ہونا ممکن ہے۔ یہ ذات باری کی چگونگی سے ہے جو حرام ہے۔

---

[۱] کہو وہ اللہ ایک ہے۔ معبود تمہارا معبود ایک ہے۔

[۲] تھا اللہ تعالیٰ اور نہ تھی ساتھ اس کے کوئی چیز اور وہ ہے اب بھی جیسا کہ تھا۔

Marfat.com

(۶) تصدیق بالحکم: جس کے لیے کوئی ظرف چاہیے۔ اس قادرِ مطلق کی قدرت کا ظہور فی الخلق ہے۔ پہلی صفات خمسہ تو اس لم یزل ولا یزال، بے نظیر و بے مثال ہی کے لائق ہیں۔ سوائے ذوالجلال والاکرام کے کسی کو قدرت اور طاقت نہیں اور نہ ہی کسی کے لیے روا ہیں اور نہ ہی کبھی کسی کے لائق اور روا ہوں گی اور نہ ہی قبل اس کے کبھی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ جو چھٹی صورت ہے یعنی اس کے حکم سے، دراصل یہ فعل خداوندی ہے جو اس کے اذن سے خلق میں برگزیدہ ہستیوں کے لیے مرسل ہوا ہے۔ اسی لیے علم منطق میں ان پانچوں کو مردود کہا گیا ہے اور اس چھٹی کو مقبول۔ یعنی وہ پانچ واقعی ممتنعات سے ہیں اور یہ چھٹی مقبولات سے، جس کا ظہور ہوتا رہا ہے، اور ہے اور ہوتا رہے گا۔ جیسا حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کی نسبت اوپر گزر چکا ہے۔

اب جس طرح یہ فعل درحقیقت فاعل حقیقی کے سوا نہیں ہیں اور اسی کی قدرت کا ظہور ہیں منسوب بِاِذْنِهٖ حضرت عیسیٰ بن مریم (جو اللہ کے بندے اور اس کے فیض اور بلاشک و شبہ مخلوق ہیں) کی طرف ہیں اسی طرح ان صفات کو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرسل کرنے کے ساتھ مختص بالذات ہوئے ہیں۔ بنظرِ انصاف ملاحظہ کرنے سے صاف ظاہر ہو جائیگا کہ ویسے ہی فرمان باری تعالیٰ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ہے جو تصدیق بالحکم ہی کے مترادف ہے۔ اور اسی کے مطابق دوسری جگہ رب العالمین نے حضورؐ کی شان میں وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا

رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

کا خطاب ارشاد فرمایا ہے جو متذکرہ بالا پانچوں صفات کا اجمال اور نتیجہ ہے تاکہ رحمۃ للعالمین

Marfat.com

کا مفاد تکمیل کے ساتھ ظاہر ہو۔ کیونکہ جب تک ان اوصاف خمسہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متصف نہ ہوں رحمۃ للعالمین کا عمل دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ اور وہ اس لیے کہ رحمۃ للعالمین کی بارانِ رحمت ایک دو عالموں کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام عوالم کے لیے ہے۔ جیسے عالم دنیا میں مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا کی تعلیم سے۔ یعنی تسلیم کنندگان کے لیے بشارت اور منکرین کے لیے وعید تاکہ وہ خوف کریں اور اس تصرف سے حصول رجوع الی اللہ ہو۔ اور دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ اس نعمت عظمیٰ کے لیے جو مقصود فی الدنیا والآخرہ ہے۔ اور سِرَاجًا مُّنِیْرًا ہدایت جو سراسر رحمت اور فیض انوار جو سرتاپا صبغۃ اللہ کے مترادف ہے عالمین کے لیے ہے جس سے کوئی عالم بھی محروم نہیں ہے۔ اور مثال اس کی بِاِذْنِہٖ مثال آفتاب کی ہے جیسا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہ عوالم کی تفصیل ہر کہ ومہ پر روشن ہے اور یہ دو وجہ پر ہے۔ ایک انسان کے لیے ذاتی ہے اور دوسرا کونی۔ جیسے عالم موجودات، عالم محسوسات، عالم معلومات، عالم معرفات، عالم امر اور ذات باری تعالیٰ ہیں ذاتی اثرات وحصول کی رو سے ہے۔ اور کونی تمام مخلوقات کے لیے ہے۔ ذاتی عوالم کا حجاب محجوب کے لیے بمنزلہ عذاب دوزخ کے ہے اور اس کا کشف وحصول رحمت اور نعمت عظمیٰ ہے۔ موجودات عالم دنیا ہی کا نام ہے۔ اس میں حضورؐ کی ایک ادنیٰ رحمت ظاہر ہے کہ پہلی اُمتوں میں بداعمالیوں کی وجہ سے صورتیں مسخ ہوتی رہیں:

کُوْنُوْا قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ ۔ (پ ۱ - ۸)　　ہو جاؤ بندر ذلیل وخوار

لیکن آج ان سے زیادہ سخت بدکاریاں ہو رہی ہیں مگر صدقہ رحمۃ للعالمین تاقیامت کوئی گروہ اس صورت سے مسخ نہ ہوگا۔

دوسرا عالم برزخ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممد ومعاون ہونے کی رو سے مسلمانوں

Marfat.com

کے لیے رحمت ہیں اور خاص مومنوں کے لیے فیض و بشارت، ولی کے لیے عطا اور مناسبت رکھنے والوں کے لیے نسبت، جملہ انبیاء و مرسلین کے لیے سید المرسلین، خاتم النبیین آخر آمد بود فخر الاولین۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ	اور جب خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں
لَمَآ اٰتَيْتُكُم مِّن كِتٰبٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ	تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں، پھر جب آئے
جَآءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ	تمہارے پاس رسول تمہاری کتاب کی تصدیق
لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنصُرُنَّهٗ ۚ قَالَ	کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور
ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ	اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا
إِصْرِي ۖ قَالُوٓا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا	کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا؟
وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشّٰهِدِينَ ۝ فَمَن	انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا کہ تم اس کے
تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ	گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ تو جو
الْفٰسِقُونَ ۝ (۳:۸۱-۸۲ - پ ۳ - ع ۱۷)	اس کے بعد پھر جائیں وہ بدکردار ہیں۔

یہ میثاق ہے جس کا علم سوائے انبیائے کرام کے ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ برزخ دو وجہ یہ ہے۔ ایک قبل از پیدائش فی الدنیا اور دوسرا ما بعد الموت۔ ان دونوں کا علم مومنین کے لیے میدان دنیا بن ظن کے سوا نہیں۔ جیسے بخطاب مومن فرمایا:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُولُ	اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں لاتے ہو
يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ	حالانکہ پیغمبر (خدا) تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے پروردگار
مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝	پر ایمان لاؤ اور اگر تم کو باور ہو تو وہ تم سے اس
(۵۷:۸ - پ ۲۷ - ع ۱۶)	بارے میں عہد بھی لے چکا ہے۔

Marfat.com

اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ اس امر پر شاہد ہے کہ محض محلِ یقین کے سوا اس کا کچھ علم نہیں۔ اس کے علاوہ اور جگہ بھی جس قدر یہ میثاق بیان ہوئے ہیں اسی طرح ہیں۔ صرف انبیائے کرام کا میثاق ءَاَقۡرَرۡتُمۡ اقرار کی رو سے سوالیہ جملہ مولیٰ کریم کی طرف سے اور اَقۡرَرۡنَا انبیائے کرام سے وعدہ کی رو سے اس امر کی دلیل ہے کہ مرسلوں کو عالم روحانیت میں عمل سے علم ہے کیونکہ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ کی قید ان کے لیے نہیں ہے۔ دوسری صورت اس اقرار کے عمل کی ہے جس کے لیے فَمَنۡ تَوَلّٰى بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ کی وعید ظاہر ہے۔ وہ بھی عالم برزخ ہی سے ہے۔ عام مفسرین اس پر ہیں کہ یہ امر اُمت کے لیے ہے۔ یعنی ہر ایک نبی اپنی امت کو متنبہ کرتا گیا تاکہ جونسی اُمت اس وقت موجود ہو اس پر عمل کرے۔ لیکن اس کے اسباب اس سے بالکل خلاف ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں سوائے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے اور کوئی امت تھی ہی نہیں۔ تو تمام انبیاء کی اُمتوں کا عمل مفقود ہو جاتا ہے۔ یہ وہ تاویل ہے جس کے سوا چارہ نہ ہو سکا۔ یہ وہ تفسیر ہے جو اپنے ضمیر کے محل سے اپنی رائے کے دروازہ پر مکاشف ہوئی۔ ورنہ صاف ظاہر ہے کہ سر سے ہی سے میثاق انبیائے کرام سے لیا گیا ہے۔ نہ امت کا ذکر اور نہ وقت پانے کی قید۔ اگر ذرا بھر تعمق نظر سے غور کیا جائے تو یہ سب اشکال حل ہو جاتے ہیں جس کی مثالیں موجود ہیں، اور عمل ظاہر۔ جیسے کہ لیلۃ الاسریٰ میں حضورؐ کی مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کی امامت لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ کا عمل اور تصدیق ہے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نماز میں تخفیف کرانے کی غرض سے حضورؐ کو بار بار دربار رب العزت میں تشریف لے جانے کے لیے عرض کرنا وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ کے مترادف ہے اور آپ کا یہ استفادہ مشہور و معروف اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

Marfat.com

یہ دونوں واقعات حدیث شریف کی اکثر کتابوں کے باب فی المعراج میں مذکور ہیں اور چونکہ حدیثیں طویل ہیں اس لیے اختصار کے پیش نظر صرف یہ حصہ بطور تصدیق درج ذیل ہے

..... وَقَدْ رَاَیْتُنِیْ فِیْ جَمَاعَۃٍ مِّنَ	(حضورؐ نے فرمایا) اور بیشک دیکھا میں نے اپنے تئیں انبیاء
الْاَنْبِیَآءِ فَاِذَا مُوْسٰی قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فَاِذَا	کی جماعت میں پس ناگہان موسیٰ کھڑے نماز پڑھتے ہیں
رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ کَاَنَّہٗ مِنْ رِّجَالِ	پس ناگہان موسیٰ ایک مرد ہیں میانہ قد مڑے ہوئے بالوں
شَنُوْءَۃَ وَاِذَا عِیْسٰی قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ	کے گویا کہ وہ مردوں شنوءہ کے سے ہیں اور ناگہان عیسیٰ
اَقْرَبُ النَّاسِ بِہٖ شَبَہًا عُرْوَۃُ بْنُ	بھی کھڑے نماز پڑھتے ہیں نزدیک ترین لوگوں کا ساتھ
مَسْعُوْدِ الثَّقَفِیُّ فَاِذَا اِبْرَاھِیْمُ قَآئِمٌ	ان کے مشابہت میں عروہ بن مسعود ثقفی ہے پس ناگہان
یُّصَلِّیْ اَشْبَہُ النَّاسِ بِہٖ صَاحِبُکُمْ	ابراہیمؑ بھی کھڑے نماز پڑھتے ہیں مشابہ ترین لوگوں کا ابراہیمؑ
یَعْنِیْ نَفْسَہٗ فَحَانَتِ الصَّلٰوۃُ	سے یار تمھارا ہے یعنی خود حضورؐ۔ پس آیا وقت نماز کا پس
فَاَمَمْتُھُمْ ..... رواہ مسلم	امام ہوا میں ان کا (مشکوٰۃ)

دوسری حدیث شریف:

..... ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَیَّ الصَّلٰوۃُ	(حضورؐ نے فرمایا) پھر فرض کی گئی مجھ پر نماز یعنی پچاس نمازیں
خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً کُلَّ یَوْمٍ فَرَجَعْتُ	ہر دن رات میں پس پھرا میں درگاہ رب سے پس گزرا میں موسیٰ
فَمَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی فَقَالَ بِمَآ اُمِرْتَ	علیہ السلام پر پس کہا موسیٰ نے ساتھ کس عبادت کے حکم کیا
قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِیْنَ صَلٰوۃً کُلَّ	گیا تو، کہا کہ حکم کیا گیا ہوں میں ساتھ پچاس نمازوں کے
یَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَکَ لَا تَسْتَطِیْعُ خَمْسِیْنَ	ہر دن میں کہا موسیٰ نے کہ یقیناً اُمت تیری نہیں ادا کرسکے گی
صَلٰوۃً کُلَّ یَوْمٍ وَّاِنِّیْ وَاللّٰہِ قَدْ جَرَّبْتُ	پچاس نمازیں ہر دن میں قسم اللہ کی تحقیق آزمایا ہے میں نے
النَّاسَ قَبْلَکَ وَعَالَجْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ	لوگوں کو پہلے تمہارے علاج کیا ہے میں نے بنی اسرائیل کا

Marfat.com

اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ
فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ فَرَجَعْتُ
فَوَضَعَ عَنِّیْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوْسٰی
فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّیْ
عَشْرًا فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوْسٰی فَقَالَ مِثْلَهٗ
فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّیْ عَشْرًا فَرَجَعْتُ
اِلٰی مُوْسٰی فَقَالَ مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ
عَنِّیْ عَشْرًا فَاُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ
كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوْسٰی فَقَالَ
مِثْلَهٗ فَرَجَعْتُ فَاُمِرْتُ بِخَمْسِ
صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ اِلٰی مُوْسٰی
فَقَالَ بِمَا اُمِرْتَ قُلْتُ اُمِرْتُ بِخَمْسِ
صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ اِنَّ اُمَّتَكَ
لَا تَسْتَطِيْعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ
وَاِنِّیْ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ
بَنِیْ اِسْرَآئِيْلَ اَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ
اِلٰی رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيْفَ لِاُمَّتِكَ
قَالَ سَاَلْتُ رَبِّیْ حَتّٰی اسْتَحْيَيْتُ وَ
لٰكِنِّیْ اَرْضٰی وَاُسَلِّمُ قَالَ فَلَمَّا جَاوَزْتُ

سخت علاج کرنا پس پھر جاؤ تم طرف پروردگار اپنے کے
اور درخواست کرو اللہ تعالیٰ سے تخفیف کی واسطے امت
اپنی کے پس پھر گیا میں پس موقوف کیں مجھ سے دس
نمازیں پس پھر پھرا میں طرف موسیٰ کے پس کہا موسیٰ نے
مانند اس کلام کے پس پھر گیا میں درگاہ خدا میں پس کم کیں مجھ
سے اور دس نمازیں پس آیا میں نزدیک موسیٰ کے پس کہا
مانند اس کے پس گیا میں پس کم کیں مجھ سے دس نمازیں۔ پھر
آیا میں موسیٰ کے پاس پس کہا مثل پہلے کلام کے پس پھر گیا
میں پس کم کیں مجھ سے دس نمازیں پس حکم کیا گیا میں ساتھ
دس نمازوں کے ہر روز پس آیا میں موسیٰ کے پاس پس
کہا مانند اسی کلام کے پس پھر گیا میں پس حکم کیا گیا میں ساتھ
پانچ نمازوں کے ہر روز پھر پھرا میں موسیٰ کی طرف پس
کہا موسیٰ نے کیا ارشاد ہوا میں نے کہا حکم کیا گیا میں پانچ
نمازوں کا ہر روز کہا موسیٰ نے یقیناً امت تیری نہیں طاقت
رکھیں گے پانچ نمازوں کی ہر روز اور تحقیق میں نے آزمایا ہے
لوگوں کو پہلے تم سے اور علاج کیا میں نے بنی اسرائیل کا
سخت ترین علاج پس پھر جا طرف رب اپنے کے اور سوال
کر اس سے تخفیف کا اپنی امت کے لیے کہا حضرتؐ نے کہ
سوال کیا میں نے اپنے رب سے یہاں تک کہ شرم زدہ ہوا میں و لیکن

Marfat.com

نَادٰی مُنَادٍ اَمْضَیْتُ فَرِیْضَتِیْ وَ خَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِیْ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ
(بخاری و مسلم ۔ مشکوٰۃ، باب فی المعراج)

راضی ہوں میں اور تسلیم کرتا ہوں میں فرمایا حضرت نے پس جب گزرا میں اس مقام سے آواز دی آواز دینے والے نے کہ جاری کیا میں نے فرض اپنا اور تخفیف کی میں نے اپنے بندوں سے

عالمِ آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن مومنین کے لیے جن کا اعتقاد صحیح ہوگا، دین کی بنیاد درست ہوگی اور ایمان نورِ رسالت سے منور ہوگا، شفاعت کی رو سے رحمت ہوں گے۔ منکرین کے لیے سخت حسرت کا دن ہوگا۔ سب تعلقات منقطع ہو جائیں گے حتیٰ کہ کل انبیاء بھی نفسی نفسی کہیں گے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمَّتِیْ یَارَبِّ اُمَّتِیْ کی صدا باذن اللہ تعالیٰ بلند کریں گے۔ آہ! اس دن علمائے سوء جن کے دلوں پر زنگ جم چکا ہے، حرفوں کی سیاہی قلب پر حجاب بن چکی ہے، صرف بظاہر جو بشریت کے لیے اسباب حجاب ہیں، سدِ راہ ہو چکے ہیں، دیکھ لیں گے اور کہیں گے کہ "کاش! اگر ضد پر نہ اڑے رہتے تو آج محروم نہ رہتے"۔ مگر بے سود۔ اور وہ اس لیے کہ اس دن کا اسلام و ایمان، تسلیم و ایقان خواہ پہاڑ کے برابر ہو، آج کے ذرہ بھر کے برابر بھی نہیں ہے۔

اور یہ انکار اور ضد دو وجہ پر ہے۔ ایک علم کی وجہ سے اور دوسرا جہالت کی رو سے۔ پہلا جو علم کی وجہ پر ہے اگر جان بوجھ کر ہے تو یہ ایسا مرض ہے جس کا علاج ناممکن ہے۔ اور یہ ایسی بلا ہے جو ٹلنے والی نہیں ہے۔ ایسی گمراہی ہے جس کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں، ایسی بیگانگی ہے جس کے لیے یگانگی روا ہی نہیں۔ یہ ایسی ضد ہے جو ہٹنے والی ہی نہیں اور ایسی نوشت ہے جو مٹنے والی ہی نہیں۔ کیونکہ یہ طبیعت کا اصل اور اس کی فرع ہے۔ ابوجہل و ابولہب وغیرہ کفارِ مکہ اور یہود اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر کہا کرتے کہ ہمیں اپنے بچوں کے اپنے ہونے میں تو یقین نہیں، کیونکہ ممکن ہے ہماری عدم موجودگی میں ہماری عورتوں نے کہیں اور جگہ سے حاصل کیے

Marfat.com

ہوں، لیکن اس میں شک و شبہ نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اپنے دعوی میں صادق ہیں، لیکن ہم ہرگز ایمان نہیں لا سکتے، اور نہ ہی لائیں گے۔ مولی کریم نے شروع کتاب مبین میں فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡھِمۡ	تحقیق جو لوگ کہ کافر ہوئے برابر ہے اوپر ان کے
ءَاَنۡذَرۡتَھُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡھُمۡ	کیا ڈرایا تو نے ان کو یا نہ ڈرایا تو نے ان کو نہیں ایمان
لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۝ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ	لائیں گے۔ مہر کی اللہ نے اوپر دلوں ان کے کے اور
وَعَلٰی سَمۡعِھِمۡ ؕ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِھِمۡ	اوپر کانوں ان کے کے اور اوپر آنکھوں ان کی کے
غِشَاوَۃٌ ۫ وَّلَھُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۝	پردہ ہے اور واسطے ان کے عذاب ہے بہت
(۲: ۶-۷۔ پ۱۔ س۲)	بڑا۔

اب یہ ایسا اشکال ہے جو خلاف سنت اللہ و خلاف قرآن الحمید اور خلاف عمل ہے۔ کیونکہ جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس حی القیوم کی طرف سے وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۝ (اور ڈرا قبیلے اپنے نزدیک والوں کو۔ پ۱۹۔ س۲۶) کا فرمان ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حسب الحکم ایک پہاڑی (کوہ صفا) پر تشریف لے گئے اور یَا مَعۡشَرَ الۡقُرَیۡشِ یَا مَعۡشَرَ الۡقُرَیۡشِ کی صدا بلند کی۔ اہل عرب کے لیے یہ ایک ایسی آواز تھی جیسے ہر ملک میں کسی مصیبت کے وقت امداد کی غرض سے پکارنا مروج ہے چنانچہ سب لوگ اس پہاڑی کے نیچے جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے دشمن آ رہا ہے تو تسلیم کرو گے۔ سب کے سب یک زبان ہوئے کہ ہم کو معلوم ہے کہ ساری عمر گزشتہ میں آپ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ ہم آپ کو صدیق محمدؐ، امین محمدؐ اور سعید محمدؐ جانتے ہیں اس لیے صرف اس بات کا یقین تو درکنار ہم از روئے تصدیق ایک مسلح ہو کر لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ تب جناب نے بحکم خدا فرمایا کہ مجھے اس قادر

Marfat.com

ذوالجلال والاکرام نے رسول بنا کر بھیجا ہے اور تبلیغ توحید کا حکم دیا ہے۔ تم اس پر ایمان لاؤ اور شہادت کے لیے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ کہو۔ سب کے سب مفرور ہو گئے اور ان میں کا ایک بھی مومن اور مسلمان نہ ہو سکا۔ سب نے انکار فاش کر دیا۔

اب قابل غور امر یہ ہے کہ انکار کی رُو سے سب کافر ہی تھے جن کے لیے خَتَمَ اللهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ الآیۃ (اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مُہر لگا دی) کا خطاب ہو رہا ہے، اور یہ محال ہے کیونکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے اصحاب کبار اور خالدؓ بن ولیدؓ جیسے شبیر جرّار جن کے ہاتھوں خلافِ اسلام جنگی کارنامے مشہور ہیں، بالآخر مشرف با سلام ہوئے۔ جن کے ذریعہ سے اسلام کا بول بالا ہوا، مشرق سے مغرب تک پرچم اسلام لہرا اٹھا تواریخ کے اوراق انہی کی جانکاہیوں کے ثنا خواں ہیں، اور قیامت تک رہیں گے۔

بعض لوگ خصوصاً عیسائی بے علمی کی وجہ سے قرآن الحکیم پر یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں جو سراسر لایعنی ہے کیونکہ اس رحیم و ودود نے اپنی سنت کے مطابق رسالت کو خلق کے لیے سرتاپا رحمت بنایا ہے اور دلوں کی تصدیق کے لیے سبیل۔ تو جب تک تصدیق بالقلب ہو جائے رسالت کا کام باقی رہتا ہے۔ اور کفر یعنی انکار کئی وجوہات سے تھا۔ بعض بے قرار کر دینے والے شک میں پڑے ہوئے تھے جن کو مذبذبین بھی فرمایا ہے:

مُّذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى	(کم بخت) بیچ میں ہی پڑے شک رہے ہیں۔ نہ
هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ (پ۔ ۱۴)	ان کی طرف ہوتے ہیں نہ ان کی طرف۔

بعض اپنے سرداروں اور قبیلوں کے سبب سے انکار کر رہے تھے بعض ڈر کے مارے اپنے ایمان کا اظہار نہ کر سکتے تھے:

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ	اور اگر نہ ہوتے مرد مسلمان اور عورتیں مسلمان

Marfat.com

مُؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ — نہیں جانتے تم ان کو یہ کہ کچل ڈالو تم ان کو پس

فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ — پہنچ جائے تم کو ان سے ایذا بے خبر۔

(۴۸: ۲۵ - پ ۲۶ - ع ۱۱)

اور بعض ایسے تھے جن کا ایمان دُنیوی عزت کے بحرِ ظلمات میں غرق ہو رہا تھا۔ ولید بن مغیرہ کا قصہ اسی کے مترادف ہے لیکن ان سب صورتوں میں خَتَمَ اللّٰهُ کا عمل جاری نہ ہوا۔ خَتَمَ اللّٰهُ صرف ان کافروں کے لیے مخصوص ہے جن کے دلوں نے تسلیم کر لیا تھا اور یقین ہو گیا تھا کہ واقعی یہ خدا کے سچے پیغمبر حق لے کر آئے ہیں۔ دیکھو فرمان ایزد متعال فرعون اور اس کی قوم کی نسبت کس زور سے شاہد ہو رہا ہے:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ — ان کے دلوں نے تو ان کا یقین کر لیا مگر انہوں نے

ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ (۲۷: ۱۴ - پ ۱۹ - ع ۱۶) — بے انصافی اور غرور سے انکار کیا۔

تو مان لینے یا خفیہ ایمان لانے اور تصدیق قلب ہو جانے کے بعد ضد اور غرور سے انکار کرنا خَتَمَ اللّٰهُ کا سبب ہوتا ہے کیونکہ اب رسالت کا کام ختم ہو چکا، تصدیق رسالت کا حق تھا ادا ہو چکا۔ اب ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا مساوی ہو گیا۔ مطابق آیات بینات اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ صراط المستقیم سے اعراض کرنے والوں، حق کو پہچان کر اعراض کرنے والوں، دنیا کی زندگی کو آخرت کی حیاتی پر ترجیح دینے والوں کو آگاہ کرنے کے لیے اعتراض کو رفع کرنے کے لیے، اختلاف کلام کو مٹانے کے لیے، ہوائے نفس میں غرق شدہ کو بچانے کے لیے، اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کی خواب سے جگانے کے لیے تطبیق قرآن مجید کے سلجھانے کے لیے کیا ہی اچھا اور بیّن فیصلہ دیا ہے:

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ — بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو

Marfat.com

اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰی سَمْعِہٖ وَقَلْبِہٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِہٖ غِشٰوَۃً ؕ فَمَنْ یَّھْدِیْہِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰہِ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ○ (پ۲۵ - س۱۹)

معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) خدا نے بھی اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مُہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ پس کون ہدایت کرے گا اس کو پیچھے اللہ کے۔ کیا پس نہیں نصیحت پکڑتے تم۔

لیکن یہ ان لوگوں کی نسبت کا ذکر ہے جنہوں نے جان بوجھ کر ضد اور غرور و تکبر کے رو سے انکار کیا اور اپنی خواہش کے پردہ میں محجوب رہنے کی وجہ سے کافر ہی رہے۔ سوائے اس کے ان کو مزید علم حاصل نہ ہُوا اور نہ ہی اسلام کی برکات اور نورِ ایمانی سے حصّہ ملا۔

دوسرا انکار جہالت کی وجہ سے ہے جو اہلِ اسلام کی طرف سے پیدا ہُوا ہے اور اس میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو قرآن مجید اور احادیث شریف کے اختلافات کی تطبیق سے عاجز ہیں۔ چونکہ انسانی قاعدہ ہے کہ جس چیز سے اس کو حصّہ نہ ہو، جس شئے کی نسبت اس کے قلب میں اثر نہ رکھتی ہو، مطابقت و مناسبت کا ظہور اس کی زبان سے ظاہر نہیں ہو سکتا لیکن ان کا نورِ ایمانی کسی طرف حکم لگانے کے لیے مقتضی نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں وہ کسی مؤاخذہ کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن آج کل یہ لوگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اثبات توحید کے لیے حق و ناحق دونوں کا انکار کر دیتے ہیں۔ قرآن مجید و حدیث شریف سے بجائے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم

بیان کرنے کے نفیٔ علم کی آیات و احادیث منتخب کرتے ہیں۔ اور گستاخانہ و بے باکانہ کلماتِ خبیثہ سے اپنے انکار پر مصر ہیں۔ طبقۂ جہلاء نے بوجہ مطابقت و مناسبت ان سے موافقت کر رکھی

Marfat.com

ہے۔ اور ان کے اقوال کی نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سوائے وحی جلی کے کچھ بھی علم نہ تھا" حالانکہ یہ مطابق:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ	اور کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ خدا اس سے
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ	بات کرے مگر الہام کے ذریعے سے یا پردے کے
يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ	پیچھے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ خدا کے حکم
(۴۲: ۵۱ ۔ پ ۲۵ ۔ ع ۶)	سے جو خدا چاہے القا کرے۔

نص کے خلاف ہے۔

نیز رحمۃ للعالمین خاصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (سخت تعجب سے حیرانگی ہے کہ) کس قدر سخت انکار ہے۔ امید اغلب بلکہ یقین ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین خاصہ رب العالمین تو مانتے ہی ہوں گے، اور یہ بالکل درست ہے۔ لیکن توسل اور اسباب کا انکار مسبب کا انکار ہے۔ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ یہ مناظرہ (جو آج مجادلہ اور مکابرہ کی صورت اختیار کر چکا ہے) کا نتیجہ اور ثمر ہے۔ کیونکہ مجادلہ اور مکابرہ میں خواہ ایمان بھی نہ رہے، پرواہ نہیں کی جاتی۔ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ[1]

اس میں شک نہیں کہ انبیائے کرام کے حال سے عام مومنین تو درکنار کسی ولی اللہ کو بھی کماحقہ علم نہیں ہے۔ لیکن جن کو اس آفتاب نبوت سے (خواہ ذرہ کی مقدار ہی کیوں نہ ہو) روشنی نصیب ہوئی ہے وہ تسلیم ہی کریں گے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اکسیر ہدایت (کیمیائے سعادت) میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "یہ ظاہری علم مانند تالاب کے ہے اور باطنی مثل چشمہ کے جو زیر زمین ہے، جب تک تالاب کا پانی نکال نہ دیا جائے اور اس کو نیچے سے کریدا نہ جائے چشمہ کا پانی آنا محال ہے۔"

---

[1] افسوس ہے بندوں پر۔

Marfat.com

بھائی! علم اجمالی صورت کے لحاظ سے تین نوع پر منقسم ہے۔ ایک ظاہری، جس میں عوام و خواص سب مشترک ہیں۔ جیسے آیات محکمات، احکام اوامر و نواہی، بشارت و نذارت وغیرہم۔ دوسرا علم باطنی ہے جو صرف خاصوں کا حصّہ ہے، عوام اس کے حامل نہیں ہو سکتے۔ اور تیسرا علم وہ ہے جو بندہ اور خدا کے درمیان ہے۔ نہ تو اس کا ذکر عام سے ہو سکتا ہے اور نہ خاص سے۔ پہلا ظاہر علم سے ہے، دوسرا علوم باطنیہ سے اور تیسرا اسرار الٰہیہ سے ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ فیکم واما الاخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم یعنی مجری الطعام رواہ البخاری (مشکوٰۃ، کتاب العلم)	فرمایا کہ محفوظ کیں (یاد کیں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تھیلیاں (علم کی)۔ ایک کو میں نے پھیلا دیا تم میں۔ اور دوسری، اگر میں پھیلاؤں اس کو تو میری رگ گردن کاٹ دی جائے۔

معاملات کی رو سے عمل اسی پر ہے۔ حسب الحکم ذوالجلال والاکرام حسب استعداد ہر ایک کو تعلیم ہوئی، اور یہ سنت اللہ اسی طرح جاری ہے اور جاری و ساری رہے گی۔ اسی معاملہ کی وجہ سے بالکل ظاہر کے میدان میں دوڑنے والوں کو اعتراضات کا موقع ملا، اور اسی وجہ سے انہوں نے انبیاء اور اولیاء کے حال کو اپنے حال کی مانند سمجھا۔ اسی لیے ان کا علم ان کے لیے حجاب اور سدِّ راہ ہو گیا اور جہالت کے باعث ان کو انکار ہی آسان معلوم ہوا۔ چنانچہ اعتراضات کے ڈھانچے میں ایسے اشکال پیدا کر دیے جو بالکل لایعنی ہیں۔ مثلاً حدیث شریف تنام عیناي ولا ینام قلبي[1] کے جواب میں کہا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بیدار ہی رہتا تو

---

[1] میری آنکھیں سو جاتی ہیں اور دل نہیں سوتا۔

Marfat.com

لیلۃ التعریس کے موقع پر مع صحابہ کرام آپ کی نماز فجر قضا نہ ہوتی ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

اگر کوئی آریہ یا نصرانی یہ اعتراض کرتا تو اُسے زیبا بھی تھا۔ لیکن تُف ہے ایسی مسلمانی پر جو اپنے پیغمبر کی زندہ دلی کی بھی قائل نہیں۔

عزیز من! اگر کچھ نور ایمانی ہے تو اس کے لیے یہی حدیث شریف کافی ہے کہ میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن دل نہیں سوتا۔ اور آپ کی نیند ناقض وضو بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔ تو ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز نہ قضا ہوئی نہ ہو سکتی تھی، اور یقیناً آپؐ نے پڑھی ہے[1]۔ یہ واقعہ حدیث شریف میں ان الفاظ سے ذکر ہوا ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ عَرَّسَ رَسُوْلُ	روایت ہے زید بن اسلمؓ سے کہا کہ اترے رسول خدا
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً	صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیچ آخر رات کے مکہ کے راہ میں
بِطَرِيْقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا اَنْ يُّوْقِظَهُمْ	اور حکم کیا بلالؓ کو یہ کہ جگا دے ان کو واسطے نماز کے پس
لِلصَّلٰوةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَّرَقَدُوْا حَتّٰى	سو گیا بلال اور سو گئے لوگ یہاں تک کہ جاگے اس حال
اسْتَيْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ الشَّمْسُ	میں کہ تحقیق طلوع ہوا ان پر آفتاب پس جاگے لوگ پس
فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَزِعُوْا فَاَمَرَهُمْ	تحقیق گھبرا گئے پس حکم کیا ان کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	نے یہ کہ سوار ہوں یہاں تک کہ نکلیں اس جنگل سے اور فرمایا
اَنْ يَّرْكَبُوْا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ ذٰلِكَ	تحقیق یہ جنگل ہے کہ مسلط ہے اس میں شیطان پس سوار ہو گئے
الْوَادِيْ وَقَالَ اِنَّ هٰذَا وَادٍ بِهٖ شَيْطٰنٌ	حتیٰ کہ نکلے اس جنگل سے پھر حکم کیا ان کو پیغمبر خدا صلی اللہ

[1] یہ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۹۹ پر درج ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

فرکبوا حتی خرجوا من ذلک الوادی
ثم امرھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم ان ینزلوا وان یتوضؤا و
امر بلالا ان ینادی للصلوۃ او
یقیم فصلی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بالناس ثم انصرف
وقد رای من فزعھم فقال یایھا
الناس ان اللہ قبض ارواحنا ولو
شاء لردھا الینا فی حین غیر ھذا
فاذا رقد احدکم عن الصلوۃ او
نسیھا ثم فزع الیھا فلیصلھا کما
کان یصلیھا فی وقتھا ثم التفت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی
ابی بکر ن الصدیق فقال ان الشیطن
اتی بلالا وھو قائم یصلی فاضجعہ ثم
لم یزل یھدئہ کما یھدأ الصبی
حتی نام ثم دعا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بلالا فاخبر بلال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل

علیہ وسلم نے یہ کہ اتریں اور وضو کریں اور حکم کیا بلال کو
کہ اذان کہے واسطے نماز کے اور تکبیر کہے پس نماز پڑھی
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتھ لوگوں کے پھر
پھرے اور دیکھی گھبراہٹ ان کی پس فرمایا اے لوگو!
تحقیق اللہ نے قبض کی تھیں روحیں ہماری اور اگر چاہتا
البتہ پھیرتا ان کو طرف ہماری بیچ غیر اس وقت کے
پس جس وقت کہ سو جائے ایک تمہارا نماز سے یا بھول
جائے نماز سے پس گھبرائے طرف اس کی پس چاہیے کہ
پڑھے اس کو جیسا کہ تھا پڑھتا اس کو وقت اس کے
پس پھر التفات کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
طرف ابی بکر صدیق کے پس فرمایا تحقیق شیطان آیا بلال رضی
کے پاس اور وہ کھڑا نماز پڑھتا تھا پس تکیہ لگوایا اس کو
پھر بڑی دیر تک تھپکتا رہا اس کو جیسے تھپکا جاتا ہے
لڑکا یہاں تک کہ سویا وہ۔ پھر پکارا رسول خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے بلال کو پس خبر دی بلال رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانند اس چیز
کی کہ خبر دی تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر
رضی اللہ عنہ کو پس کہا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
گواہی دیتا ہوں میں یہ کہ بے شک آپ رسول ہیں اللہ

Marfat.com

اَلَّذِیْٓ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبَا بَکْرٍ فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ رَوَاہُ مَالِکٌ مُرْسَلًا۔

تعالیٰ کے۔ روایت کی یہ مالک نے بطریق ارسال کے۔

(مشکوٰۃ)

دیکھیے! خود اسی حدیث شریف سے جو نفی علم کے لیے پیش کی جاتی ہے، صاف ظاہر ہے کہ آپ اس حال میں بھی سب حالات سے باخبر اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شیطان کے تصرف سے ایسا علم رکھتے تھے کہ گویا آپ دیکھ رہے ہیں اور اسی اطلاع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی تصدیقِ رسالت کو دوہرایا۔ لیکن بایں ہمہ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ نماز ادا کی اور وہ اس لیے کہ حکم ظاہر شریعت کے مطابق ہے، حال پر نہیں۔ صاحب حال کو حسب استعداد خواہ مخواہ تقلید حاصل ہوا کرتی ہے۔ لیکن جو صاحب حال نہ ہو اس کے لیے حال کی تقلید حرام ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا نہ کرتے تو صاحب حال کے لیے حجت ہو جاتی، سنت بن جاتی، اور ان جہلاء کے لیے دلیل بن جاتی جو آج اس بات کے مدعی ہیں کہ ہم ہر وقت نماز ہی میں رہا کرتے ہیں [1]۔ اور ایک حکمت اس میں یہ تھی کہ اگر یہ واقعہ

---

[1] خیال ہے کہ شاید عوام اس لطیف اشارہ کو نہ سمجھ سکے ہوں لہٰذا اس کی تفہیم کے لیے مثالاً ایک واقعہ نقل کرتا ہوں: حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "ایک دفعہ ہم اعلیٰحضرت قدس سرہ کے ہمراہ کسی سفر میں تھے اور اثنائے سفر میں آپ گاڑی پر استراحت فرما رہے تھے۔ جب نماز کا وقت آیا تو ہم نے نماز ادا کر لی اور اعلیٰحضرت کو مطلع کرنے کی کسی نے جرأت نہ کی لیکن جب نماز کا وقت تنگ ہو جانے کا خطرہ لاحق ہوا تو ہم نے قدرے بلند آواز سے اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کہا۔ آپ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا "نماز تو ہم پڑھ چکے ہیں لیکن ظاہراً ادا کرنا بھی ضروری ہے"۔ چنانچہ آپ نے وضو فرما کر نماز ادا کی"۔
اب ہم اس حالی کیفیت کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے تاوقتیکہ صاحب حال نہ ہو جائیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جب امت کے متاخرین میں سے ایک صاحب حال کی یہ کیفیت ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی شان یہ ہے کہ تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ، چنانچہ آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیفیت بھی اسی حال میں معلوم کر لی تو یقین ہے آپ نے اپنے حال میں ضرور نماز ادا کر لی ہو گی لیکن چونکہ حالی کیفیات کا اظہار عوام کے سامنے منع ہے اس لیے علی الاعلان ادا فرمایا اور صاحب حال خود بخود سمجھ لیتے ہیں کَمَا ذُکِرَ ۱۲ محمد یوسف کاتب عفی عنہ۔

Marfat.com

پیش نہ آتا تو عوام کے لیے نیند کی حالت میں نماز کا وقت گزر جانے کی صورت میں سخت مشکل کا سامنا ہوتا۔

نفی علم میں ایک ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ "حضور پوچھتے تھے" یہ کھجور صدقہ کی ہے یا نہیں"؟ سو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اگر آپ کو علم ہوتا تو دریافت کیوں فرماتے"۔

اس کے جواب کے لیے مولیٰ کریم کے کلام پاک نے ہم کو آزاد کر دیا ہے یعنی جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو وادی مقدس میں ذات باری تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف بخشا گیا تو اُس عزیز الحکیم علیمٌ بذات الصدور نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریافت فرمایا:

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ۝ قَالَ — اور تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ؟

هِيَ عَصَايَ (۲۰: ۱۷-۱۸ - پ ۱۶ - ع ۱) — کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے۔

تو اس سے نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ ذٰلِكَ یہ لازم آتا ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ کو خبر ہوتی تو کیوں دریافت فرماتے"؟ ——— اے بھائی! اس مالکِ کون و مکان سے خوف کرنا چاہیے کہ اس کی غیرت کی شمع ہر وقت جل رہی ہے، مبادا تیرے پروانۂ ایمان کو جلا کر راکھ نہ کر دے۔

میرے عزیز! پہلے گزر چکا ہے کہ مطابق سنت اللہ علم تین نوع پر منقسم ہے۔ ایک ظاہری جس کا حکم ظاہر کی طرف ہے۔ دوسرا باطنی، جس کا حکم بطن کی جانب ہے۔ اور تیسرا جس کا حکم نہ ظاہر کی طرف ہے نہ باطن کی طرف، اور وہ معاملہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بس ہے۔ چونکہ اس کا حکم ظاہر کی طرف تھا اس لیے باوجود جاننے کے فرمایا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ جس سے مقصود تصدیق اور علم حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھا، نہ کہ اپنی ذات کے لیے علم، جو رفع جہالت کے لیے ہوا کرتا ہے۔ اور مفاد اس کا یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام خوب جان لیں کہ یہ میرا عصا ہے۔ پھر

Marfat.com

حکم دیا اَلْقِ عَصَاكَ۔ (ڈال دے عصا اپنا) جب ڈال دیا تو وہ اژدہا بن گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے۔ فرمایا خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى یعنی ڈرو نہیں بلکہ اسے پکڑ لو۔ ہم اس کو اپنی اصلی پہلی حالت پر جس سے آپ کو تصدیق اور علم کرا چکے ہیں، لوٹا دیں گے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دریافت فرمانا تصدیق علم غیر کے لیے تھا۔ اور مقصد اس میں یہ تھا کہ میری طرف سے حدیث ہو۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کھجور صدقہ سے ہے یا نہیں؟ اور فرمایا کہ یہ اہل بیت پر حرام ہے تاکہ تفصیل کے ساتھ تاقیامت دلیل ہو۔

نیز واقعۂ افک کے متعلق جو بے سمجھ اعتراض رکھتے ہیں کہ "اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوتی تو آپ اس قدر پریشان نہ ہوتے۔"

اگر ضمیر کے ترازو میں کچھ بھی ایمان وزن رکھتا ہو تو بالکل عیاں ہے کہ آپ کی پریشانی محض انتظار وحی کے لیے تھی۔ اور دوسرے اس بہتان کی وجہ سے تھی جو افتراء پردازوں نے بے دلیل غل مچا رکھا تھا، بلا ثبوت شور برپا کر رکھا تھا۔ جس کی نفی بعد میں بڑے غیظ و غضب سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کلام پاک کی سورۂ نور کے دو رکوع میں کی گئی۔ اگر آپ کو علم کی بنا پر تسلی و تشفی نہ ہوتی تو اس بہتان کے سبب سے جو عوام میں محل یقین تک پہنچ چکا تھا، آپ کی غیرت فوراً طلاق کی مقتضی ہوتی۔ لیکن بخلاف اس کے حدیث شریف میں اس طرح بیان ہے کہ:

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کون ہے
من یعذرنی من رجل بلغنی اذاہ	یا کوئی ایسا ہے جو اس کا بدلہ لے اس آدمی سے
فی اھلی فواللہ ما علمت فی اھلی الا	جس نے میرے اہل (بیوی) کی بابت مجھے ایذا دی ہے
خیرا وقد ذکر رجلا ما علمت علیہ	پس قسم ہے اللہ کی کہ مجھے اپنی بیوی کی بابت علم ہے
الا خیرا۔ (بخاری۔ کتاب الشہادات، باب	کہ وہ نیک اور پاک ہے۔ اور جس مرد (صفوان) کا

Marfat.com

(تعدیل النساء) ذکر کرتے ہیں وہ بھی پاک ہے۔

آپ کی غیرت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اُمہات المومنین کا ذرا سا خیال زینتِ دنیا کی طرف مبذول ہونے سے کیا کچھ ہُوا تھا۔ حتیٰ کہ آپؐ نے مہینہ بھر کے لیے ایلا کیا اور مشہور ہو گیا کہ شاید آپ نے طلاقیں ہی دے دی ہیں۔ قرآن مجید، حدیث شریف اور کتب سیر و تاریخ سب اس پر شاہد ہیں۔

اَلعِلمُ حِجَابُ الاَکبَر[1] کے طوفان میں غرق اور حقیقت سے بے بہرہ، روشنی کو اندھیرا اور اندھیرے کو روشنی سمجھنے والے، کفر کو اسلام اور اسلام کو کفر جانتے والے صاحبان قرآن مجید میں سے نفی علم غیب کی دلیل ثابت کرنے کے لیے بالخصوص سُورۂ یوسف کو اپنا معیار قرار دیتے ہیں اور اپنے خیال سے تفسیر کرتے ہوئے شیطان کو اپنا معاون و مددگار پکڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اگر حضرت یعقوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب من اللہ ہوتا تو اتنا عرصہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہجر و فراق میں کیوں روتے رہتے"۔

افسوس! اگر انصاف کو مدّنظر رکھتے اور نورِ ایمانی کا ایک ذرہ بھی روشن ہوتا تو حقیقت سے اندھوں کو صاف نظر آ جاتا کہ یہ سورۃ نفی نہیں بلکہ انبیاء کو من اللہ علم غیب ہونا ثابت کر رہی ہے۔ لیکن بقول شاعرے ؎

ہرگز بکعبہ نرسی اے اعرابی!
کیں راہ کہ میروی بترکستان ست

کے مصداق بن کر الٹ سمجھ رہے ہیں۔

مولیٰ کریم اپنا فضل و کرم فرما کر اگر ہدایت کی طرف راہ نمائی فرمائیں تو شروع قصہ ہی سے صاف

---

[1] علم بہت بڑا حجاب ہے۔

Marfat.com

[م]علوم ہو رہا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیٹوں نے سوال کیا کہ یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ہمارے ساتھ سیر و شکار کے لیے روانہ فرمائیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہی جواب دیا جو آگے چل کر وہ بہانہ کرنے والے تھے۔ یعنی حضرت یعقوبؑ نے اشارۃً ان کو ان کے ارادہ سے مطلع فرما دیا۔ گویا آپ کا آئندہ کی خبر سے خبردار ہونا قرآن مجید سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے:

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ (۱۲: ۱۳۔ پ۱۲۔ س۱۲)

انہوں نے کہا کہ یہ امر مجھے غمناک کر دیتا ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

چنانچہ بیٹوں نے آکر یہی جواب دیا:

قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ج (۱۲: ۱۷۔ پ۱۲۔ س۱۲)

کہنے لگے کہ ابا! ہم تو ایک دوسرے سے آگے نکلنے کو دوڑنے لگے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔

پھر بیٹوں کا یہ بہانہ:

وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ط

کہ ان کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا لہو بھی لگا لائے۔

دیکھ کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا:

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط (۱۲: ۱۸۔ پ۱۲۔ س۱۲)

کہا یعقوب علیہ السلام نے بلکہ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک بات بنائی ہے۔

اب ان آیات بینات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر صاحب عقل ضرور تسلیم کرے گا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو اس بات سے آگاہ کیا جو ابھی ہونے والی تھی اور پھر یوسف علیہ السلام

Marfat.com

کو بھیڑیے کے کھانے کی خبر سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام کا بنائی ہوئی بات جاننا من اللہ علم غیب پر مطلع ہونے کی صریح دلیل ہے۔

۲۔ برادران حضرت یوسف کا بن یامین کو بموجب حکم عزیزِ مصر میں لے جانا، اور وہاں چوری کے الزام میں پکڑا جانا، اور برادرانِ یوسفؑ کا باپ کو آکر بتانا، اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ[1] فرمانا، اور بن یامین کو اس اتہام سے پاک جاننا، ہر صاحب دانش اس بات سے اندازہ کرسکتا ہے کہ سوائے علم کے پیغمبر کی زبان سے جو مسلمانوں کے عقائد کے رو سے معصوم ہیں، ایسی بات بالکل نہیں نکل سکتی۔

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ برادرانِ یوسف تو اس مقدمہ میں بالکل بے گناہ بلکہ بے خبر تھے۔ اس لیے صاف طور پر ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام کے حال سے آگاہی تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اس تدبیر سے کوئی حجاب نہ تھا۔ اور آپ کا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ فرمانا انہی کے حق میں تھا۔

۳۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا:

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ (۱۲: ۸۳۔ پ ۱۳۔ ع ۴)	پس صبر بہتر ہے بشتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئے گا میرے پاس ان سب کو اکٹھا۔

اور پھر:

اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۲: ۸۶۔ پ ۱۳۔ ع ۴)	میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

فرمانا۔ ان آیات قرآنی کو بنظر نورِ ایمانی ملاحظہ کیا جائے تو ہر ذی عقل اور صاحبِ حیا کو ماننا

[1] بلکہ تمہارے نفس نے تم کو کچھ حیلہ بنا دیا۔

Marfat.com

پڑے گا کہ حضور کو بعطائے الٰہی حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق پورا علم تھا۔

۴۔ حضور کا بیٹوں کو یوسف علیہ السلام اور بن یامین کی تلاش کے لیے بھیجنا اور

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ		اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی

وَاَخِیْهِ وَلَا تَایْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ		کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہو

(۱۲: ۸۷۔ پ ۱۳۔ ع ۴)

فرمانا کیا یہ لاعلمی کی دلیل ہے؟ باوجودیکہ بیٹوں نے صاف عرض کر دیا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اگر حضرت یعقوب علیہ السلام کو بقول مخالف حضرات لاعلمی تھی تو بیٹوں کو یوسف علیہ السلام اور بن یامین دونوں کی جستجو میں بھیجنا چہ معنی دارد؟ اب انکار کا موقع ہر اس صاحب ایمان کو جسے کچھ خوف خدا ہے نہیں مل سکتا۔

۵۔ پھر جب قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو آپ نے فرمایا:

اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ		کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ بڑھاپا بہک گیا ہے تو مجھے

تُفَنِّدُوْنِ ○ (۱۲: ۹۴۔ پ ۱۳۔ ع ۵)		یوسف کی بو آ رہی ہے۔

چنانچہ جب بشیر نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص لا کر روئے مبارک پر ڈالا تو آپ بینا ہو گئے اور فرمایا:

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ		کیا میں نے تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ میں خدا کی طرف

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (۱۲: ۹۵۔ پ ۱۳۔ ع ۵)		سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

صاف نظر آتا ہے کہ ریح یوسفؑ کا دور دراز مسافت سے معلوم ہونا اور آپ کا یہ برملا کہہ دینا کہ میں اللہ تعالیٰ سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، علم کی واثق دلیل ہے۔

۶۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قمیص دے کر بشیر کو روانہ کرنا اور فرمانا:

Marfat.com

اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا فَاَلۡقُوۡهُ عَلٰى وَجۡهِ اَبِىۡ يَاۡتِ بَصِيۡرًا‌ ۚ (پ ۱۳ - ۴) یہ میرا قمیص لے جاؤ اور اسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو تو وہ بینا ہو کر آ جائیں گے۔

اس آیت قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تھا کہ جب کرتہ منہ پر ڈالا جائے گا تو آپ بصیر ہو جائیں گے، اور اس سے انکار کوئی صاحب ایمان نہیں کر سکتا۔ تو ثابت ہوا کہ علم غیب پیغمبروں اور نبیوں کو مولیٰ کریم عطا فرماتے ہیں۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ علم غیب کی نفی کرنے والے صاحبان نبیوں اور مرسلوں کے حال کو اپنی حالت پر متصور کرتے ہوئے محض اسی ضد پر دہ کر اصل معاملہ سے اعمیٰ اور ناواقف ہیں۔ ان بزرگ ہستیوں پر اپنے ضمیر کو مدنظر رکھتے ہوئے اعتراض کرتے وقت حیا سے کام نہیں لیتے۔ ورنہ ہر اہل ایمان کے لیے یہ بات عیاں ہے کہ نبی اور رسول تو در کنار اولیاء اللہ بھی مامور ہوتے ہیں اور باوجود علم ہونے کے حکم خداوندی سے ایک قدم بھی باہر نہیں رکھ سکتے۔

مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کو ہی ملاحظہ فرمایا جائے تو اس کی نسبت کوئی اشکال نہ رہ جائے گا۔ ایک لمحہ کے لیے فرض کر لیا جائے کہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی نسبت علم نہ تھا۔ لیکن یوسف علیہ السلام کو تو ابا جان کی نسبت بخوبی علم تھا۔ مانا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پہلے غلامی کی پابندیوں میں جکڑے ہوئے تھے، یا قیدی ہونے کی وجہ سے معذور تھے اور خبر نہ دے سکتے تھے۔ لیکن اقتدار حاصل ہونے کے بعد بھی خبر تک نہ کی بلکہ جب برادران غلہ لینے کی غرض سے مصر میں تشریف لائے تو بھی اطلاع نہ دی اور نہ ہی والد صاحب (حضرت یعقوب علیہ السلام) کو کوئی پیغام بھیجا۔ صرف دوبارہ آتے وقت بھائی (بن یامین) کو ہمراہ لانے کی تاکید کر دی۔ پھر جب حضرت بن یامین ہمراہ تشریف لائے تو پھر بھی رخصتی کے وقت بھائیوں سے یہ نہ کہا کہ بن یامین میرا بھائی ہے اسے میرے پاس رہنے دو، بلکہ ان کو اپنے پاس

Marfat.com

رکھنے کے لیے بحکم الٰہی یہ تدبیر کی کہ صواع الملک یعنی بادشاہ کا پیمانہ (پانی پینے کا پیالہ) چپکے سے ان کے رحل میں رکھ دیا۔ جس کے متعلق مولیٰ کریم عزیز الحکیم فرماتے ہیں:

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ — اسی طرح ہم نے یوسف کے لیے یہ تدبیر کر دی۔
لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ — ورنہ وہ اپنے بھائی کو شاہی قوانین کے لحاظ سے
اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ (۱۲: ۷۶ - پ۱۳ - ع۳) — اپنے پاس نہ رکھ سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ من اللہ اظہار کی اجازت ہی نہ تھی۔ اور جب احکم الحاکمین کی طرف سے اجازت ہو گئی تو فوراً بتا دیا کہ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ (یہاں میں یوسف ہوں علیہ السلام اور یہ میرا بھائی ہے) اور فرمایا:

وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (پ۱۳ - ع۴) — اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔

ان امور سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مامور من اللہ نبی مرسل اور اولیاء اللہ باوجود علم ہونے کے حکم خداوندی کے سوا اظہار نہیں کر سکتے۔ تو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی شان تمام انبیاء سے ارفع و اعلیٰ ہے، بلکہ تمام انبیاء آپ کے مقابلہ میں امتی کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ کے علم پر گفتگو کرنا اور اعتراض کرنا کہ آپ کو علم نہ تھا، سراسر نادانی اور جہالت ہے۔

اے بھائی! انکار کا تو کوئی علاج ہی نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب پر احادیث تو درکنار نص قطعی یعنی کلام اللہ سے کافی شہادت ہے۔ اگر کچھ صراط المستقیم کی ضرورت اور حق کی طلب ہے، اگر کچھ خوف خدا ہے تو ضد کو چھوڑ کر پنبۂ غفلت کو دل کے کانوں سے نکال دے اور چشم بصیرت کو کھول کر دیکھ کہ مولیٰ کریم کیا ارشاد فرما رہے ہیں:

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ — اور ہمیشہ رہے گا تو خبردار ہوتا ان کی خیانت سے
اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ — مگر تھوڑے ان میں سے پس معاف کر ان سے

Marfat.com

وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝	اور درگزر کر۔ بے شک اللہ دوست رکھتا ہے
(۵: ۱۳ - پ۶ - ع۷)	احسان کرنے والوں کو۔

اور فرمایا:

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا	اے اہل کتاب! بیشک آیا ہے تمہارے پاس
يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ	رسول ہمارا بیان کرتا ہے واسطے تمہارے بہت
مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ	اس چیز سے کہ تھے تم چھپاتے کتاب میں سے اور
جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝	درگزر کرتا ہے بہت سے۔ بیشک آیا تمہارے پاس
(۵: ۱۵ - پ۶ - ع۷)	اللہ کی طرف سے نور اور کتاب بیان کرنے والی۔

دوسری جگہ سورۂ تحریم میں فرمایا:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ	اور جب نبی نے چھپا کر اپنی بعض بی بی سے ایک
حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ	بات کہی پھر جب اس بی بی نے خبر دی اس بات کی
اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ	اور خدا نے اس بات سے پیغمبر کو آگاہ کر دیا تو پیغمبر
عَنْ بَعْضٍ ۚ - (۶۶: ۳ - پ۲۸ - ع۱۹)	نے کچھ تو جتائی اور کچھ نہ بتائی۔

یہ آیات اس امر کی دلیل ہیں کہ مولیٰ کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منافقین کے تمام مخفی رازوں، شرارتوں اور خیانتوں سے مطلع تو فرما دیا لیکن آپ نے مناسب صورت حالات کو رکھتے ہوئے کچھ تو اظہار کر دیا اور جو اظہار کے قابل نہ تھا اس کو مخفی ہی رکھا۔

قرآن مجید کا نزول کئی وجہ پر ہوا ہے اور کئی نوع پر منقسم ہے۔ ان سب صورتوں کا اجمالی بیان تین طرح پر واضح ہے جن کا عمل مختلف ہے: محکمات[۱]۔ متشابہات[۲] اور مقطعات[۳]۔

(۱) **محکمات**: جن کے متعلق هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ (وہ اصل کتاب ہیں) فرمایا گیا ہے۔ اس حصہ

Marfat.com

کا حکم بظاہر احکام پر مبنی ہے۔ یعنی اوامر و نواہی، حلال و حرام، معاملات، جزا و سزا فی الدنیا و فی الآخرہ ہے جس کے معانی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عمل کے میدان میں کچھ اختلاف ہے جس کا مفاد اس کے وجودی عمل کے اثبات پر ہے۔ خواہ فرع آپس کی ضد کے باعث بلائے جان اور سدِ راہ ہی کیوں نہ ہو جائے اصل کے خلاف کا مقتضی نہیں ہو سکتا۔

(۲) متشابہات: جن میں کئی معنوں کا احتمال ہو سکتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ	اور متشابہات بھی ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں
قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ	کجی ہے وہ تو متشابہات کے درپے ہوتے ہیں کہ
مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ	فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں۔ اور مراد
وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ	اصلی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ
فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ	علم میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں ایمان لائے ہم ساتھ
عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا	اس کے۔ ہر ایک ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ اور
الْاَلْبَابِ ۝ (۳:۷۔ پ ۳۔ ع ۹)	عقل والے لوگ ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔

(۳) مقطّعات: ان کے معانی کو سوائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاص الخاص متبعین بندگانِ خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

محکمات تو عوام کے لیے ہے اور متشابہات خواص کے لیے جن پر منجانب اللہ علم کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے واقعۂ معراج، حضرت آدم علیہ السلام کی جنت میں سکونت، شجرۂ ممنوعہ اور ہبوط و مثلہا۔ لیکن مقطعات خاص الخاص مرسلین کے لیے ہے۔ جیسے فرمایا:

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝	پس وحی کی اپنے بندے پر جو وحی کی۔

غور کیجیے، باوجود تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ ہونے کے یہاں اجمالاً بھی ذکر نہیں فرمایا گیا۔

Marfat.com

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ کتاب اللہ تبیاناً لکل شیٔ یعنی ہر ایک چیز کو بیان کرنے والی ہے لیکن یہ کہاں ثابت ہے کہ سب کے لیے یکساں ہے ؟ سب کے لیے مساوی تو محکمات بھی نہیں ہیں۔ چنانچہ علمائے ظاہر سند حاصل کرکے، دستار فضیلت باندھ کر اپنے فکر کے دریا میں غوطہ زن ہونے کے بعد ایک دوسرے کے سخت مخالف ہو رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے ۔

جَمِیْعُ الْعِلْمِ فِی الْقُرْاٰنِ لٰکِنْ
تَقَاصَرُ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ[1]

اے بھائی ! مولیٰ کریم اپنے فضل وکرم سے تجھے صحیح فکر اور نیک سمجھ عطا فرمائیں قرآن حکیم عوام کے لیے تو فال ہی ہے لیکن حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاص الخاص متبعین، نسبتِ محمدی سے فائزین کے لیے صدر و حال۔ کیوں نہ ہو، یہ کلام اس رب العالمین کا ہے جو علیم بذات الصدور ہے۔ اس لیے اس کا شانِ نزول دو وجہ پر ہے۔ ایک بظاہر اقتضا کی ضرورت کو پورا کرنے کی رُو سے اور دوسرا مطابق حال۔ کافروں کے لیے اور طرح، مومنوں کے لیے اَور، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اَور شان۔ ہر ایک کو اس کے حال کے مطابق تعلیم ہوئی۔ مناسبتِ حال سے مناسب امور کا نزول فرمایا گیا۔ گویا شانِ نزول ہمارے حال کی عبارت سے ہے، اور یہ اعجاز کلام الٰہی ہے۔ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ[2]۔

مثلاً اصحاب کہف کے قصہ میں لوگوں کے اختلاف کو رفع کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا:

---

[1] تمام علم قرآن مجید میں موجود ہے۔ لیکن لوگوں کے فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

[2] اور لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

Marfat.com

وَلَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ ثَلٰثَ مِائَۃٍ سِنِیْنَ — اور اصحاب کہف اپنی غار میں نو اوپر تین سو سال

وَازْدَادُوْا تِسْعًا ہ (پ۱۵ ۔ ۱۶) — ٹھیرے رہے۔

[سا]تھ ہی جواب کفار کے لیے ارشاد ہوا:

قُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ج (پ۱۵ ۔ ۱۶) — کہہ دو کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جتنا وہ رہے۔

بعض معترض کہہ دیں گے کہ یہ نفی علم نہیں بلکہ اللہ جل شانہٗ کے علم کی تصدیق ہے۔ اور یہ [بے] معنی اعتراض ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کے لیے تو قرآن مجید کا فرمان بس ہے۔ پھر اَللّٰہُ اَعْلَمُ [کہنے] سے کیا فائدہ؟ اور ساتھ قُلْ اس امر کا شاہد ہے کہ یہ رد کفار کے لیے جواب تھا۔ ورنہ [قُ]لْ کی ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح قرآن شریف میں جتنے قُلْ نفی علم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم [م]یں وارد ہیں سب کے سب جواب کفار میں ہیں۔

ایک صاحب اعتقاد نے ان سب کو کسر نفسی پر محمول کیا ہے۔ جس پر مخالف نے اعتراض [ک]یا ہے کہ کیا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ نبی نے جھوٹ کہا ہے، اور مولیٰ کریم نے جھوٹ سکھایا ہے؟ [ک]یا اس کتاب میں جھوٹ کا بھی دخل ہو سکتا ہے؟ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ۔

گو کسر نفسی کے طور پر ایسا جواب کسی حد تک درست ہے، جیسے سورۂ یوسف میں ہے کہ [ج]ب شاہ مصر نے حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو قید سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ [تو] حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیغام سن کر فرمایا کہ پہلے جا کر میرے متعلق ان عورتوں سے [در]یافت کرو کہ جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ چنانچہ جب ان سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے [جو]اب دیا:

قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ — بادشاہ نے (عورتوں سے) پوچھا کہ بھلا اس وقت

عَنْ نَّفْسِہٖ ط قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا — کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف سے (ناجائز طور پر)

Marfat.com

عَلَيْهِ مِنْ سُوۡٓءٍ ؕ (۱۲ : ۵۱) — اپنی کار برآری چاہی ۔ بول اٹھیں کہ حاشا للہ ہم نے
(پ ۱۳ - ۱۴) — اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی ۔

ظاہر ہے کہ آپ کا یہ اقدام سراسر اپنی بریت پر مبنی تھا لیکن چونکہ اپنے آپ کو پاک کہنا ایک عیب ہے اس لیے اپنی زبان مبارک سے یوں فرمایا :

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِىۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ — اور میں اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا بیشک
بِالسُّوۡٓءِ (۱۲ : ۵۳ - پ ۱۳ - ۱۳) — نفس برائی کی طرف حکم کرنے والا ہے ۔

بالکل اسی اسلوب اور اسی نہج پر یہ آیات مبارکہ ہیں ۔ مثلاً :

قُلْ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ — کہہ نہیں کہتا میں تم سے کہ میرے پاس خزانے خدا
اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ — کے ہیں اور نہ میں جانتا ہوں غیب کو اور نہ کہتا ہوں
اِنِّىۡ مَلَكٌ ۚ (۶ : ۵۰ - پ ۷ - ۱۱) — تم سے کہ میں فرشتہ ہوں ۔

لیکن جن آیات کے شروع میں لفظ قُلْ ہے ۔ ان کو نہ تو کسر نفسی پر تاویل کرنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی حیلہ کی حاجت ۔ جھوٹ کہنا تو سراسر نادانی اور جہالت ہے ۔ کیونکہ یہ شریعت غرّا پر الزام کے مطابق ہے ۔ اور شرع شریف حکم کے تابع ہے جس کے وجود کے لیے کئی لباس حرام سے حلال اور حلال سے حرام کی صورت میں تغیر و تبدل ہوتے رہے ہیں ۔ گو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت بموجب حکم خدا جل وعلا اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ[1] اسی کو مکمل کر دینے والی ہوئی ۔ تاہم انبیاء و مرسلین کی شریعت عوام سے مرفوع ہی ہے ۔ مثلاً حمر کا ادا کرنا ، چار سے زیادہ نکاح اور تہجد کی فرضیت اس امر پر واضح دلائل ہیں ۔

اس مقدمہ میں ایک امر غور طلب ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ

---

[1] آج کے دن کامل کر دیا میں نے تمہارے لیے دین تمہارا ۔

Marfat.com

علیہ و آلہ وسلم تک کسی شریعت میں ناحق قتل، جھوٹ اور بہتان کبھی جائز نہیں ہوا اور نہ ہی آئندہ ہوگا۔ فرمایا ہے:

مَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ	جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے پس بدلہ
جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ	اس کا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور
عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا	غضب ناک ہوا اللہ اوپر اس کے اور لعنت کی اس کو
عَظِيْمًا ۝ (پ۔۵۔ ۴: ۹۳)	اور تیار کیا واسطے اس کے بڑا عذاب۔
وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا	اور جو کوئی کمائے کچھ خطا یا گناہ پھر تہمت
ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا	لگائے ساتھ اس کے بے گناہ کو پس بیشک اٹھایا
وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (۴: ۱۱۲۔ پ۔۵)	اس نے بہتان اور گناہ ظاہر۔

لیکن جب اس باری تعالیٰ کی حکمت کاملہ نے کسی مصلحت کے پیش نظر کوئی امر ظاہر شریعت کے خلاف مقرر کر دیا تو اس کے لیے وہ حکم جائز اور جاری ہو گیا۔ جیسے حضرت یوسف اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعات سے ظاہر ہے:

(۱) فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ	تو جب ان کا اسباب تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے
السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ	شلیتے میں پیمانہ (پیالہ) رکھوا دیا۔ پھر ایک پکارنے
مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝	والے نے آواز دی کہ اے قافلے والو! یقیناً
(۱۲: ۷۰۔ پ۱۳۔)	تم چور ہو۔
(۲) فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي	پس دونوں (حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ) چل پڑے
السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا	حتیٰ کہ کشتی میں سوار ہوئے تو خضرؑ نے کشتی کو پھاڑ ڈالا
لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا	موسیٰ نے کہا آپ نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ اس کے

Marfat.com

اِمۡرًا ○ (۱۸: ۷۱ - پ۱۵ - ۲۲) سواروں کو غرق کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی عجیب بات کی۔

فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا پھر دونوں چلے، حتیٰ کہ رستے میں ایک لڑکا ملا

غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا تو خضر نے اس کو مار ڈالا۔ موسیٰؑ نے کہا کہ آپ نے

زَکِیَّةًۢ بِغَیۡرِ نَفۡسٍ ؕ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا ایک بے گناہ شخص کو ناحق بغیر قصاص کے مار ڈالا

نُّکۡرًا ○ (۱۸: ۷۴ - پ۱۵ - ۲۲) یہ تو آپ نے بُری بات کی

یہ امر مسلم ہے کہ نزول قرآن شریف خاص واقع ہوا ہے اور حکم۔ اور یہ مناسبت حال کی رو سے ہے مثلاً:

وَعَرَضۡنَا جَهَنَّمَ یَوۡمَئِذٍ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ اور روبرو لائیں گے ہم دوزخ کو اس دن واسطے

عَرۡضَا ۙ ○ الَّذِیۡنَ کَانَتۡ اَعۡیُنُهُمۡ کافروں کے روبرو لانا۔ وہ لوگ کہ تھیں آنکھیں

فِیۡ غِطَآءٍ عَنۡ ذِکۡرِیۡ وَکَانُوۡا لَا ان کی بیچ پردے کے یاد میری سے اور نہیں تھے

یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ سَمۡعًا ○ (پ۱۶ - ۲) سُن سکتے۔

کا شانِ نزول خاص کفار کے لیے ہے اور حکم مناسبت رکھنے والوں کے لیے عام۔ مناسبت کے لحاظ سے مومن ہو یا کافر سب برابر ہیں۔ بلکہ باوجود ایمان رکھنے کے اس نسبت کا ہونا زیادہ خطرناک ہے کیونکہ کافر کے متعلق احتمال ہے کہ وہ نورِ ایمانی کے ذریعے اس اعمیّت سے خلاصی پائے لیکن جو ایمان رکھنے کے باوجود اس سے مناسبت رکھتا ہو اس کا اس بلا سے نجات پانا دشوار ہے۔ جب تک وہ اعتقاد کی درستی اور رجوع نہ کرے۔ لہٰذا اس امر سے خوف رکھنا چاہیے کہ جو کلمات بحکم خدا جواب کفار ہیں ان کی طرف منسوب ہیں کہیں مومن ان سے مناسبت نہ رکھے۔ اور جو باری تعالیٰ کے غیظ و غضب کے رو سے حجت ختم کرنے کے لیے وارد ہوا ہے اس پر اعتقاد رکھ لینے کے سبب سے نورِ ایمانی کو نہ کھو دے۔

Marfat.com

قرآن کریم کا نزول واقعات کے سوا ایک ایک لفظ حال کے مطابق تطبیق کرنے والا ہے۔ ذرا چشم بصیرت سے غور و فکر کے ترازو میں ایقان کے اوزان سے موازنہ کر کہ توحید بافعل کا بیان کرتے ہوئے هُوَ الَّذِیْ سے ارشاد ہوتا ہے جو ہمارے حال یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے موافق ہے۔

بعض غیر مسلم خصوصاً آریہ اور عیسائی جہالت کی وجہ سے اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ "یہ خدا کا کلام نہیں، ورنہ اِنِّیْ یا اَنَا کا لفظ ہوتا، جو ذات سے اتصال رکھتا ہے۔ اور هُوَ کی نسبت غیر کی طرف ہے"۔ انہیں یہ نہیں معلوم کہ کلام الملوک ملوک الکلام کے مطابق هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کا کلام جو سراسر حال اور ہمارے حال کے مترادف ہے، پُر اسرار واقع ہوا ہے۔ جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مشیّت ایزدی سے وادیٔ مقدس میں قدم زن ہوئے تو ارشاد ہوا:

اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ بیشک میں ہی ہوں رب تیرا پس اتار دے جوتے اپنے

چونکہ اس وقت تجلیات کا ظہور تھا اس لیے مطابق حال اور وُرود ویسا ہی ارشاد فرمایا۔

یوں تو الٓمّٓ سے لے کر وَالنَّاس تک سارا کلام الٰہی ہے، خواہ وہ قصص کی رو سے غیر کا کلام ہو یا حال و کلام کفار۔ گو قرأت کے لحاظ سے خواہ نماز میں ہی کیوں نہ ہو، پڑھنا اور سُننا ثواب بلکہ فرض ہے، لیکن عمل میں از حد اختلاف ہے۔ مثلاً فرعون کی زبان سے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى[1] کلام الٰہی تو ہے لیکن عمل کے میدان میں بالحال کہنا کفر ہے اور اس کا عامل واجب القتل۔ التحیات یعنی قعدہ نماز میں رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ[2] دعائے قرآنی کا پڑھنا جائز اور مروّج ہے۔ لیکن جس کے والدین کا خاتمہ کفر پر ہوا ہو، اسے تلاوت اور قرأت کے بغیر دعا کے طور پر پڑھنا بحکم خدا ممنوع ہے۔ اسی طرح جس آیت قرآن شریف کا شان نزول کفار کے حق میں ہو

---

[1] میں تمہارا سب سے اعلیٰ رب ہوں

[2] اے ہمارے رب! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش

Marfat.com

اس پر مومنین کا عمل حرام ہے۔ اور جن آیات کے ساتھ قُل جو حکم خدا کا مقتضی ہے اس پر عقیدہ یا عمل مطلق گمراہی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اکثر قُل جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ محض سوال کفار کا جواب ہیں۔ ان کو اسی معیار پر حصر کرنا نادانی ہے۔ یہ صرف اس موقع و محل پر واقع ہوا ہے جن کے انکار کی وجہ سے وعید اور بیان انکار اور وعدہ عذاب کی تفصیل درج ہے جن کے لیے بات پوری ہو چکی۔ کچھ تو مِثْلُكُمْ کی وجہ پر بیان ہو چکے جن کو دوبارہ درج کرنا بے سود ہے۔ باقی سب کے سب ذیل میں درج کیے جاتے ہیں تاکہ یہ اشکال پوری تکمیل کے ساتھ حل ہو جائے وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ۔[1]

تو اس علیم و خبیر نے پہلے ان کے مشوروں کی خبر دی کہ:

وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ — اور چھپ چھپ کر مشورہ کیا ان لوگوں نے کہ ظالم ہیں

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ (۲۱: ۳) — کہ نہیں یہ مگر بشر ہے مثل تمہاری۔

پھر جواب کفار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ — آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میں تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں۔

جو ان کے حال کے مناسب تھا۔

اب نہایت ادب سے التجا بلکہ استغاثہ ہے کہ اس سلطنت قرآن کی حکمرانی میں سیر کریں ہر بازار اور گلی کوچہ میں تجسس کر دیکھیں، ہر محل اور ہر موقع میں چراغ ایمان کی روشنی سے متلاشی ہوں، ہر شجر کی ٹہنیوں اور پتوں کے رگ و ریشہ سے معلوم کریں، ہر وادی میں سرگردانی کریں، ہر گلستاں کی ہر بہار کے پھولوں کی خوشبو سونگھیں، اس میں آفتاب کے تصرفات کو دریافت کریں، اس کی رات کے ماہتاب، ستاروں اور سیاروں کی حرکات و سکنات کا ملاحظہ فرمائیں

[1] اور مجھ میں توفیق نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ۔

Marfat.com

کہ کہیں مومنین کے شان یا ان کے جواب میں یا ان کے اعتقادات کی بنا پر ان کو مطلع کرنے کے لیے، حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے بھی ایسا بیان ہوا ہے؛ یعنی ارشاد باری تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرمایا کہ مومنوں سے کہدو جو قُل جواب کفار کے مثل اور مانند ہوں؛ ایک کلمہ تو درکنار ایک حرف بھی میدان قرطاس میں کلام الٰہی سے اس قسم کا نہیں ملے گا۔ ہاں، بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[1]، حکمت سکھانے والے حکیم، رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ[2]، مطابق اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ[3]، معلم ومزکّیٰ، مبشر و نذیر، سراجاً منیر۔

نزولِ قرآن حکیم کے مطابق مولیٰ کریم کا معاملہ کفار کے ساتھ ان کے اعتقادات اور انکار و اعمال کی وجہ پر ان کے حال کے مناسب ہے، اور مومنین کے ساتھ ان کے اعتقادات اور تسلیم و اعمال کی بنا پر ان کے حال کے مناسب۔ مثلاً شَدِيْدُ الْعِقَابِ[4] کفار کے لیے ہے تو غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ[5] مومنین کے لیے۔ عمل کے میدان میں خدا کا تصرف بالکل عیاں ہے۔ جو فرمان تعلیماً نازل فرمائے ہیں، ملاحظہ ہوں:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ	مت مقرر کرو پکارنا پیغمبر کا درمیان اپنے جیسا
كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (پ۱۸۔ ش۱۵)	پکارنا بعضے تمہارے کا ہے بعضوں کو۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا	اے اہلِ ایمان! خدا اور رسول سے پہلے
بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ	بات نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو، بے شک
اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	خدا سنتا اور جانتا ہے۔ اے اہل ایمان! اپنی

لـہ مومنوں کے ساتھ شفقت کرنے والے مہربان۔ ٢ـہ تمام جہانوں کے لیے رحمت۔

٣ـہ بے شک رحمت اللہ تعالیٰ کی قریب ہے نیکو کاروں سے۔

٤ـہ نہایت سخت عذاب والا۔ ٥ـہ بیحد بخشش کرنے والا نہایت مہربان۔

Marfat.com

اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ	آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کیا کرو۔ اور جس
صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ	طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے
کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ	ہو ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو)
اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ	کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی
الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ	نہ ہو۔ جو لوگ پیغمبر خدا کے سامنے دبی آواز سے
رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ	بولتے ہیں، خدا نے ان کے دل (ظہور) تقویٰ کے
اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ	لیے آزمائے ہیں، ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم
وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ○ (۴۹: ۱ تا ۳۔ پ۲۶۔ س۴۹)	ہے۔ (سورۂ حجرات)

پھر فرماتے ہیں:

وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ	اور چھوڑ دے مجھ کو اور جھٹلانے والوں صاحبوں
مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا ○ (۷۳: ۱۱۔ پ۲۹۔ س۷۳)	آرام کے کو اور ڈھیل دے ان کو تھوڑی سی۔
قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ	کہہ اے کافرو! نہیں عبادت کرتا میں اس
مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ (پ۳۰۔ س۱۰۹)	چیز کی کہ عبادت کرتے ہو تم۔

دیکھیے! متذکرہ بالا آیات جو مومنین کے حق میں ہیں کافروں کے بالکل برخلاف ہیں۔ اور جو کافروں کے حق میں ہیں مومنوں کے خلاف ہیں۔ اسی طرح یہ قُل جو بالکل حکم خدا کے مترادف ہے اہل ایمان کے لیے سمجھنا سراسر گمراہی ہے۔ کیونکہ یہ محض کفار کے لیے ہے اور انہی کے مناسبت حال کے رو سے ہے۔ اور جو مومنوں کے لیے ہیں اس پر ایمان رکھنا اہل اسلام کے لیے اکسیر ہدایت اور سبیل رُشد اور دونوں جہان کی کامیابی ہے۔ ورنہ باوجود مومن ہونے کے اعمیت اور ہدایت سے محرومیت کا باعث ہے۔ اور وہ اس لیے کہ جس چیز پر اعتقاد نہ ہو اس سے حصول

Marfat.com

...ا ممکن ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى	انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! کیا دیکھا تم نے اگر
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً	میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر
مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ	ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی
اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا	ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہو تو کیا ہم
كٰرِهُوْنَ ۝ (۱۱: ۲۸ - پ۱۲ - ع۳)	اس کو تمہارے گلے باندھ سکتے ہیں اور تم اس سے بیزار ہو۔

تو ان ہر دو قسم کی آیات ہیں، جو ایک دوسری کی متعارض محسوس ہوتی ہیں سخت اختلاف ہے۔ صاحب اعتقاد ان کو دلیل پکڑیں گے، اور نہ ماننے والے ان کو دلیل بنائیں گے۔ لیکن اس صورت میں بموجب فرمان ایزد متعال:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ	بھلا یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے۔ اور
مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ	اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں
اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (پ۵ - ع۸)	بہت سا اختلاف پاتے۔

وحدانیت اور کلام الٰہی میں سخت فرق لاحق ہوگا۔ جس سے نور ایمانی کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔ اس لیے اس تطبیق کے سوا چارہ نہیں ہے اور دلائل کے رو سے ماننا ہی پڑے گا کہ جواب کفار منکرین کے لیے ہے اور اثبات علم مومنین کے لیے۔ تو نے نہیں دیکھا کہ کس وضاحت سے مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ[1] فرمایا ہے۔

اس موقع پر آج کل کے عالم حجاب اکبر کے بحر میں غوطہ لگانے کے بعد ضرور کہہ دیں گے کہ "ہمارا اور پیغمبر کا فرق صرف وحی کا ہے۔ ورنہ مِثْلُنَا میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اور وحی

---

[1] جس نے فرماں برداری کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پس بیشک فرماں برداری کی اللہ تعالیٰ کی۔

Marfat.com

پر ہمارا ایمان ہے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید وحی کو انہوں نے اس رقعہ یا پروانہ کی مانند سمجھ رکھا ہے جو ایک دوسرے کی طرف بھیجا جاتا ہے اور انہیں یہ نہیں معلوم کہ وحی ایک ایسی حالت ہے جس کا برگزیدہ ہستیوں کے سوا کوئی متحمل نہیں ہو سکتا۔ اگر کچھ نظر عمیق ہے تو دیکھو مولیٰ کریم ان کفار کے جواب میں کیا ارشاد فرما رہے ہیں جن کو نبوت کی ہوس تھی :

اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ — اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس جگہ رکھے رسالت اپنی کو۔

(۶: ۱۲۵۔ پ ۔۸)

یہاں ایک لفظ اظہار کے قابل ہے کہ ہنڈلنا تو فعل اور اعتقاد کفار ہے۔ رؤف و رحیم اس سے مومنوں کو بچائے رکھے۔ رہا یہ کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وحی کے ذریعے احکام الٰہی ہم کو پہنچیں ان پر عمل کرنا ہی مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ[1] ہے اور بس لیکن اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ[2] جو اصل ایمان اور نور ایقان ہے، فَاتَّبِعُوۡنِیۡ[3] کے سوا محال ہے۔ گو

اطاعت اور اتباع

کے معنی ایک ہی سمجھے جاتے ہیں لیکن ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اطاعت حکم کی تعمیل ہے جو بیگانگی ہے اور اتباع یگانگی۔ حکم ماننا اور اس پر عمل کرنا اطاعت ہے۔ اور اتباع قدم بقدم چلنا مطابقت ہے۔ بعض احکام عنایت کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض کی طرح تھے۔ مثلاً نماز تہجد۔ اور عام مسلمانوں پر یہ فرض نہیں کی گئی ہے لیکن اتباع کے میدان میں یہ فرض ہی کی حیثیت رکھے گی۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف حکم ہو رہا ہے :

---

[1] جس نے اطاعت کی رسول کی پس بیشک اطاعت کی اللہ کی [2] اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو۔ [3] پیروی کرو میری۔

Marfat.com

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ (۱۶ : ۱۲۳ ۔ پ ۱۴ ۔ ع ۱۶)
پھر وحی بھیجی ہم نے طرف تیری یہ کہ پیروی کر دین ابراہیم (علیہ السلام) حنیف کی

تو اس میں اطاعت کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ اتباع حنیف کا حکم ہے کہ جیسے یکسوئی والے اور خلیل ابراہیم علیہ السلام تھے، ویسے ہی تم بھی ہو جاؤ۔ تو یہ اشارہ حال سے ہے۔ اسی طرح مومنوں کو مطلع فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ؕ (۳ : ۳۱ ۔ پ ۳ ۔ ع ۱۲)
کہہ دو میرے حبیب! اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو یا رکھنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، محبت کریگا تم سے اللہ تعالیٰ۔

کیونکہ جب تک اتباع نہ کروگے کبھی محبت کو نہ پہنچ سکو گے۔ اطاعت جوارح کے فعل سے ہے اور اتباع قلب کے جذبے ۔ اور محبت کا تعلق دل ہی سے ہے۔ اسی لیے اس لفظ کو محبت کے لیے مخصوص کیا ہے اور اطاعت سے محبت تک پہنچنا دشوار ہے۔ گو اطاعت مجاہدہ کے رو سے سبب یافت و باب ہے لیکن حال کی علت نہیں۔ کیونکہ حال کی تقلید بغیر حال کے کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ ہم لوگ صرف اعتقاد کی شمع اور روشنی سے اس کے فضل کی امید پر ساعی ہیں۔

محققین اہل سنت و جماعت کے نزدیک ولی کا وجود عوام کے روح کی مانند ہوتا ہے اور نبی کا وجود ولی کے رُوح کی مانند۔ گو اس روح سے بطن یا روحانیت مراد ہے لیکن مراتب اور حال کے لحاظ سے یہ کہہ دینا ہی موزوں ہوگا۔ کیونکہ عام مومن اس حال میں جبکہ اس کے حواس خمسہ نیند میں مستغرق ہوں، اور رُوح بطن کی طرف متوجہ ہو تو گا ہے عینی خواب دیکھتا ہے۔ اور ولی بیداری میں وجود کی آفت سے چھوٹا ہوا ان معنوں کو پانے والا ہوتا ہے۔ تاہم سِرّ اور حقیقت کی رویت کے لیے غنودگی یا استغراق لازم ہوتا ہے۔ لیکن نبی کے لیے بالکل بظاہر

Marfat.com

بیداری میں عام حالت کی مانند یہ عبادت نمود پکڑتی ہے۔ ولی کو بھید میں الہام سے اطلاع دی جاتی ہے اور نبی کو ظاہر وحی سے۔ کرامت ولی کے لیے ہوا کرتی ہے اور معجزہ نبی کے لیے عوام پر ظاہر کرنے کے واسطے۔ ولایت کی انتہا نبوت کی ابتدا ہوتی ہے۔ ولی طلب میں جانے والا ہوتا ہے اور نبی مقصود کو پائے ہوئے واپس الی الخلق آنے والا ہے۔ ولی ولایت کے اظہار سے معطل ہوتا ہے اور نبی دعوائے نبوت سے تصدیق کو پہنچنے والا۔ خواہ آج مسلمان کہلانے والے مِثلُنا کے حجاب میں انتہا کو پہنچ گئے ہوں، مراتب اور مدارج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک کے گناہ دوسرے کے صواب ہیں۔ بلکہ ہم کو تو نبیوں اور رسولوں کے گناہ بھی نصیب نہیں ہیں۔ مثلاً حضرت یونس علیہ السلام سے جو قصور سرزد ہوا وہ محض غیرت اسلام اور کفر سے بیزاری تھا۔ لیکن عتاب میں گرفتار ہوئے اور فرمایا کہ اگر یونس معافی نہ مانگتے اور اپنے رب کی تسبیح نہ کرتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ ہی میں ٹھہرے رہتے۔ لیکن ادھر اگر آج کسی کو وہ غیرت نصیب ہو تو وہ بلاشبہ ولی اللہ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

حَسَنٰتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ — ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں اور

وَحَسَنٰتُ الْمُقَرَّبِیْنَ سَیِّئَاتُ الْعَاشِقِیْنَ — مقربین کی نیکیاں عاشقین کی برائیاں ہیں اور

وَحَسَنٰتُ الْعَاشِقِیْنَ سَیِّئَاتُ الْوَاصِلِیْنَ — عاشقین کی نیکیاں واصلین کی برائیاں ہیں

عوام کے نزدیک یہ عجیب بات ہے۔ کیونکہ گناہ اور صواب دو متضاد فعل ہیں۔ تو پھر ایک کے گناہ دوسرے کے لیے صواب کس طرح ہو سکتے ہیں؟

اے عزیز! خداوند کریم تجھے نیک سمجھ عطا فرمائے اور تیرے علم کو زیادہ کرے، یہ گناہ و صواب حال کے تغیر سے ہے، فعل کے صادر ہونے سے نہیں ہے۔ جب واصل کا کسی خطا کے باعث تنزل ہوتا ہے تو وہ اپنے مقام وصل یعنی اس حال سے جس میں اسے مشاہدہ اور لقاء سے اطمینان تھا،

Marfat.com

[...]لایا جاتا ہے تو وہ وصل کے لیے درد فرقت میں بے قرار ہوتا ہے۔ اور عاشق اپنے مقام درد [او]ر محبت میں خوش ہوتا ہے۔ تو گویا واصل کا حال تنزل کی صورت میں عاشق کی مانند ہوتا ہے اور عاشق جب کسی وجہ سے اپنے مقام سے گرتا ہے تو مقرب کے مقام میں آتا ہے اور اس عشق و [مح]بت کے لیے بے قرار ہوتا ہے جو اسے حاصل تھا۔ اور مقرب گاہے درد والفت کی ہوا سے [لذ]ت قلب سے سرور پاتا اور خوش ہوتا ہے۔ اسی طرح مقرب کسی غفلت سے چار و ناچار [ا]برار ہوتا ہے۔

تو جب بندگان خدا اور مردان اللہ کے حال کے علم سے ہماری عقلیں عاجز ہیں تو نبیوں اور رسلوں کے حال کے علم سے تو کلام ہی کیا۔ بلکہ جو کچھ بھی ہم نعت کی رو سے نبیوں اور رسلوں کی نسبت جانیں یا کہیں وہ خود ہم آپ ہی ہوں گے۔ ان کے حال سے تو کسی ولی کو بھی حصہ نہیں ہے مگر بہت کم۔ اور عوام تو اس میں از حد عاجز ہیں اور یہی باعث انکار ہے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کی حقیقت سے عارف اور شناسا نہ ہو سکے تو وہ اس سے انکار کر دیتا ہے مطابق فرمان:

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ط (۱۰: ۳۹۔ پ۱۱۔ ع۹)

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر قابو نہ پا سکے اس کو نادانی سے) جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان تک آئی ہی نہیں۔

[ا]ور سورۂ مومنون میں فرمایا:

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ٥ (۲۳: ۶۹۔ پ۱۸۔ ع۴)

یا نہیں پہچانا انہوں نے رسول اپنے کو پس وہ واسطے اس کے انکار کرنے والے ہیں۔

لغت میں منکر کے معنی ناشناس کے بھی ہیں۔ دیکھو! سورۂ یوسف میں حق تعالیٰ نے

Marfat.com

فرمایا ہے:

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ (۱۲: ۵۸ - پ۱۳ - ع۲)

اور آئے بھائی یوسف کے پس داخل ہوئے پاس اس کے تو یوسف نے ان کو پہچان لیا اور وہ ان کو نہ پہچان سکے۔

تو یہاں منکرین کے معنی ناشناس کے ہیں لیکن مسلمانوں کے لیے باوجود تسلیم کر لینے کے یہ انکار باعث جہالت ابدی اور مقصود سے نامرادی اور حقیقت سے اعمیت ہے، کیونکہ یہ سُوءِ اعتقادی ہے۔ جب بنیاد ہی حقیقت کے خلاف ہو تو عمارت کی استقامت حق پر محال ہے۔ اور اس محل میں لقائے الٰہی اور سیر الی اللہ کا مشاہدہ ناممکن۔ اس واسطے کہ جس چیز پر یقین ہی نہ ہو اس کے لیے سعی کے قدم کٹ جاتے ہیں۔ تو پھر سب اعمال اور اجر اُلٹے ہو جاتے ہیں۔ جن مسلمانوں کو مولیٰ کریم نے اپنے فضل و کرم سے اس گمراہی کے گڑھے سے بچا لیا ہے گو وہ حقیقت تک نہ ہی پہنچ سکیں تاہم صراط المستقیم پر حسن اعتقاد کے سہارے چل رہے ہیں۔ اور بخشش و نعمت کے مستحق ہیں لیکن جو سوءِ اعتقادی کے دریا میں غرق ہو رہے ہیں کنارۂ نجات ان کے لیے عنقا ہو گیا ہے۔ نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا[1]۔

تو افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مثل خیال کرتے ہیں اور ہر آیتِ رُشد کو ظاہری اسباب پر ہی جانچ رہے ہیں۔ گویا وہ دین کی حقیقت اور نور ایمانی کو ظلمات کے حجاب میں مستور کر رہے ہیں۔ تو حسرت سے کہنا ہی پڑے گا کہ پھر ان کفار میں جن کے حق میں حق کا ارشاد ہو رہا ہے:

---

[1] پناہ پکڑتے ہیں ہم ساتھ اللہ تعالیٰ نفسوں کی برائیوں سے اور اپنے برے عملوں سے۔

Marfat.com

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (۱۰: ۴۳ - پ۱۱ - سنا)

اور بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں تو کیا تم ایسے اندھوں کو رستہ دکھاؤ گے اگرچہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں۔

...ور ان مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود نور ہدایت ہے اور حضورؐ کی طرف دیکھنا ہی سبیل رشد ہے۔ لیکن بظاہر صورت جو ایک دوسرے کے مثل ہے اس کی نفی فرمائی ہے کہ "میرے حبیب! آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔ تو کیا ایسے اندھوں کو جن کی نظریں آپ کے ظاہر ہی پر رہ گئیں اور حقیقت ناشناس ہیں، راستہ دکھائیں گے؟ جس حال میں کہ وہ کچھ بھی نہ دیکھتے ہوں۔" تو وہ وجود بشریت کے لباس میں مستور تھا، وہ ہدایت جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں پوشیدہ تھی، وہ کیفیت جو گوشۂ چشم حبیب خدا سے ہویدا تھی، وہ شمع جو دونوں جہان کی روشنی کا موجب ہے اس سے اندھے رہ کر گمراہ ہوئے تو بظاہر دیکھنا ان کے لیے بجائے نفع کے نقصان کا باعث ہوا۔ تو آج مدعیان اسلام بھی اس حقیقت نور و ہدایت سے ناشناس اور منکر ہو رہے ہیں۔ اور تعجب یہ ہے کہ اس پر مُصر ہیں۔ تو گویا جہالت کو علم، تاریکی کو روشنی اور گمراہی کو راستہ سمجھ رہے ہیں۔ ورنہ زمانہ کے صدیق اکبر، حقیقت سے ماہر معنوں کو پاتے ہوئے، صحابہ میں سے برگزیدہ نے کیا ہی حق فرمایا ہے:

حُبِّبَ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا ثَلٰثٌ اَلنَّظَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاِنْفَاقُ مَالِيْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَنْ تَكُوْنَ ابْنَتِيْ

پسند ہیں مجھ کو دنیا کی تین چیزیں۔ دیکھنا طرف منہ رسول اللہ کے، اور خرچ کرنا اپنے مال کو رسول اللہ پر۔ اور میری بیٹی بی بی رہے رسول اللہ صلی

Marfat.com

تَحْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ - (منہات ابن حجر) اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

قرآن حکیم میں فکر و تدبر سے دیکھیں تو اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ کا مفاد اس بات پر دال
کہ اس شخص کو جو دل کی آنکھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھتا وہ ہدایت سے
اندھا اور محروم ہے۔ گو دعوت عام اور ہدایت خاص ہے۔ جس میں ارادہ حضورؐ کو خاص حصہ
لیکن اس بدبخت کے لیے جس نے اپنے باطن کی آنکھ کو کج فہمی اور سوء اعتقادی سے اندھا رکھا
نفی فرمائی ہے کہ "تم کس طرح ہدایت دے سکتے ہو اس بے نصیب کو جو آپ کو باوجود نظر کرنے
کے نہیں دیکھتا۔ لیکن جنہوں نے دیکھا اور اس نور کو پایا ہے' خوب جانتے ہیں۔ بلکہ یاب کے
دامن کو حسرت کے ہاتھوں سے جھاڑتے ہوئے حضرت ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ قطب زمان
فرماتے ہیں کہ "تین چیزوں کی کُنہ کو میں نہیں پہنچ سکا: معرفت الٰہی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کے درجات اور نفس کی شرارت ؎

در حریم سر تعظیم تو کس را راہ نیست
وز کمالِ احتشامش ہیچ کس آگاہ نیست

اور یہ اس طرح ہے جیسے فرمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ
عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ لیکن یہ کمال معرفت اور عبادت کی دلیل ہے۔
کیونکہ حَقَّ عِبَادَتِكَ اور حَقَّ مَعْرِفَتِكَ کے الفاظ سے عرف اور اس کی حقیقت سے علم
ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ عبادت حال کے دوام اور کُنہ سے ہے' جہالت سے نہیں ہے
اور:

۱؎ کیا پس تو اندھے کو راستہ دکھاتا ہے؟

۲؎ نہیں عبادت کی ہم نے تیری حق عبادت تیری کا اور نہیں پہچانا ہم نے تجھ کو حق پہچاننے تیرے کا۔

Marfat.com

اِنسان کی عِلم و عُرف میں سیر

...کے مدارج و منازل و مدارج تک محدود ہوا کرتی ہے۔ حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرہٗ ...نے مکتوبات شریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے چھ منزلیں ہیں:

(۱) عالم ارواح سے پشت والد (۲) بطن مادر (۳) میدان دنیا (۴) قبر یعنی عالم برزخ (۵) میدان قیامت (۶) دوزخ یا بہشت۔

ہر چند پیدائش سے قبل و مابعد کا کوئی علم نہیں۔ ہوش سنبھالا تو میدان دنیا ہی میں، علم ...حصول کے بعد ماضی، حال اور مستقبل سے معلومات و محسوسات میں جاذب ہوئے۔ اس سے ...لے نہ خدا کا پتہ نہ دین و اسلام کی خبر، نہ اپنے سے جان پہچان، نہ عیب سے علم، نہ صواب سے عرف۔ ...ن یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ پہ دار و مدار۔ پھر علم یقین بلکہ حق الیقین کی یہی جگہ، سعی و حصول کا ...ی وقت، جنت اور جہنم خریدنے کی تجارت گاہ، معرفت خداوندی حاصل کرنے کا مقام، ...ن و کافر، منافق و فاسق، جاہل و عالم بننے کا محل، حرص و طول اَمل کا بے انتہا شجر، ...اخر اور خود غرضی کی ناؤ، سود کا قاعدہ، اندھا دھند معشوق بے وفا، جاہلیت کا مرکز، ...لت کی زندگی، مومن کا قیدخانہ، دوست کے لیے بلا، بوڑھی دلہن، لباس مکر سے آراستہ، ...صورت منقش سانپ، مہلک بیداد، عبث مایہ، مصائب اور آفات کا سمندر پرخون، ...ت و حصول مطعون، اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنٌ وَّمَا فِيْهَا مَلْعُوْن، ظلمت بے نور، اَلدُّنْيَا مَتَاعُ ...غُرُوْر۔ صبح جس کو نوازتی ہے شام کو گرا دیتی ہے۔ اس کا فائدہ نقصان اور نقصان فائدہ۔ ...ن اُلٹ بیان کا کیا ٹھکانا، بس دھوکا اور فریب ہے اس سے دل کا لگانا۔

انسان نے یہاں آکر پرورش پائی، اسی جگہ عقل آئی، میدان دنیا ہی میں حیاتی پائی۔

Marfat.com

اور پھر اسی جگہ ہی موت کا شکار ہوا بے نام ونشاں ہوا، اور پھر یہاں سے ہی اُٹھا کھڑا کیا جائے گا ـــــ لیکن کہاں کا اُٹھنا اور کیسی موت! جب تک زندہ ہے کچھ یاد نہیں۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ	اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ آزمائے تم کو
اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ (پ ۲۹ - سٓ۱)	کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔

سے بے خبر، آزمائش کے میدان میں حرص وحظ کے بستر پر طول امل کا تکیہ لگائے، غفلت کی چادر اوڑھے، بے فکری کی نیند میں بے ہوش پڑا ہے۔ وہ سعی اور کوشش جو مولیٰ کریم نے صراط المستقیم پر چلنے اور عین حقیقت کو پہچاننے کے لیے عنایت فرمائی تھی، بے راہ اور بے محل میں صرف کر رہا ہے اور اپنی دانست میں بہت اچھا کر رہا ہے۔

اسی خسارہ اور نقصان سے بچانے کے لیے اور صراط المستقیم اور مقصود کو پانے کے لیے مولیٰ کریم اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ارشاد فرما رہے ہیں۔ گویا دعوت دے کر علم حق سے متنبہ فرما رہے ہیں:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ؕ	کہو (میرے حبیب!) کیا ہم تمہیں بتائیں کہ عملوں کے
اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ	لحاظ سے خسارہ میں کون ہے؛ وہ لوگ جن کی سعی
الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ	حیاتی دنیا میں صرف ہو گئی اور وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ
یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝ (پ ۱۶ - سٓ۳)	ہم اچھا کر رہے ہیں۔

سعی کو تو آخرت کی راہ پر لگنا لگانا تھا، سو اُس طرف سے تو بالکل بے توجہی رہی، اور دنیا کے سامان عیش وعشرت اور حظوظ نفسانی کے لیے خون جگر پی پی کر نہایت اخلاص سے طالب اور تمام عمر کوشاں رہے اور اسی کو مقصود سمجھے بیٹھے ہیں۔

اے عزیز! یہ دو حصوں پر منقسم ہے: ایک بظاہر، دوسرا باطن۔ بظاہر طاقت سے

Marfat.com

عمل ظہور پکڑتے ہیں اور باطن ہمت سے۔ اور ہمت قدرت سے اور قدرت ہستی سے وابستہ ہے۔ گو بظاہر طاقت بھی ہمت کے سوا متحرک نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب تک انسان کسی امر (بد یا نیک) کے لیے مرید نہیں ہوتا، جوارح کوئی کام نہیں کر سکتے۔ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ جو ارادہ یا خیال طاقت کی طرف رُخ کرتا ہے گویا حاکم اپنے محکوم کی طرف حکم فرماتا ہے وہ بجا لاتے ہیں۔ اور جو نسی قوت ارادی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتی اور اپنے غور و فکر میں منہمک رہتی ہے وہ ہمت ہے، اَلْهِمَّةُ اِسْمُ الْاَعْظَم۔

یہ تو ہر سمجھ دار انسان پر روشن ہے کہ جب یہ اپنے ارادوں سے کوئی کام کرنے لگتا ہے تو صرف چند لمحوں کے لیے جب تک فکر اس سے وابستہ ہو، ہمت اور طاقت جمع ہو جاتی ہیں۔ لیکن جہاں جوارح نے کام شروع کر دیا، خواہ وہ تحریر اور حساب ہی کیوں نہ ہو، اس کی ہمت اس کام پر جمع اور مقید و محدود نہیں رہتی بلکہ کسی مطلوب اور مرغوب مقصود کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ تو گویا یہی حقیقی انسان ہی صُوری اور معنوی صورت میں دَوڑا پھرتا ہے۔

صوفیائے کرام کے نزدیک یہ دوسرا وجود ہے جو مثلی صُورت کہلانے کا مستحق ہے بعض ہستیوں کی ہمت اس قدر بلند اور طاقتور ہو جاتی ہے کہ ان سے نہایت عجیب و غریب واقعات ظہور میں آتے ہیں۔ اور چونکہ بظاہر اعضائے عناصر کی طرف ان کی اکثر توجہ نہیں ہوتی اور ساری ہمت باطن ہی میں منصرف رہتی ہے اس لیے ان کی بہیمیت بالکل کمزور ہو جاتی ہے، اور یہاں تک ترقی کر جاتے ہیں کہ ہوا میں اُڑ جاتے ہیں، پانی پر زمین کی طرح چل سکتے ہیں ہزارہا کوس کی مسافت چند قدم میں طے کر لیتے ہیں۔ اور ان کے ارادوں سے کئی ایسے خرقِ عادت واقعات صادر ہونے لگتے ہیں کہ عوام الناس کی عقلوں پر دیکھ لینے اور مان لینے کے بعد بھی تنگی واقع ہوتی ہے، کہ روحانیت اس جسم کی (با وجود ثقل کے) کس طرح متحمل ہو سکتی ہے، نہ معلوم

Marfat.com

کہ ان بندگانِ خدا کا وجود مثل لباس کے ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اپنی طاقت سے لباس بے جان کو ساتھ لیے پھرتا ہے اور گرانباری محسوس نہیں کرتا تو یہ وجود بھی ان مقدس ہستیوں کے لیے گراں نہیں ہو سکتا۔

لیکن ان مردانِ خدا کا مقصود خرقِ عادت نہیں ہوتا ہے۔ عوام الناس کے نزدیک تو یہی ولایت اور کمال فقر ہے، حالانکہ یہ راستہ کا کھیل اور تماشہ ہیں، نہ کہ منزل مقصود۔ اسی لیے بعض کوتاہ بیں مسمریزم کی شعبدہ بازی کو بھی اس کی مثل خیال کرنے لگتے ہیں۔

گو مسمریزم بھی ایک طاقت خیال ہے جو مدت کی تنہائی میں مشق کا نتیجہ ہے لیکن ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کبھی کسی مسمریزم کے عامل سے ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا اور ہزارہا کوس پر فوراً پہنچنا یا پہنچا دینا صادر ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ان کی طاقت محض دماغی اثر ہے جو کسی آدمی پر پڑ کر اس کو بیہوش کر دے یا کسی چیز کو بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے اٹھا کر دیوار سے ٹکرا دے یا توڑ دے۔ یعنی جس قوت ارادی سے اعضا کے وسیلہ سے کام کرنا تھا، بلا جوارح کر دیا کئی ایک ایسے تماشے دکھا سکتے ہیں اور عوام کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ جب کسی آدمی کو سامنے بٹھا کر اثر ڈالتے ہیں تو بے ہوش کر دیتے ہیں لیکن وہ ان کے بلانے سے بولتا ہے، جو کچھ پوچھتے ہیں، بتاتا ہے۔ کچھ پوشیدہ اشیاء سے خبر دیتا ہے، وغیرہ۔ تو یہ بے ہوشی اصل بے ہوشی کی مانند نہیں ہوتی۔ کیونکہ محض ان کی دماغی توجہ کا اثر اس طاقت پر (جس کو ہمت کہنا روا ہے) پڑ کر گشش کر لیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ جوارح سے بے توجہ ہو کر جمع ہو جاتی ہے اور وہ آدمی چند منٹ کے لیے بے ہوش کی طرح ہو جاتا ہے۔ لیکن بعد میں خود بخود ہوش میں آ جاتا ہے اور کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔

بعض جاہل لوگ اس کو بھی ولایت ربانی سے مشابہ سمجھنے لگتے ہیں۔ یا فقر اور اہل دین الحق

Marfat.com

کی کرامات کو اسی پر خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ بھی ایک مسمریزم ہے اور کچھ بھی نہیں۔ اور یہ سراسر دھوکا اور خطا ہے۔ کیونکہ ولایت دوستی اور محبت کو کہتے ہیں جو محض عنایاتِ الٰہیہ پر منحصر ہے اور ان کی ہمت کا رُخ ہمت کی طرف اور توجہ روح کی جانب اور دوسرے وجود کے اثبات پر بلکہ اس سے بھی ورا، بے انتہا، دنیا و ما فیہا سے اعراض کیے ہوئے آخرت کی حیاتی کے حصول پر متصرف ہوتی ہے۔ اور مسمریزم والوں کی توجہ اس کے برعکس حصولِ دنیا اور عجیب و غریب تماشا دکھانے کی طرف ہوتی ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اور ایک بہت بڑا قابلِ غور فرق یہ ہے کہ اولیائے کرام کا معاملہ قلب سے وابستہ ہے جو کسی کسب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ مطلق ورودِ الٰہی اور ارادۂ الٰہی پر منحصر ہے۔ اور یہ سراسر کسب کا نتیجہ ہے، جو چاہے حاصل کرے۔ اور محض دماغی اثر ہے جس کا ثبات اور پائدار ہونا محال ہے بندگانِ خدا کی توجہ کا اثر قلب پر ہوتا ہے۔ اس کی تاثیر اور نور سے یکسوئی بلا کسب پیدا ہوتی ہے۔ تڑپا دیتی ہے، حالت کو بدل دیتی ہے، روحانیت کو بڑھا دیتی ہے اور بہیمیت کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہونے دیتی۔ بلکہ اتحادی توجہ سے تو بالکل صورت و سیرت ظاہر و باطن میں یکساں ہو جاتا ہے۔

جب حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ نے نان بائی کو توجہ دی اور حجرہ سے باہر آئے تو ارادت مندوں پر مشکل واقع ہوئی کہ اب آداب و سلام کس کا بجا لائیں۔ کیونکہ حضرت صاحب اور نان بائی میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ تھا۔ لیکن جلد ہی تفاوت نمایاں ہو گیا۔ کیونکہ آپ تو اپنے حسبِ معمول کاروبار میں مشغول ہوئے اور نان بائی گم صم بے ہوش پڑا تھا۔ نا استعدادی کے باعث ہوش و حواس بجا نہ رہے اور تیسرے دن مر گیا۔ اسی لیے تو آپ نے اس کے حسب

Marfat.com

اشتیاق فرمایا تھا کہ میرے جیسا ہو جائے گا۔ مگر اس نے نہ مانا اور اسی وقت ہونا چاہا۔ عرض کیا کہ حضرت! اگر ہونا ہے تو ابھی ہو۔ ہر چند سمجھایا لیکن ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ دفعتًہ توجہ سے یہ انجام ہوا۔ اگر آہستہ آہستہ تعلیم ہوتی تو برداشت ہو جاتی۔

ہزار ہا ایسے واقعات بزرگان دین سے صادر ہوئے ہیں لیکن میرا اس کتاب میں یہ تذکرہ مقصود نہیں ہے۔ بہرکیف ان ہستیوں سے بحالت اضطراری اور اختیاری دونوں طرح سے خرق عادت واقعات ظاہر ہوتے ہیں لیکن یہ ان کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ انہی کا ظہور چاہتے ہیں۔ یہ محض محبت کے پھول ہوتے ہیں جو مومن کی صفت ہے۔ غیر و متعلقات غیر دنیا و مافیہا کو اپنے ظرف قلب میں جگہ دینا گناہ سمجھتے ہیں۔ اسی نشۂ توحید میں سرشار اور مستغرق رہتے ہیں ؎

کشف کیا چیز، کرامت کیا ہے
استقامت ہے ولایت ساری

کشف و کرامت کو بندگان خدا نے حیض و نفاس سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن اس کے معنی صرف حقیر و ناپاک چیز ہی نہیں بلکہ آثار بلوغت بھی ہیں۔ لیکن عوام کو سوائے بظاہر امور کرامت، (دعا، دم وغیرہ) کے باطن سے کچھ علم و حصول نہیں ہوتا اس لیے وہ اسی کو معراج کمال تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ متقدمین اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کرامت کا ظہور بہت کم پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا حوصلہ اور استعداد نہایت قوی اور بالاتر تھے۔

سوال:

چاہیے تھا کہ جس قدر استعداد اور قابلیت زیادہ ہو اسی قدر خرق عادت بھی زیادہ ہوں؟

Marfat.com

جواب:

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ لیکن کرامت اضطراری اور اختیاری دو صورتوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ تو جس قدر حوصلہ فراخ ہوگا، مطابق لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] اضطرار نہ ہوگا۔ اور اختیاری کو وہ پسند نہ کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پائے ہوئے تھے، ان کا حال ان خوارق عادات سے بالاتر تھا۔ اور اس وجہ پر جو کچھ ان سے ظاہر ہُوا وہ ان کے معاملہ کی صحت سے ہے، اور وہ اس کو کرامت نہیں جانتے مثلاً

(۱) جب ایک عجمی شخص بُرے ارادے سے مدینہ شریف میں آیا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرابہ میں تازیانہ سر کے نیچے رکھے سوتے ہوئے پایا تو کہا: اس شخص سے جہان میں اس قدر فتنہ ہے؟ اور دل میں امیرالمومنین کو مار ڈالنا آسان سمجھ کر میان سے تلوار کھینچی تو معاً غیب سے دو شیر ظاہر ہو گئے، جو اس پر حملہ کرنے کو تھے۔ چیخا، اور اس کی آواز سے امیرالمومنین جاگ اُٹھے۔ چنانچہ یہ دیکھ کر وہ اسلام لے آیا۔

یہ کرامت تھی جو نہ اضطراری ہے نہ اختیاری، محض حفاظت من اللہ تھی اور مولیٰ کریم سے حال کی صحت۔

(۲) ایک صحابی فوج اسلام کے سپاہی بن کر قاصد کی حیثیت سے دشمن کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں جنگل میں سے گزرتے ہوئے ایک شیر ملا اور حملہ کا ارادہ کیا۔ آپ نے جلدی سے پروانہ نکال کر اس کے سامنے کر دیا اور فرمایا کہ "اے کتے! اگر خداوند کریم کی طرف سے تجھے کھانے کا حکم ہو تو میں تیری خوراک ہوں۔ لیکن میں اس کام کے لیے بھیجا گیا ہوں جس کا حرج اسلام کا نقصان ہے۔ شیر متواضع ہُوا اور سر نیچا کر دیا۔ وہ صاحب اس پر سوار ہو کر فوج کفار

---

[1] اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

Marfat.com

کی طرف روانہ ہوئے۔ جب دشمن نے یہ صورتِ حال معائنہ کی تو صلح کرلی اور جنگ کرنے سے باز رہے۔

بہرکیف اصحاب خیر القرون میں بھی کرامات کا اس کثرت سے مذکور ہے کہ ان کے اندراج کے لیے یہاں گنجائش نہیں، اور نہ ہی بہرایہ مقصود ہے۔ غرض اس سے صرف یہ ہے کہ جب انسان اپنے پروردگار کا فرماں بردار ہو جاتا ہے تو کوئی چیز اس کی نافرمان نہیں رہتی ہے

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

لیکن ان کا مقصود حصول دنیا نہیں بلکہ آخرت ہوتا ہے۔ دنیا و مافیہا سے منہ پھیرے ہوئے ہمہ تن ہمت اور طاقت سے اپنے مقصود و مطلوب کے حصول میں ساعی ہوتے ہیں۔ اور فرمان ذوالجلال والاکرام ہے:

اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (۵۳:۳۹ پ ۲۷ - ع ۶) یہ کہ نہیں واسطے انسان کے مگر جس میں وہ کوشش کرے۔

تو ان کے نزدیک حیاتِ دنیا کوئی چیز نہ تھی۔ اور اگر تھی تو آخرت کی حیاتی کے لیے۔ ان کا مقصود آخرت اور مطلوب مولا کریم۔

آج اسلام اور ایمان کے معانی اور مفاد دریائے حرص و ہوا میں غرق ہو رہے ہیں اور وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط [1] کو طاق نسیان میں رکھ کر اسی کے فریفتہ اور شیدا وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ط [2] سے اعراض کیے ہوئے لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ [3] سے جاہل

---

[1] اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور تماشا۔ [2] اور آخرت کا گھر وہی زندگی ہے۔

[3] کاش کہ وہ جانتے ہوتے۔

Marfat.com

ہو رہے ہیں تو علم الیقین نے ان کو کیا نفع دیا؟

تو نے نہیں دیکھا جب جادوگر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آئے تو فرعون سے وعدہ کے طلب گار ہوئے کہ "اگر ہم غالب رہے تو ہمیں انعام ملے گا"؟ فرعون بولا "ہاں بلکہ تمہیں مقرب بنا لیا جائے گا"۔ آخر جب مقابلہ میں حق ظاہر ہوا اور وہ مغلوب ہو گئے تو بے ساختہ اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ کا نعرہ بلند کر کے سجدے میں گر گئے اور ایمان والوں میں شامل ہو گئے۔

فرعون یہ دیکھ کر غیظ و غضب میں بھر گیا اور بولا:

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ	فرعون بولا کہ پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں
اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ	تم اس پر ایمان لے آئے؟ بیشک وہ تمہارا بڑا
فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ	(یعنی استاد) ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ تو
خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ	میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں جانب خلاف سے کٹوا دوں گا
النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا	اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھا دوں گا۔ اس وقت تم کو
وَّاَبْقٰی ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰی	معلوم ہو گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت
مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ	اور دیر تک رہنے والا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو
فَطَرَنَا فَاقْضِ مَاۤ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا	دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں ان پر اور جس نے ہم کو
تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ۝ اِنَّاۤ	پیدا کیا ہے اس پر ہم تجھ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے۔
اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِیَغْفِرَ لَنَا خَطٰیٰنَا وَمَاۤ	تو جو تجھے کرنا ہے کر چک اور تو جو حکم دے سکتا ہے
اَكْرَهْتَنَا عَلَیْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ	تو صرف اسی دنیا کی زندگی میں۔ ہم اپنے پروردگار
خَیْرٌ وَّاَبْقٰی ۝ (۲۰: ۷۱ تا ۷۳۔ پ ۱۶۔ ع ۱۶)	پر ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف

Marfat.com

کیڑے اور اسے بھی جو تم نے ہم سے زبردستی جادو کروایا ہے اور خدا بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔

نہایت قابلِ غور سبق آموز اور بصیرت افروز قصّہ ہے کہ جب جادوگر مغلوب ہوئے اور دیکھا کہ ہمارے بنائے ہوئے سانپوں کو ایک اژدہا جس کا اصل عصا تھا، کھا گیا ہے تو انہیں کوئی شک وشبہ نہ رہا کہ لوگوں کی نظروں میں نظر بندی کر کے لکڑیوں اور رسیوں کے سانپ متحرک بنا دکھانا تو جادو کا فعل ہے۔ بمصداق کلامِ الٰہی:

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ○ (پ۱۶ - س۱۲)

پس ناگہاں رسیاں ان کی اور لاٹھیاں ان کی خیال بندھا تھا طرف اس کی جادوان کے سے یہ کہ وہ دوڑتے ہیں۔

لیکن ایک لکڑی کا بحکم خدا سانپ بن کر ان رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل جانا جادو نہیں ہو سکتا۔ تب ان کو حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون علیہما السلام کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ سجدہ میں گر پڑے اور ربِّ موسیٰ و ہارون کا اقرار کر لیا۔ لیکن بعد از ایمان جب عنایت الٰہی ان کے شاملِ حال ہوئی اور معانی ان پہ ظاہر ہوئے تو نورِ ایمانی سے دل زندہ ہو گئے۔ تب حیات الدنیا کو ہیچ سمجھے اور جذبۂ حقانی سے مست ہو کر ؎

خوردہ یک جرعہ از کفِ ساقی ہر چہ فانی ست کردہ آں باقی

دامن از فکرِ غیر افشاند لَيْسَ فِي الدَّارِ غَيْرُهٗ[1] خواند

فرعون کو صاف جواب دیا کہ تو کیا کر سکتا ہے؟ بہت ہو گا تو حیات الدنیا میں ایذا دے گا، یا قتل کرے گا تو اس کی ہمیں کچھ فکر نہیں اور نہ ہی ہمارا کوئی نقصان ہے۔ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ[2] دانشمند کے لیے ان

[1] نہیں ہے کوئی گھر میں اُس کے سوا
[2] پاک ہے اللہ اپنی تعریف کے ساتھ

Marfat.com

آیات میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ پہلا اقرار ایمان دلائل کی رو سے رَبِّ مُوسٰی وَ هٰرُوْنَ
اسلام کی مانند تسلیم کرنا تھا۔ لیکن جب انوار الٰہی کی بارش سے قلب سیراب ہوئے اور رویت
کی روئیدگی سے عین الیقین حاصل ہوا تو اٰمَنَّا بِرَبِّنَا کی حقیقت ظاہر ہوگئی۔

دلائل تو فرعون تک بھی ایسے ہی پہنچے تھے جیسے جادوگروں کو۔ بلکہ اس کی دعوت کے لیے مولیٰ کریم کی طرف سے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو بالخصوص فرمان تھا کہ "ان نشانات اور دلائل کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ، شاید وہ غور کرے"۔ بلکہ جادوگروں سے زیادہ نشانات اس نے دیکھے تھے۔ مطابق فرمان فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ قَوْمِهٖ یعنی نو نشانات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف داعی ہوئے۔ فرق یہ تھا کہ یدِ بیضا اور عصا بڑی نشانیاں تھیں۔ اور فرعون بلکہ اس کے ارائین کے دلوں میں یقین ہو چکا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حق لے کر آئے ہیں، اور یہ یدِ بیضا اور عصا جادو نہیں ہے معجزہ ہے چنانچہ فرمایا:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ — دلوں نے تو ان کا یقین کر لیا تھا مگر انہوں نے
ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ (۲۷: ۱۴۔ پ ۱۹۔ ع ۱۶) — بے انصافی اور غرور سے انکار کیا۔

لیکن جب فرعون نے اپنی طرف دیکھا تو اس کو اپنی خدائی شاہی نے راہِ راست پر نہ آنے دیا اور حق سے باز رکھا۔ اور اس کو تکبر میں محبوس کر دیا۔ اس نعمت عظمیٰ اور حیاتِ جاودانی سے جس کو کبھی زوال نہیں آسکتا بے نصیب کر دیا اور جان بوجھ کر دنیا کی حقیر زندگی اور ناپائدار زینت اور جاہ و حشمت پر ہی رہ گیا۔ جب غرق ہونے لگا تب ایمان لانا بھلا معلوم ہوا۔ بولا:

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ — ایمان لایا میں یہ کہ نہیں کوئی معبود مگر وہ کہ ایمان
بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ — لائے ساتھ اس کے بنی اسرائیل اور میں

Marfat.com

(۱۰: ۹۰۔ پ ۱۱۔ ۱۴) فرماں برداروں سے ہوں۔

مگر بے سود۔ کیونکہ مہلتِ دنیا کے گزر جانے اور وعدۂ الٰہی آ جانے اور عذاب دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا کام نہیں دیتا۔

آج ہماری تصدیق بھی فرعونی تصدیق سے بڑھی ہوئی نہیں ہے اور نہ ہی ہماری نفسانیت اس سے کسی طرح کم ہے ؎

نفس مارا کمتر از فرعون نیست
لیک اورا عون مارا عون نیست

کیونکہ آج نام نہاد مسلمان بھی جان بوجھ کر لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا[1] کو طاقِ نسیان میں رکھ کر اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[2] کے نشہ میں مخمور اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ[3] سے جاہل مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ[4] کے دھوکا میں ایسے گرفتار ہوئے ہیں کہ نقصان کو فائدہ اور نفع کو نقصان، میدان کو کھنڈر اور کھنڈر کو میدان سمجھے ہوئے ہیں۔ اسی لیے اپنی تمام ہمت اور طاقت سے فکر و کوشش حیات الدنیا ہی پر خرچ کیے جاتے ہیں، اور ظاہر و باطن با خلاص تمام جان و دل سے فریفتہ ہوئے جاتے ہیں۔ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ[5] کے مرتکب ہو کر دنیا و مافیہا سے محبت رکھنے والے اور آخرت سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ انجام سے بے خبر اور موت کے شکار، غفلت کے میدان میں نفس کے رہوار پر سوار حرص و ہوا کا چابک ہاتھ میں لیے حجاب کے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں جس

---

[1] تاکہ آزمائے تم کو کہ کون تم میں کا اچھا ہے عمل میں۔ [2] مال اور بیٹے زندگانی دنیا کی زینت ہیں۔

[3] سوائے اس کے نہیں کہ تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں۔ [4] نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر پونجی دھوکے کی۔

[5] ہرگز نہیں بلکہ پسند کیا تم نے دنیا کو اور بھلا دیا تم نے آخرت کو۔

Marfat.com

حیاتی یعنی وقت معین میں حصول آخرۃ اور حیات جاودانی مقصود تھا اور جس میں قوت سے سامانِ معیشت اور ہمت سے رجوع الی اللہ ادنیٰ درجہ تھا، وہ سب کا سب دنیا و مافیہا ہی میں صرف ہوگیا۔ عبادت و ریاضت، فکر و غم جو تمام تر سرمایہ آخرت کا موجب تھا، اس کا تو ذکر ہی کیا۔ اگر ہوا بھی تو مقصود دنیا اور ما فیہا۔ ہمارے رکوع و سجود اور قیام و قعود سب اغراضِ دنیا سے ملبوس اور ہماری دعا و مناجات ہماری خواہشات سے ملوث۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۱۱: ۱۵-۱۶ پ ۱۲ - س ۲)	جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم دنیا ہی میں ان کے اعمال کا بدلہ دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آتش جہنم کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور جو کچھ اعمال انہوں نے اس میں کیے سب برباد اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع۔

دنیا چند روزہ زندگی ہے اور انسان غفلت کی نیند میں مستغرق، اور ایسا جاہل کہ جس کے لیے مولیٰ کریم نے وعدہ فرمایا کہ:

مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (۱۱: ۶ - پ ۱۲ - س ۱)	نہیں کوئی چلنے والا زمین میں مگر اللہ کے ذمے ہے رزق اس کا۔

اس کی طلب میں مارا مارا پھرتا ہے، خونِ جگر پیتا ہے، بے قرار ہو ہو جاتا ہے۔ اور جس کام کے لیے جس مدعا کے واسطے اس کو پیدا کیا گیا ہے، جس فائدہ کے لیے اس کو عالمِ امر سے عالمِ شہود میں لایا گیا ہے، جس غرض کے لیے مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (جائے قرار ہے اور فائدہ

ہے ایک وقت تک) کی میعاد سے مطلع کر کے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ ہ (اَیْ لِیَعْرِفُوْنَ)[1] فرمایا ہے ادھر رجوع ہی نہیں ہے۔ خواب خرگوش کی مانند بے ہوش ہو رہا ہے۔ لیکن موت کے بعد جب اس وجود سے انتقال کرتا ہے تو آنکھ کھل جاتی ہے کہ آہ! جس کی طلب میں رات دن جان و دل سے عاشق تھا وہ میرے کام نہ آسکی، اور آخرت کا میدان خالی رہ گیا جس میں بے سروسامان بلکہ گناہ کا بوجھ اُٹھائے ہوئے داخل ہونا پڑا مثل خواب حیات الدنیا میں اصل مقصود کو بھول کر محض لہو و لعب ہی میں نایاب وقت کو کھو بیٹھا، اور آج حسرت کے سوا کچھ حاصل نہ ہؤا۔

کاش! آج اس وقت کی جو ہوا سے تیز جا رہا ہے، قدر ہوتی۔ اپنی سعی کو گمراہ نہ کرتے، اور اس بے بہا دولت ہمت کو راہ پر صرف کر کے ابدی فلاح حاصل کرتے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ ہمتِ باطنی ارادہ، قدرت اور فکر ہے۔ ظاہر و باطن کے سب کام انہی سے وابستہ اور انہی پر منحصر ہیں۔ ہر ایک امر کے لیے پہلے خیال کا ہونا معروف ہے اور خیال سے فکر قوت پکڑتا ہے تو ارادہ پیدا ہوتا ہے۔ اور سب ارادے اس کی قدرت کے محتاج ہیں۔ اور ہر طرح کی قدرت روح سے ہے۔ تو جس وجود کی روح کا میلان جسمانیت (بشریت) کی طرف ہو۔ یعنی جس انسان کا رُخ طبیعت کی طرف ہو اس شخص سے متعلقات جسم یعنی دنیا و ما فیہا کی طلب کے سوا اور کچھ صادر نہیں ہوتا ہے، اور اس کا مقصود دنیا کی زندگی اور اس کا مطلوب سامان عیش و آرام وغیرہ ہی ہوتا ہے اور یہی اصل گمراہی ہے۔ خواہ نماز پڑھے اور حج ادا کرے۔ کیونکہ یہ جو کچھ بھی بظاہر کرتا ہے اگر اس سے اس کے باطن میں کوئی اثر پیدا نہ ہو تو بے سود ہے۔ بلکہ درجہ ایمان میں جو شخص زبان سے بظاہر اسلام کا اقرار کرے اور دل

[1] نہیں پیدا کیا میں نے جنوں کو اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ عبادت کریں یعنی اپنے معبود کو پہچانیں۔

Marfat.com

میں تصدیق نہ رکھتا ہو وہ عنداللہ منافق ہے جو اس کافر سے جو کسی شبہ کی بنا پر یا تصدیق نہ ہونے کی وجہ سے انکار کرتا ہو، بدرجہا بُرا ہے۔ کیونکہ اس کی نسبت امکان اور گمان ہے کہ تصدیق کے بعد مومن ہو جائے۔ لیکن منافق باوجود مسلمان ہونے کے انکار رکھنے والا (یعنی کافر) ہے۔ اسی لیے ان کے حق میں وعید فرمائی ہے کہ:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ (۴: ۱۴۵۔ پ۵۔ ع۱۱)

بیشک منافق آگ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہیں، اور تو ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا۔

اور یہ نہ ٹلنے والی گمراہی اور نہ ہٹنے والا اندھیرا ہے جس کے لیے کوئی چراغ نہیں، کیونکہ راستہ پر جس کا رُخ اُلٹ جائے اور روشنی سے جس کو اندھیرا ہو، نور سے ظلمت نصیب ہو۔ دین کی آڑ میں دنیا کمانے والا، اسلام کے لباس میں کفر چھپانے والا کس بات پر ایمان لائیگا جب کہ عین بصارت سے اندھا رہنا پسند کرے؟

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (۱۷: ۷۲۔ پ۱۵۔ ع۸)

جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور راستے سے سخت بھٹکا ہوا ہے۔

اس آیت سے مراد باطن کی آنکھ کا اندھا ہونا ہے، نہ کہ بظاہر آنکھ کا جو کسی عارضہ سے اندھی ہو گئی ہو۔ کیونکہ اگر اسی ظاہری آنکھ سے مراد لی جائے تو ضرور ہے کہ سب اندھے بے گناہ آخرت میں اندھے ہوں، اور یہ محال ہے۔ اسی لیے مولیٰ کریم نے دوسرے مقام پر اس کی توضیح فرما دی ہے:

فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ

پس بیشک وہ نہیں اندھی ہوتیں آنکھیں لیکن

Marfat.com

تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۝ اندھے ہو جاتے ہیں دل جو کہ سینوں کے اندر
(۲۲ : ۴۶ - پ۱۷ - س۲۲) ہیں۔

دل کا اندھا ہونا انکار کے اندھیرے اور ایمان کی ضیا سے بے بصر ہونے کی وجہ سے ہے۔ مگر یاد رہے کہ وہ بصیرتِ ایمانی اور نورِ ایقانی جو دل کی آنکھ کے متعلق ہے اس کا ماخذ بھی یہی آنکھیں ہیں اور اسی آلہ اور اسی راستہ ہی سے لقاءِ ربانی اور مشاہدۂ یزدانی اور نورِ سبحانی سے معرفت کا ہونا قرار پاتا ہے۔ خواہ بظاہر آلہ بگڑ کر بند ہو گیا ہو تاہم باطن کی روشنی کے منافی نہیں ہے۔ جیسے الہام اور وحی کے لیے کان ہی مخصوص ہیں اور کان کا بند ہونا اس کے منافی نہیں ہے۔ اے عزیز! دیکھ، سورۂ کہف میں کیا تصریح ہو رہی ہے:

وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِينَ اور اس روز دوزخ کو ہم کافروں کے سامنے
عَرْضًا ۙ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ لائیں گے جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے
فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ میں تھیں اور وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے
سَمْعًا ۝ (پ۱۶ - س۱۸) تھے۔

زبان سے ذکر کرنا تو عوام کو معلوم ہے، اور دل میں یاد کرنے کو بھی سمجھتے ہیں لیکن آنکھوں کا ذکر یا یاد جو دیدار اور مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے نہیں سمجھ سکتے۔ اور یہ بصیرتِ قلبی ہے بقول شخصے ذِكْرُ اللِّسَانِ لَقْلَقَةٌ[1] وَذِكْرُ الْقَلْبِ وَسْوَسَةٌ وَذِكْرُ الرُّوحِ رَاحَةٌ۔ اور قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر عضو کی عبادت اس کے فعل سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور مطابق فرمان ایزدِ متعال قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ[2] کے طریقہ اور سنتِ الٰہی پر عمل ہوا کرتا ہے۔ جیسے

---

[1] زبان کا ذکر ہے اور دل کا ذکر وسوسہ ہے اور روح کا ذکر راحت ہے۔

[2] کہو ہر ایک اپنی شکل پر عمل کرتا ہے۔

Marfat.com

ہاتھوں کی عبادت سخاوت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ میں تلوار چلانا اور طاقت کا خرچ کرنا ہوتا ہے۔ پاؤں کی عبادت سوائے قیام اور چلنے کے نہیں ہوتی۔ اسی طرح کان کی عبادت سننے اور زبان کی عبادت پڑھنے یا بولنے یا ذکر کرنے کے سوا نہیں ہے۔ اسی طریقہ پر آنکھ کی عبادت سوائے دیکھنے کے محال ہے ——— کہا جاسکتا ہے کہ آنکھوں کی عبادت قرآن مجید کا پڑھنا اور دیکھنا یا قدرت خدا پر نظر کرنا ہے۔ لیکن اس صورت میں اُمّی یا اندھا اس سے محروم ہوگا۔ اور یہ بعید از انصاف ہے، جو محال ہے۔ گو معانی بظاہر آنکھ کے عمل پر مبنی ہیں لیکن حقیقت بصارت قلبی سے وابستہ ہے۔ کیونکہ اندھا رہنا بموجب قرآن شریف فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ[1] قلب کے اندھا ہونے کے سوا نہیں ہے۔ اور یہ بالکل عیاں ہے کہ کافر بظاہر اندھے نہیں ہوا کرتے۔ گو بصارت قلبی بھی انہی بظاہر راستوں کی مقید ہے۔ یعنی اپنے محل پر ہی سے اس کا عمل درآمد ہوا کرتا ہے لیکن بظاہر آلہ کی محتاج نہیں خواہ وہ بگڑ کر بیکار ہو جائے، جیسے کہ اوپر گزر چکا ہے۔

بظاہر آنکھ سے قدرت کا معائنہ بغیر رویت گو کسی قدر عبادت میں داخل ہوسکتا ہے۔ لیکن حقیقت کے یہ بھی خلاف ہے۔ کیونکہ مومن کی نظر میں خدا کی قدرت کا معائنہ اس کی صنعت پر دلیل ہوتا ہے اور کافر کی نظر میں صرف عجائبات کا ملاحظہ یا اشیاء کی حقیقت یا نشوونما کی ابتدا و انتہا اور بس، کما قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط (۲۳: ۸۴-۸۵ - پ ۱۸ - ش ۱)	کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو (بتاؤ کہ) زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب کس کا مال ہے؟ جھٹ بول اٹھیں گے کہ خدا کا۔

---

[1] پس بیشک وہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن اندھے ہو جاتے ہیں دل جو کہ سینوں کے اندر ہیں۔

Marfat.com

چونکہ یہاں ذکر سے مراد آنکھ کا مشاہدہ ہے اس لیے یہ معنی درست نہیں ہو سکتے ہیں جو عوام مومن و کافر میں یکساں پائے جائیں۔ بظاہر آنکھ کا مشاہدہ موجودات تک محدود ہے لیکن بصارت قلبی جس کا انحصار حجاب کے دور ہونے کے سوا روا نہیں ہے، حقیقت سے وابستہ ہے۔ جب حجاباتِ قلب دور ہو جاتے ہیں تو ایسے شخص کی نظر بصارت میں ہر شے کے حجاب کی نفی ہو جاتی ہے اور اس کا مشاہدہ حق پر ہو جاتا ہے۔ اور موجودات کے وجود کا حجاب اس کی نظر میں نہیں رہتا ہے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درجۂ احسان کی تعریف میں فرمایا

فَصَلِّ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ (حدیث)

پس نماز پڑھ ایسے گویا کہ تو اس (اللہ تعالیٰ) کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ سمجھ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یعنی اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ گویا تو مولیٰ کریم کو دیکھ رہا ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ کہ تو جانے کہ بہر حال تجھے مولیٰ کریم دیکھ رہے ہیں۔ درجۂ اول کا انحصار رویت پر ہے اور درجۂ ثانی کا مدار علم پر۔ اور علم الیقین کا حصول سماعت سے تعلق رکھتا ہے اور علم رویت بصارت سے۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ "ان کی آنکھیں یاد سے پردہ میں تھیں اور وہ (اس لیے کہ) وہ سننے کی قوت نہ رکھتے تھے۔ یا دوسرے معنوں میں وہ سنتے ہی نہ تھے یعنی وہ ہدایت کی طرف آنا نہیں چاہتے تھے ورنہ کچھ سنتے جانتے۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ (۸: ۲۳۔ پ ۹۔ ۱۸)

اگر اللہ تعالیٰ ان میں نیکی جانتا تو ان کو سننے کی توفیق دیتا۔

حواس خمسہ میں سب سے زیادہ متاثر سماعت اور بصارت ہے۔ انہی کے ذریعہ سے سماعت دماغی اور قلبی ہوتی ہے۔ کسی علم کا حصول ان دونوں قوتوں کے بغیر نہیں۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں پس وہ عقل نہیں رکھتے) بچپن سے آخر عمر تک اسی

Marfat.com

...سلسلہ سے نیک و بد اور خیر و شر کا وصول ہے۔ جب بچہ استاد سے الف پڑھتا ہے تو جب تک ...سے الف کی شکل (ا) سے عارف نہ کر دیا جائے رویتِ الف سے جاہل رہتا ہے۔ ایسے ...ی تمام حروف کا صرف وجود دیکھنے سے علم محال ہے جب تک سماعت سے حرف کا نام ...قوت حافظہ کے سپرد نہ کیا جائے۔ اسی لیے پہلے دعوت کے لیے سماعت کارآمد ہوتی ہے لیکن ...در میں حقیقت کا انحصار رویت ہی پر ہے۔ جیسے اندھا حافظ بن سکتا ہے، پڑھا بھی سکتا ہے لیکن حروف والفاظ کی شکل سے عارف نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو دل کا اندھا ہو وہ باوجود آنکھ ...یکھنے کے اندھا ہے۔ فرمان ہے:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ	اور ہم نے بہت سے آدمی اور جن دوزخ کے لیے
الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ	پیدا کیے ہیں۔ ان کے دل ہیں لیکن ان سے
لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ	سمجھتے نہیں، اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے
لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ	دیکھتے نہیں، اور ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے
لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ	نہیں۔ یہ لوگ چارپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے
بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ	بھی بے راہ، یہ وہی ہیں جو غفلت میں پڑے
الْغَافِلُونَ ۝ (پ ۹ ۔ ر ۱۲)	ہوئے ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ باوجود بظاہر دیکھنے، سننے اور سمجھ رکھنے کے اندھے، بہرے اور ...بے سمجھ ہیں۔ یعنی وہ نورِ ایمان جو دل میں روشن ہو اور اس سے ہدایت پائیں، اس سے دل خالی ہیں۔ ...منافق عبادت کرے مگر اس کی عبادت بے نور اور تصفیۂ باطن اس سے دور ہے۔ مطابق ...کلامِ الٰہی:

لَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ ۔	نہیں آتے نماز کو مگر وہ کاہلی کرتے ہیں۔ (پ ۱۰ ۔ ر ۱۳)

Marfat.com

منافق کے علاوہ فاسق بھی اگرچہ شریعت کے حکم سے مومن ہے لیکن وہ بھی اس نور سے بے نصیب ہے جس سے ہدایت یاب ہو:

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝ (۹ : ۲۴ - پ۱۰ - س۹)

اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت کرتا فاسقوں کی قوم کو۔

منافق اور فاسق کا فرق صرف اتنا ہے کہ منافق تصدیق قلبی سے محروم ہے، اور فاسق باوجود تصدیق قلبی کے بے نصیب ہے اور باوجود راہِ راست پر ہونے کے رجوع سے کاہل ہے اور ہدایت کی طرف نہیں آتا یعنی جوارح سے احکام خداوندی کی فرماں برداری نہیں کرتا تو جب تک انسان مولیٰ کریم سے طالب نہ ہو، التجا نہ کرے، وہ غنی عن العالمین بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ من دون اللہ سے جب کوئی شخص سوال کرتا ہے، کچھ مانگتا ہے تو وہ اعراض کرتا ہے، اور بار بار سوال کرنے سے سخت ناراض ہوتا ہے، رد کرتا ہے حتیٰ کہ دشنام تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ برعکس اس کے مولیٰ کریم سوال کرنے والے پر خوش ہوتے ہیں، رد نہیں کرتے حتیٰ کہ بار بار التجا پر زیادہ خوش ہوتے ہیں اور قبول فرماتے ہیں۔ اور نہ مانگنے والے کی صرف یہ نہیں کہ پرواہ نہیں کرتے بلکہ ناراض ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا۝ (۲۵ : ۷۷ - پ۱۹ - س۴)

کہدو میرے حبیب کہ اگر تم خدا سے التجا نہ کرو تو میرا پروردگار بھی تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا تو تم نے جھٹلایا سو اس کی سزا تمہارے لیے لازم ہو گئی۔

منعم حقیقی سے نہ مانگنے میں دو نقصان ہیں۔ ایک تو دعا عبادت کی ایک قسم ہے جس سے التجا نہ کرنے والا محروم ہے۔ دوسرا یہ کہ دنیا اور آخرت میں اس کے سوا کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے، اور وہ ایسا کریم ہے کہ مانگنے والا اس کے دروازہ پر صاحب وصول اور عزت وا

Marfat.com

[ہو]تا ہے۔ تو وہ اس نعمت ابدی سے بے نصیب ہو رہا ہے۔ اور یہ اس کی بے توجہی کا نتیجہ اور سزا [ہ]ے کہ مالک حقیقی اس کے حال پر عنایت کرنے سے لاپرواہ ہیں جو سخت گمراہی کا موجب ہے۔ لیکن "اس نے تکذیب کی اور اس تکذیب کی وجہ سے اس پر سزا لازم ہو گئی" یہیں عجیب نکتہ ہے۔ عوام کا قاعدہ اور فاسق کا دستور ہے کہ جب کسی کتاب سے یا کسی واعظ سے کوئی نصیحت پڑھتا یا سنتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ "جی درست ہے۔ سب حق اور سچ ہے۔ ہماری بدنصیبی ہے"۔ یا کہتا ہے کہ "جی دعا کرو خداوند کریم مجھے بھی ہدایت دے"۔ لیکن یہ ایسا انکار ہے جو اقرار کے رنگ میں ظاہر ہو رہا ہے۔ بعض کفار بھی ایسا کہتے کہ اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ہدایت یاب ہو جاتے۔ اور یہ رب العالمین پر سخت الزام ہے کہ وہ ہدایت نہیں دیتے۔ کیونکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اور وہ اس قول میں کاذب ہیں۔ چنانچہ مولیٰ کریم صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ جو شخص دل سے رجوع کرتا ہے اس کو ہدایت دینا ہمارے ذمہ ہے۔ یَهْدِیٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ۔[1] یا فرمایا اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدٰی۔[2] دوسری جگہ زیادہ تصریح کے ساتھ فرمایا ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ	اور جن لوگوں نے محنت کی بیچ راہ ہماری کے
سُبُلَنَا ط (۲۹: ۶۹ ۔ پ ۲۱ ۔ س ۳)	البتہ ضرور دکھائیں گے ہم ان کو راہ اپنی

جب حضرت آدم علیہ السلام کو لغزش کی وجہ سے دنیا میں بھیجا تو فرمایا کہ تم اور تمہاری اولاد ایک مدت معینہ تک اسی جگہ رہا کرو گے۔ اور ساتھ ہی ارشاد ہوا:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ	پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے
هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ۝ وَمَنْ	تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو نہ گمراہ

---

[1] راہ دکھاتا ہے طرف اپنی اس شخص کو جو جھکتا ہے۔ [2] یقیناً ہمارے ذمے ہے ہدایت دینا۔

Marfat.com

اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا وَّ نَحۡشُرُہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اَعۡمٰی ۝
(۲۰ : ۱۲۳-۱۲۴ - پ۱۶ - س۱۶)

اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

پھر سمجھ نہیں آتی کہ وہ ذاتِ رحیم جو خود ارشاد فرما رہے ہیں کہ کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ (میں نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر رکھا ہے) تو کیسے ہدایت نہیں دیتے ہیں۔ بوجہ نادانی خود ہدایت سے گریز کر کے اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ مولیٰ کریم مطابق فرمان خود لَا یَظۡلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا[1] کسی پر ظلم نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ ماں باپ سے زیادہ شفیق، ہر رفیق سے بڑھ کر رفیق، ہمارے وہم و گمان سے ورا، ہماری عقل سے بعید نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ[2] ہے

یار من نزدیک تر از من بہ من ست ویں عجب تر کہ من از وے دورم
چہ کنم، با کہ تواں گفت، کہ او درکنار من و من مہجورم[3]

اگر قرآن شریف کو نظرِ عمیق سے دیکھا جائے تو اس منعم حقیقی نے انسان کو عین ہدایت پر پیدا کیا ہے۔ ہر چیز کو اس کا مسخر کیا ہے اور انسان کو اپنی فرماں برداری کے لیے حکم صادر فرمایا ہے لیکن اس فرماں برداری کا پھل اور اطاعت کا مقصود، اس محنت سے حصول اور مراد مولیٰ کریم کی محبت اور معرفت ہے، جو عین ہدایت اور ہدایت کا مقصد اور ثمر ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے یُحِبُّھُمۡ وَ یُحِبُّوۡنَہٗ[4]۔ چونکہ یہ میدان آزمائش ہے۔ اور نفس کا حجاب

---

[1] نہیں ظلم کرتا رب تیرا کسی پر۔ [2] ہم اس کی طرف اس کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہیں۔

[3] میرا یار میرے قریب تر ہے میری اپنی ذات سے بھی۔ یہ عجیب تر ہے کہ میں اس سے دور ہوں۔ میں کیا کروں اور کس سے کہوں کہ وہ میرے پہلو میں ہے اور میں ہجر میں مجبور ہوں۔ [4] وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے

ایسی بلا ہے کہ اس سے بچنا اور صراط المستقیم پر چلنا آسان کام نہیں۔ نفس کا سب حکم ظاہر پر ہے اور ایمان کی سب رویت اور حقیقت یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ[1] پر ہے۔ آج کون ہے جو اسلام کے چہرے اور نورِ ایمانی سے عارف ہو کر انوار اور للہیت قلب کا بے بہا خزانہ پا سکے؟ جبکہ سراسر خواہشات اور حیات الدنیا کے فریفتہ اسلام اور قوم کی ترقی اور بہبودی کا انحصار مال و جاہ دنیا ہی پر سمجھ رہے ہیں۔ اور فرمان مولیٰ کریم ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا	جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع ہی نہیں اور دنیا
بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ	کی زندگی سے خوش اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور
الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۙ	ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔ ان
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا	لوگوں کا ٹھکانا ان کے اعمال کے سبب جو وہ
یَكْسِبُوْنَ ○ (۱۰: ۷-۸ - پ۱۱ - ع۱)	کرتے تھے، دوزخ ہے۔

گو اس کا شانِ نزول کفار کے حق میں ہے لیکن عمل اور حال کے رو سے کافر اور مومن اس میں برابر ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مومن رب العالمین کے دربار میں حاضر ہونے کی اور اس کی ملاقات کی امید رکھتا ہے اور کافر نہیں رکھتا۔ کافر حیات آخرہ اور ملاقات رب العالمین کا منکر ہے اس لیے وہ حیات الدنیا پر راضی اور مطمئن ہے۔ اگر مومن باوجود ایمان کا مدعی ہوتے کے رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا ہے تو ایمان اور ایقان کس بات پر ہے؟ جبکہ وہ ذاتِ قدیم حیاتِ دنیا کو کھیل تماشہ اور آخرت کو ہمیشہ کی اصل حیاتی فرما رہے ہیں، اور حسرت کے الفاظ سے غفلت کی نیند سے جگا کر لاعلمی سے مطلع کر رہے ہیں۔ کہ کاش یہ لوگ جانتے ہوں۔

---

[1] ایمان لاتے ہیں ساتھ غیب کے۔

Marfat.com

سو اے بھائی! جب تک تیرے قدم اس دارِ فنا سے اُٹھ نہ جائیں، اور آخرت یعنی دارِ بقا کی طرف استقامت نہ پکڑیں، طلبِ حق کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟

دراصل لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَ نَا کسی اُمید پر دال ہے۔ اور قاعدہ کلیہ ہے کہ اُمیدیاب کا ہونا طلب کے سوا محال ہے۔ تو فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ[1] کا عمل کب ظہور پذیر ہو سکتا ہے؟ اور اُمیدِ لقا فی الدنیا و آخرہ کہاں جب کہ ہم حیات الدنیا ہی پر راضی ہو گئے ہوں، اور ہمارے قلب اسی پر ہی مطمئن ہو بیٹھے ہوں؟ آج کون ہے جو اپنے مولیٰ کریم کے لیے بے قرار اور اپنے آپ سے بیزار ہو؟ ہاں! اپنے نفس کے لیے اس مالک پروردگار پہ ناراض ہوتے رہتے ہیں ؎

ہر کہ او از خویشتن بیزار گشت
بیشک او از محرمِ اسرار گشت

اس مقامِ حصول پر بیدار اور ہوشیار ہونا چاہیے اور سر پہ خاک ڈالنی چاہیے۔ وقت ہوا سے تیز جا رہا ہے۔ نہ معلوم کل کیا ہونے والا ہے۔ یہ قیمتی سرمایہ جو سانس کا سانس بن کر ہاتھ سے جا رہا ہے، واپس نہ آئے گا۔ انسان ایک دن واپس دنیا میں آنے کے لیے تڑپے گا مگر بے سود۔ ہرگز نہ آ سکے گا۔ تجھے جب قدر معلوم ہوگی، مگر بے حاصل۔ اُٹھ! آج اپنے کام کی فکر کر، تاکہ تجھ پر رحم کیا جائے۔

حضرت نوری رحمۃ اللہ علیہ پر جب جلاد قتل کے لیے ہاتھ چلانے لگا تو آپ کے شاگرد نے جلدی سے نوری رحمۃ اللہ علیہ کو پیچھے ہٹا کر اپنی گردن جلاد کے آگے رکھ دی۔ پھر نوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ جلاد حیران ہوا اور یہ خبر بادشاہ تک پہنچی۔ اس نے دریافت کیا کہ "یہ کیا ماجرا ہے"؟ فرمایا "دنیا کی ایک گھڑی ہمارے لیے آخرت کے ہزار سال سے

---

[1] پس دوڑو طرف اللہ تعالیٰ کی۔

Marfat.com

بہتر ہے، اور ہمارا مذہب ایثار ہے۔ ہم میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ دو سانس جو پہلے میرے قتل ہونے کی وجہ سے توقف ہوگا وہ میرے بھائی کے کام آئیں"۔

ہیہات! آج ہم کو اس طرف سے حصہ ہی نہیں۔ یہ دولت کہاں اور ہم کہاں۔ کافر، منافق اور فاسق تو درکنار، مومن اور مسلمانوں کا بھی آج عجیب حال ہے۔ حقیقت اسلام اور رویت ایمان سے جاہل ہو رہے ہیں۔ ایک رسم و رواج کی مانند عمل کا نام دین رکھ لیا ہے، قانون اسلام اور تعزیرات دین کا علم حاصل ہونے پر مولنا مولوی، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ جبراً و قہراً ادا کرکے مومن، اور اجازت کو غنیمت جان کر معصیت اور دنیا ومافیہا کے شیدا، دین کے رنگ میں دنیا کمانے کے لیے مسلم۔ گویا ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیل رہے ہیں۔ ہم کجا اور دین کا رستہ کجا۔

تو نے نہیں دیکھا، جب گنوار لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کیا تو اس عزیز الجبار کی طرف سے کیا ارشاد ہوا؟:

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُم مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (پ ۲۶ - س ۱۴)
(۴۹ : ۱۴)

دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے۔ کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ (یوں) کہو کہ ہم اسلام لے آئے۔ اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہوا ہی نہیں۔ اور اگر تم خدا اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو گے تو خدا تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

تو جب وہ اسلام لا چکے اور تسلیم کر چکے تو ضرور کسی تصدیق اور یقین کے بعد ہی کیا ہوگا۔ اور

Marfat.com

ایمان اور ایقان دو چیز نہیں تو پھر یہ نفی من اللہ کیوں ہوئی؟ اور ساتھ ہی یہ تصریح بھی ہے کہ جو تم اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری میں عمل کرو گے تو اس میں سے کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔ اور مسلم امر ہے کہ کوئی عمل بجز ایمان کے قبول نہیں ہوتا۔ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو وہ منافق تھے اور نہ کافر یا فاسق، بلکہ مسلمان تھے۔ لیکن ابھی مومن نہ تھے۔ جیسا کہ فرمایا کہ ہنوز تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ	مومن تو وہ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے
وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا	پھر کچھ شک نہ کیا اور خدا کی راہ میں مال و جان سے
بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	مجاہدہ کیا۔ یہی لوگ صادق ہیں۔
اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ (پ ۲۶-ع ۱۴)	(سورۂ حجرات۔ آیت ۱۵)

اکثر مفسرین اس پر ہیں کہ وہ منافق تھے، اور ابھی ان کے دلوں میں تصدیق نہ تھی۔ صرف زبانی اقرار کرنے والوں میں سے تھے۔ لیکن یہ خلاف حقیقت ہے۔ کیونکہ حکم ہو رہا ہے کہ "اے میرے حبیبؐ، ان سے کہو کہ تم خدا کو اپنی دینداری جتاتے ہو"۔ نیز فرمایا کہ "یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ اپنی مسلمانی کا احسان مجھ پر نہ رکھو ایسا نہیں ہے

بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ	بلکہ خدا تم پر احسان رکھتا ہے کہ تم کو ایمان کا راستہ
لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝	دکھایا، بشرطیکہ تم سچے ہو۔ (حجرات۔ آیت ۱۷)

یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہدایت من اللہ ہے، اور اس کو اپنے کسب یا مجاہدہ کے رو سے جاننا سخت خطا اور کذب ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر تم اپنے حال میں صادق ہو تو اللہ کا احسان مانو جس نے تمہیں ہدایت کا راستہ دکھا دیا، نہ کہ اُلٹا احسان خدا پر رکھو۔ یہ آیت نہ ایمان کی نفی کرتی ہے نہ اسلام کی۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ

Marfat.com

سُوْلِہٖ۔ (اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ جس طرح حق ہے ایمان لانے کا اللہ اور اس کے رسول پر) یہ اسی طرح ہے جیسے فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً۔ (اے ایمان لانے والو! اسلام میں پورے پورے سے داخل ہو جاؤ)۔ مدارج ایمان میں ہر چند فرق ہے۔ جیسے حدیث شریف میں درجۂ احسان یں بیان فرمایا ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ یعنی تو اس مالکِ حقیقی کی عبادت میں ایسا محو و مستغرق ہو کہ واقعی تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ یہ احسان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اور کم درجہ یہ ہے کہ تیرے دل کا دھیان اس درجہ تک ہو کہ وہ مالک تجھے دیکھ رہا ہے اور تیرے دل کے بھیدوں کا علیم ہے۔

یقین کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ علم الیقین ہے، دوسرا عین الیقین اور تیسرا حق الیقین۔ مثلاً ایک گھڑا جس میں پانی بھرا ہو، اور اس کا بظاہر (بیرونی حصہ) تر نظر آتا ہو تو کہہ سکتے ہیں کہ اس میں پانی ہے۔ لیکن یہ کہنا علم الیقین ہے۔ کیونکہ تراوت کی وجہ سے گمان اغلب ہے کہ اس میں ضرور پانی ہے۔ اس کو علم اُصُول میں نسبت کہنا بجا و درست ہے لیکن جب چپنی اُٹھا کر دیکھ لیا کہ یہ پانی اس میں موجود ہے تو یہ عین الیقین یا حکم ہو گیا۔ کیونکہ پانی کی موجودگی میں کوئی شک و شبہ نہ رہا۔ لیکن ابھی اس کے ذائقہ (تلخ یا شیریں) کی حقیقت معلوم نہیں ہوئی۔ اور جب اُٹھا کر پی لیا تو حقیقت کھُل گئی، بلکہ واحد ہو گئی۔ اور یہ حق الیقین ہے۔ تو جب رویت ہو جاتی ہے، گمان نہیں رہتا۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا ۝ یعنی ظن یقین کے بعد کچھ کام نہیں دیتا۔

حضرت علی جرجانی قدس سرہ کا قول کیا ہی عجیب ہے۔ فرماتے ہیں کہ "خدا کا گمان اس کے بھید سے باہر نہیں ہوتا۔ مگر خدا کے جلال یا جمال کی رویت سے باہر ہے۔ کیونکہ اس کے اظہار میں بالکل خدا کو دیکھتا ہے اور گمان فانی ہوتا ہے"۔ تو صاف ظاہر ہے کہ جب رویت

Marfat.com

ہوتی ہے گمان نہیں رہتا۔ اور یہ نور ایمانی دل میں داخل ہونے کے سوا نہیں ہے۔ اور یہ عین خطرات قلب ہیں جن کا سرمایہ عین محبتِ الٰہی ہے۔

مردانِ راہِ خدا میں سے ایک بزرگ کسی جگہ بیٹھے اپنے مولیٰ کریم سے مناجات کر رہے تھے۔ کوئی شخص پیچھے سے آیا اور سلام دیا۔ آپ چپ ہو گئے اور سلام کا جواب دیا۔ اس نے دریافت کیا "آپ یہاں اکیلے بیٹھے ہیں"؟ فرمایا "تیرے آنے سے اکیلا ہو گیا ہوں"۔ پوچھا "آپ یہ مکالمہ کس سے کر رہے تھے"؟ فرمایا "اپنے پروردگار عزّ وجلّ سے"۔ وہ شخص بولا "مجھے تو آپ کے روبرو سوائے چند پتھروں کے کچھ نظر نہیں آتا"۔ فرمایا "او جاہل! میں اپنے دل کے خطرات دیکھ رہا تھا"۔ —— سبحان اللہ وبحمدہٖ! باوجود عارف یعنی مومن ہونے کے اپنے حال سے علم بھی رکھنے والے تھے —— پس اسی لیے فرمایا کہ "ابھی تمہارے تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے"۔ یعنی وہ نور جس سے رویت حاصل ہوتی ہے، اور یہ فکر کی ہمیشگی اور محبت کے غلبے کے سوا نہیں ہے۔ اور جب تک دنیا وما فیہا سے اعراض اور حبّ الشہوات یعنی تمام مائل کی گئی چیزوں کی طرف سے دل کا انقطاع نہ ہو، یہ معنی ظاہر ہونے محال ہیں۔

آج جبکہ ظلمات کی گھٹائیں سمائے ادج پر چھا رہی ہوں اور نفی مُثبت کے فلسفے چمک کر گونج رہی ہوں، اور ایسی تاریکی کو نئی روشنی سے نامزد کرنے والا دانا اور عقل مند اپنے زعم اور خیال باطل میں مستغرق، دین الحق کے لیے مستہزءون، طول امل کے میدان میں خواہشات کے ٹٹو پر سوار ہو کر هُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا[1] کی تصدیق کر رہے ہوں تو آفتابِ معرفت کی کرنیں ان کے لیے کب صراط المستقیم پر جلوہ فگن ہو سکتی ہیں جس سے

[1] وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھے کام بنا رہے ہیں۔

Marfat.com

...لم حق اور مشاہدہ سے رویت اور حقیقت سے حق الیقین حاصل ہو؟ اسی وجہ سے

معرفتِ الٰہی

...یں سخت اختلاف ہو رہا ہے۔ اور انسان پر اس سے زیادہ اور سخت مشکل کسی امر میں واقع نہیں ہوئی ہے۔

اسلام میں ایک گروہ اس بات پر ہے کہ دیدارِ الٰہی دنیا میں ہونا روا نہیں ہے، لیکن آخرت میں قیامت کے دن ضرور ہوگا۔ اور دوسرا گروہ قیامت کے دن بھی عرف و مشاہدہ ہونے سے منکر ہے۔ اور وہ اس دلیل پر ہیں کہ جب قرآن شریف میں صاف بیان ہے کہ:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ٘ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ٘ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ (۶: ۱۰۴ - پ ۷ - س ۱۹)	نہیں ادراک کر سکتیں اس کا نگاہیں اور وہ ادراک کرتا ہے سب نگاہوں کا اور وہ باریک بین ہے خبر رکھنے والا۔

تو پھر دیدار اور مشاہدہ کیسے روا ہو سکتا ہے؟ بلکہ ناممکن ہے کیونکہ جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پروردگار سے سوال کیا:

رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ط (پ ۹ - س ۷)	اے میرے پروردگار! تو مجھے دکھا اپنے تئیں کہ میں تیری طرف دیکھ سکوں۔

تو جواب ملا:

لَنْ تَرٰىنِيْ (۷: ۱۴۳ - پ ۹ - س ۷)	تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا۔

یہ مسلم امر ہے کہ پیغمبر اولوا العزم سب ہستیوں سے برگزیدہ اور بنی آدم میں سے افضل ہیں اور خداوند کریم کی معرفت میں سب سے زیادہ عارف ہیں۔ تو جب ان کو یہ جواب ملا کہ

Marfat.com

ہرگز نہ دیکھ سکو گے" تو عام مومن کا مولی کریم کو دیکھنا کس طرح ممکن اور روا ہو سکتا ہے؟

اے بھائی! (خداوند کریم تجھے نیک سمجھ عطا فرمائے) لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ سے مراد ادراک اور احاطہ ہے، جو واقعی ناممکن اور محال ہے۔ کیونکہ چگونگی ذات باری تعالیٰ میں حرام ہے۔ اور جان کہ کوئی ایک چیز جب دوسری چیز پر محیط ہو تو وہ دوسری شے محیط پر احاطہ نہیں کر سکتی مثلاً ہوا ہر چیز پر محیط ہے تو یہ محال ہے کہ کوئی شے اس پر محیط ہو سکے۔ تو بھلا اس خالق کون و مکان، بے مثل و بے نشان کی کنہ یا اس ذات بے نہایت کا ادراک اور احاطہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے جو خود بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ ہے۔ اور یہ بھی سمجھنے کے لیے، ورنہ اس باری تعالیٰ کا عرفان کس سے اور کس چیز سے جبکہ ہر چیز کی ہستی اور قدرت اسی مالک الملک سے ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا عَرَفْتُ رَبِّي بِرَبِّي یعنی میں نے اپنے رب کو رب ہی سے پہچانا ہے یعنی اسی کے نور سے ہی عرفان ہوا ہے۔

اس میں تو کلام نہیں کہ یہ آنکھیں اس کو نہیں دیکھ سکتیں، اور نہ ہی دیکھ سکیں گی۔ اور یہی ان صاحبان کی غلطی کا اصل اور سبب ہے۔ کیونکہ اگر یہ آنکھ مولی کریم کے مشاہدہ اور دیدار الٰہی کا محل ہو سکتی تو ضرور تھا کہ سب آنکھ والے دیکھ سکتے اور ظاہر میں عارف ہوتے اور یہ محال ہے۔

اے بھائی! سمجھ، جب آفتاب دنیا کسی سخت آندھی یا کالی گھٹا میں ایسا چھپ جاتا ہے کہ بالکل اندھیرا ہو جاتا ہے تو یہ آلۂ بصارت یعنی آنکھ صحیح و سالم، تندرست بغیر کسی نقص کے اندھی ہو جاتی ہے۔ یعنی جب تک آفتاب کی روشنی اس کو ضیاء نہ بخشے یہ آفتاب وغیرہ کو نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح جب تک آفتاب معرفت قلب پر جلوہ فگن نہ ہو اور اس کے نور سے آنکھ روشن نہ ہو چشم بصیرت کو عرفان کیسے ہو سکتا ہے؟

Marfat.com

چو تو پنہاں شوی از من ہمہ تاریکی و کفرم
چو تو پیدا شوی بر من مسلمانم بجانِ تو

اوپر گزر چکا ہے کہ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی جس کو واضح کرنے کے لیے تصریح فرمائی ہے: فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ "یعنی جو یہاں اندھا ہے وہی آخرت میں اندھا ہوگا۔" اور "یقینا یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن سینوں کے اندر جو دل ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں"۔ تو یہ بینائی اور اعمیت سب قلب سے وابستہ ہے نہ کہ بظاہر۔ کافروں کے حق میں ارشاد ہو رہا ہے کہ دوزخ ان کے سامنے ہم اس سبب سے لائیں گے کہ کَانَتْ اَعْیُنُھُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ "ان کی آنکھیں میری یاد سے پردہ میں تھیں"۔ اور آنکھوں کی یاد سوائے دیکھنے کے محال ہے۔ جیسے زبان کا ذکر بولنے سے اور کان کا سننے سے ہے۔ تو جب کفار کے لیے آنکھ کا پردہ یادِ الٰہی سے جو مشاہدہ اور دیدار کے سوا نہیں ہو سکتا، روا ہے تو ضرور مومن کے لیے آنکھ سے دیکھنا روا ہے۔ اور نورِ معرفت سے مومن دیکھنے والا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ	بھلا جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے (دینِ) اسلام
فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَۃِ	کے لیے کھول دیا ہے اور اپنے پروردگار سے روشنی
قُلُوْبُھُمْ مِّنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ	پر ہے (تو کیا وہ سخت دل کافر کی طرح ہو سکتا ہے)
فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ (پ۲۳-ع۱۶)	پس ان پر افسوس ہے جن کے دل خدا کی یاد سے
(۳۹: ۲۲)	سخت ہو رہے ہوں۔ یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں

رہا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سوال رَبِّ اَرِنِیْ "میرے رب! مجھے اپنے تئیں دکھا" تو اس سے ان کا مطلب کما حقہٗ دیکھنا تھا جس کے جواب میں لَنْ تَرٰنِیْ

Marfat.com

یعنی تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا" کا ارشاد ہوا۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے۔ ورنہ نبوت کی پہلی ہی رات جب جنگل میں روشنی دیکھی اور آگ سمجھ کر راستہ معلوم کرنے یا آگ لینے کے لیے وادی مقدس میں پہنچے تو پروردگار عالم نے فرمایا اِنَّنِیْٓ اَنَا اللہُ یعنی بیشک یہ تو میں اللہ ہوں، تو یہ عین حضور تھا اور رویت ظاہر۔ کیونکہ مومن یا ولی بھید میں جاتا ہے، جو کچھ پاتا ہے ستر میں پاتا ہے، اور نبی جو کچھ پاتا ہے ظاہر میں پاتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ید بیضا اور عصا وغیرہ جو کچھ پایا ظاہر میں پایا اور سب کو دکھا دیا۔ اور وہ اس لیے کہ نبی اپنی نبوت کا مدعی ہوتا ہے اور دعویٰ اس کے لیے لازم۔ برعکس اس کے ولی کے لیے دعویٰ کی کوئی صورت درست نہیں ہوتی۔ اس کے لیے اخفا ہی بہتر اور اولیٰ ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی کے واسطے اس ظاہر آنکھ سے دیدار و رویت مولیٰ کریم روا ہے۔ لیکن اب لَنْ تَرٰىنِیْ (تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا) ایسا اشکال ہے کہ یہ سب معنی فوت ہوئے جاتے ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ ہمیں نبی و مرسل کے حال سے کچھ حصہ نہیں۔ بلکہ نبی تو درکنار ہم کو ولی کے حال سے مطلع ہونا محال ہے۔ اور ایسا ہی ولی کے لیے نبی کے حال سے۔ تو جب ولی نبی کے حال سے جاہل ہوتا ہے، تو ہم تو اس ترازو کے پاسنگ بھی نہیں۔ رہا دلیل و قال سے، تو وہ صاف ظاہر ہے کہ یہ سوال چگونگی ذات باری تعالیٰ پر تھا جس کے لیے لَنْ تَرٰىنِیْ کا جواب ملا۔ ورنہ تجلی تو اس وقت بھی ہوئی۔ فرمان مولیٰ کریم ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ — پھر جب تجلی کی رب اس کے نے طرف پہاڑ کے

خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (پ ۹ - ع) — کیا اس کو ریزہ ریزہ اور گر پڑے موسیٰ علیہ السلام بیہوش

اس لیے تجلیات، مشاہدہ، دیدار، یہ سب روا بلکہ مقصود ہے، اور چگونگی یا کما حقہ، مشاہدہ محال اور یہ ہو بھی کیسے؟ جب (اَللہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) اللہ تعالیٰ زمینوں اور آسمانوں کا

Marfat.com

نور ہے۔ تو سب ہستی اور نور من اللہ ہے۔ تو پھر حباب دریا کو کس طرح دیکھ سکتا ہے؟ اور ذرہ آفتاب کو کیا پا سکتا ہے؟

حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "وصول خداوند تعالیٰ کا وصول ایسا نہیں ہے جیسا جسم کا وصول جسم سے ہوتا ہے، یا جوہر کا عرض سے، یا علم کا معلوم سے، یا عقل کا معقول سے، یا شے کا شے سے، تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا[1]۔

اسی طرح دیدارِ الٰہی بھی کسی دیدار کی مانند نہیں ہے۔ نہ ہی یہاں ادراک اور احاطہ کو کوئی دخل ہے۔ جو شخص حدث سے قدم کا فرق نہیں جانتا اس کا سمجھنا نہایت مشکل بلکہ اسے صاحبِ عرف کو سمجھانا بھی دشوار ہے۔ مشاہدہ اور دیدار یہ جو کچھ بھی ہے، حال کے تغیر اور حجاب کے دور ہونے کے سوا نہیں ہے:

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی جانے تو کیا جانے

اور یہ حال ہے جو تحریر و قال سے باہر ہے، اور یہ ایک حیاتی ہے جو باطن سے وابستہ ہے۔ اور یہ وہ علم ہے جس کے لیے کوئی حرف نہیں لیکن جو شخص یہ علم نہ رکھتا ہو وہ سب علموں سے جاہل ہوتا ہے۔ اور عارف خواہ ظاہری علم سے ایک لفظ بھی نہ پڑھا ہو سب علموں سے عالم ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس حیاتی سے محروم ہو، خواہ بظاہر زندہ نظر آتا ہو، عنداللہ وہ مردہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (تم مُردے کو نہیں سنا سکتے) اور جو زندہ ہے وہ مر کر یعنی عالم برزخ یا آخرت کی طرف منتقل ہو کر بھی زندہ ہے، اور جو مُردہ ہے وہ حیاتِ الدنیا میں بھی مردہ ہے۔ اور یہ زندگی حیاتِ الآخرہ نہ کہ دنیا۔ اور یہ بصارت و سماعت حیاتِ اُخروی ہے۔

---

[1] بلند ہے اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند بہت بڑا۔

Marfat.com

زندہ اور مُردہ

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ	اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں، اور نہ اندھیرا اور
وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۙ وَلَا الظِّلُّ	روشنی، اور نہ سایہ اور دھوپ، اور نہ زندے
وَلَا الْحَرُوْرُ ۚ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاۗءُ	اور نہ مُردے برابر ہو سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ
وَلَا الْأَمْوَاتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ	جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے۔ اور جو لوگ
يَّشَاۗءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ	قبروں میں ہیں تم ان کو نہیں سنا سکتے۔
فِي الْقُبُوْرِ ؀ (۳۵ : ۱۹-۲۲- پ۲۲- ۱۵)	(سورۂ فاطر۔ رکوع ۱۵)

شاید بلکہ اغلب امید ہے کہ بعض کوتاہ اندیش اس کے معنی قبرستان والے مُردے ہی سمجھیں گے لیکن یہ سخت جہالت اور کوتاہ فہمی ہے۔ کیونکہ یہ سماعت تو تبلیغ دین و اسلام ہے جو زندہ کے لیے ہے۔ اصحاب القبور مُردہ کے لیے نہیں بلکہ اصحاب القبور دنیوی زندگی میں چلتے پھرتے مُردے مراد ہیں جو قرآن شریف سے ثابت ہے :

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ؀	یہ تو نصیحت اور قرآن صاف ہے تاکہ اس
لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ	شخص کو ڈرایا جائے جو زندہ ہو اور کافروں پر
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ؀ (۳۶ : ۶۹-۷۰- پ۲۳- ۴)	بات پوری ہو جائے۔

جیسے فرمایا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (ڈر جانے والوں کے لیے ہدایت ہے) تو جب متقی زندہ ہے تو کافر مردہ ہے۔ اور اس قبر کی حقیقت کو اپنے فضل و کرم کے رُو سے مومنین کے لیے واضح طور پر اپنے کلام پاک میں یوں ارشاد فرما رہے ہیں :

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا	اور کی ہم نے آگے ان کے سے ایک دیوار اور
وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ	پیچھے ان کے سے ایک دیوار پس ڈھانکا ہم نے

Marfat.com

فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ٥ (۳۶: ۹ - پ ۲۲ - ش۱۸)	ان کو پس وہ نہیں دیکھتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمان ہو رہا ہے:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا	بھلا جو شخص پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ
لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنْ	کر دیا اور اس کے لیے روشنی کر دی کہ وہ اس کے
مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ	ذریعے سے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہیں اس
مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا	شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہو اور
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ (۶: ۱۲۳ - پ - ۸)	اس سے نکل ہی نہ سکے۔ اسی طرح کافر جو عمل کر رہے
(سورۂ انعام۔ رکوع ۲)	ہیں وہ انھیں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

ظاہر کے مقید اس حیات اور موت سے بھی پیدائش اور بطن مادر ہی مراد لیں گے۔ لیکن اس کور چشمی کے لیے كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ٥ کا کحل کافی ہے جس سے حجاب بصارت رفع ہو کر اشکال دفع ہو جائے گا کہ یہ کافر اپنے عملوں کی وجہ سے مردہ ہے اور اس کو ظاہری حیاتی جو سراسر موت، اور حیاتِ اُخروی جو سراسر حیاتی ہے اُلٹی نظر آ رہی ہیں محققین کے نزدیک یہ موت خواہش نفس کے سبب سے ہے اور حیات محبتِ الٰہی کے باعث سے۔ یا موت محرومی کے سبب سے ہے اور حیات معرفت کے باعث سے۔

حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش صاحب لاہوری قدس سرہٗ نے کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ "معرفت کے سبب سے جو حیات ہوتی ہے وہ اور ہے اور حیاتِ بشریت اور۔ اہلِ عالم حیاتِ بشریت سے زندہ ہیں اور اولیاء حیاتِ معرفت سے۔ ایک دن ہو گا کہ حیاتِ بشریت تمام ہو جائے گی، كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ (ہر جان موت کو چکھنے والی ہے) اور حیاتِ معرفت ہرگز ختم نہ ہو گی۔ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (پس ضرور بالضرور

Marfat.com

زندگی بخشتے ہیں ہم اس کو پاکیزہ) اور یہی مضمون ہے اَلْمُؤْمِنُ حَیٌّ فِی الدَّارَیْنِ یعنی مومن دونوں

جہان میں زندہ ہے ؎

نمیرد ہر کرا جانش تو باشی

خوشا جانے کہ جانانش تو باشی

شاہ کرمانی قدس سرہٗ نے یہ آیت اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ الخ پڑھی تو فرمایا کہ اس

حیات کی تین علامتیں ہیں: خلق سے عزلت، حق تعالیٰ کے ساتھ خلوت اور زبان و

دل سے ذکر پر ہمیشگی کرنا ؎

در روئے خلائق در صحبت مکشای　　　می باش بکلی متوجہ بخدای

غافل مشو از ذوق دل و ذکر زبان　　　تا زندۂ جاوید شوی در دو سرئ

لیکن اس موت سے یہ سمجھ لینا کہ مُردہ مثل جماد ہے، سراسر غلط ہے۔ ایسا مردہ تو کافر

بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ موت حجاب اور حجاب کا سخت عذاب ہے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ　　　یقیناً وہ اپنے رب سے اس دن حجاب میں

لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ (پ ۳۰ - ۲۶)　　　ہوں گے۔

اس دن اس ہزار موت سے بھی یہ حجاب سخت ہو گا۔ بلکہ قرآن شریف میں ہے کہ کافر اس دن

اپنے تنگ مقام کو دیکھیں گے تو موت کو پکاریں گے۔ جواب ملے گا کہ:

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا　　　تم آج ایک ہی موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی

ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝ (۲۵: ۱۴ - پ ۱۸ - ۱۴)　　　موتوں کو پکارو۔

مثل جماد مر جانے کے لیے کا فر التجا کرے گا اور اس حیات اُخروی سے جس پر ایمان نہ رکھتا

تھا، سخت بیزار اور بے قرار ہو کر کہے گا:

Marfat.com

یٰلَیۡتَنِیۡ کُنۡتُ تُرٰبًا ۝ (۷۸:۴۰۔ پ۳۰) کاش! میں مٹی ہو جاتا۔

مگر کہاں۔ کیونکہ یہ زندگی انسان کبھی فنا ہونے والی نہیں' اور نہ ہی ہوگی۔

حضرت علی ہجویری قدس سرہٗ فنا اور بقا کے بیان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

بقا بقا بقا۔ جیسا تھا' ویسا ہی ہے' اور ویسا ہی رہے گا۔ اَلۡاٰنَ کَمَا کَانَ۔ تو یہ اس باری تعالیٰ لم یزل ولایزال' بے مثل و بے مثال' ذوالجلال والاکرام کی شان ہے۔

فنا بقا فنا۔ جو پہلے نہ تھا' اب ہے' اور پھر نہ رہے گا۔ تو یہ حدث یعنی دنیا و مافیہا ہے۔

فنا بقا بقا۔ پہلے نہ تھا۔ اب ہے' اور باقی رہے گا۔ یہ آخرت' دوزخ' جنت و مافیہا ہے"۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان جو پہلے نہ تھا' اور اب ہے' اور نہ رہے گا' کیا یہ بھی حدث کی طرح ہے؟ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ دنیا و آخرت میں نعمت و عذاب کے رُو سے جو کچھ بھی ہے سب انسان کے لیے ہے۔ اس لیے اس کی ہستی حدث کی طرح نہیں ہے جس کا اول و آخر دونوں فانی ہوں۔ کیونکہ یہ اس دارِ فنا میں آیا' اور اس حدث سے پہلے بھی تھا' اور باقی رہے گا۔ فرمانِ مولیٰ کریم ہے:

هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ بے شک انسان پر ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے

لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا ۝ (الدہر:۱) کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔

لفظ علیٰ کا اطلاق انسان پر ہے' کہ یہ تھا تو سہی لیکن ذکر کے قابل نہ تھا۔ کیونکہ ذکر تو خارجی وجود سے شروع ہوا۔ اس سے پہلے ذکر ہوتا تو کس طرح؟ کیونکہ نہ ذہنی وجود رکھتا تھا نہ لفظی تو پھر خارجی وجود اور ذکر کہاں کا؟ ذکر تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا یعنی جب انسان کو پُتلا خاکی یا دوسرے لفظوں میں قالبِ کون و مکان خلقت کے وجود میں لائے تو ذکر شروع ہوا۔ اس سے پہلے نہ ذکر تھا اور نہ ہی یہ ذکر کے قابل۔

Marfat.com

ذخیرۃ الملوک میں بیان ہے کہ انسان پر چھ منزلیں گزرتی ہیں: (۱) عالمِ ارواح سے پشتِ پدر (۲) بطنِ مادر (۳) میدانِ دنیا (۴) لحدِ قبر (۵) میدانِ قیامت (۶) بہشت یا دوزخ۔ لیکن اس کو ماقبل حیات الدنیا والآخرہ کا علم اسی وجود میں آنے سے معلوم ہوا۔ وہ بھی عقلی اور نقلی ہے۔ ورنہ حالی علم سے اس کو سوائے حال کے کچھ علم نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے قرآن مبین میں ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالرَّسُوْلُ	اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں لاتے۔
يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ	حالانکہ پیغمبرِ خدا تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے پروردگار
مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥	پر ایمان لاؤ۔ اور اگر تم کو باور ہو تو وہ تم سے اس
(۵۷ : ۸ - پ ۲۷ - ع ۱۷)	بارہ میں عہد بھی لے چکا ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اس وجود یعنی حدث میں آنے سے پہلے بھی تھا جس کا اس کو علم نہیں تھا۔ اب کلامِ الٰہی سے معلوم ہوا۔ ورنہ کہاں کا عہد و اقرار اور کیسا یقین و علم (ہاں علم اور حال انبیائے کرام اس برزخ میں کلامِ الٰہی سے ثابت ہے) تو مولیٰ کریم نے اس کو اس وجود میں ظہور تام اور علم کل کے لیے نازل فرمایا ہے۔ حدیث شریف میں ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے پہچانا اپنے نفس کو پس بیشک پہچانا اپنے رب کو) تو یہ عرف اور علم انسان کے لیے نہایت ضروری بلکہ فرض ہے۔ کیونکہ جو اپنے سے جاہل ہوتا ہے وہ غیر سے اجہل ہوتا ہے۔ لیکن ایک جہان اس علم سے جاہل ہے۔ نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں، کہاں سے آئے ہیں، اور اب کس جگہ ہیں، اور کہاں جا رہے ہیں۔ دنیا و مافیہا کے شیدائی اسی کی محبت میں ش

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ	لوگوں کو ان کی خواہشات کی چیزیں یعنی عورتیں اور
النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ	بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر

Marfat.com

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ	اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی
وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ	بڑی مزے دار معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ سب دنیا کی
الدُّنْيَا ج (۳:۱۴۔ پ۳۔ ع۱۰)	زندگی کے سامان ہیں۔

دنیا کی حیاتی کے دیوانے، اور وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (اور خدا کے پاس اچھا ٹھکانا ہے)۔ کی سی نعمت سے اندھے اور اُخروی حیات سے مُردہ ہو رہے ہیں، علم و عرف کہاں کا، وقت ہاتھ سے جا رہا ہے، اور میعادی حیاتی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ تب آنکھ کھلے گی جب موت آ گھیرے گی۔ جیسے ارشاد مولیٰ کریم ہے:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَ	ہرگز نہیں یوں بلکہ دوست رکھتے ہو تم جلدی کو
تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ	اور چھوڑ دیتے ہو آخرت کو۔ کتنے منہ اس دن تازے
نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝	ہیں طرف پروردگار اپنے کی دیکھنے والے ہیں۔
وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ	اور کتنے منہ اس دن بُرے ہیں، گمان کرتے ہیں
اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝ كَلَّآ اِذَا	یہ کہ کی جاوے گی ان سے کمر توڑنے والی یعنی معاملت
بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝	ہرگز نہیں یوں جب وقت پہنچتی ہے جان ہانس کو
وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝ وَالْتَفَّتِ	اور کہا جاوے کون ہے جھاڑنے پھونکنے والا اور جانا
السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ اِلٰى رَبِّكَ	اس نے کہ یہ ہے جدائی اور لپٹ جاوے گی ایک پنڈلی
يَوْمَئِذِ ۣ الْمَسَاقُ ۝ (۷۵:۲۰ تا ۳۰۔	دوسری پنڈلی سے طرف پروردگار اپنے کی ہے
پ۲۹۔ ع۱۷)	اس دن چلنا۔

Marfat.com

باب سوم

عالم برزخ

کیفیات برزخ فی الدنیا

تو یہ چلنا اور جانا جسم کے سوا ہے۔ اور اگر جسم ہے، تو ایسا جو نظر نہیں آتا ہے۔ ہاں، بندگانِ خدا کے ارشادات مبارکہ سے ثابت ہے، کہ ہم نے اپنا دوسرا وجود دیکھا چنانچہ حضرت غوث علی شاہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ "مراقبہ میں چند بار ہم نے دیکھا کہ ایک مجسم صحیح و سالم ہوبہو میرے، سامنے آ کھڑا ہوا، اور وہ میں خود تھا"۔ زیادہ طوالت و وضاحت یہاں رائگاں ہے۔ یہ حال ہے ؎

کوئی سمجھے تو کیا سمجھے، کوئی جانے تو کیا جانے

تب پتہ لگے جب حال کھلے۔ صرف اتنا سمجھ کے لیے ہو سکتا ہے کہ خواب ہر ایک انسان دیکھتا ہے۔ بدن بالکل بے حس و حرکت مردہ کی مانند پڑا ہے اور دوسرا وجود کہیں کا کہیں کام کرتا پھرتا ہے۔ اور یہ عوام کا حال ہے۔ چونکہ رُوح بدن کی طرف سے غیر متوجہ ہو کر دوسرے وجود و بطن کی طرف راغب ہوتی ہے اور یہ بدن سو جاتا ہے۔ صرف نیند کے غلبے سے بیہوش کی مانند ہو جاتا ہے۔ مولیٰ کریم نے اس حالت کو بھی اپنے کلام پاک میں موت فرمایا ہے،

Marfat.com

اور یہ عارضی موت ہے حقیقی موت اس سے قوی ہے. کیونکہ موت کے بعد اس وجود کی محافظت بھی ترک ہو جاتی ہے. گویا لباس کی طرح انسان اس وجود سے باہر ہو گیا، یا سانپ کی طرح کینچلی اتار کر چلا گیا. لیکن یہ مثال اس حال سے پوری نہیں اتر سکتی. اسی لیے اولیائے کرام کا حال عالم برزخ کی طرح ہو جاتا ہے اور مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا[1] کے مصداق ہو جاتے ہیں۔

حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ کو جب دار پر کھینچنے لگے تو ان کا ایک بازو کاٹ دیا۔ آپ نے فرمایا تب جانوں جو دوسرا بازو بھی کاٹو۔ دوسرا کاٹا تو قہقہہ لگا کر ہنس دیے، اور فرمایا کہ میرے تو دونوں بازو صحیح وسلامت ہیں۔

حضرت غوث علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہم نے آنکھوں دیکھا ہے کہ دو مجذوب تھے کسی شریر نے ان کی رانوں پر انگارے رکھ دیے۔ ایک کی تو جل گئیں، اور دوسرے کی رانوں پر آگ کا اثر تک نہ تھا۔ کسی نے سوال کیا کہ ان میں کا اعلیٰ کون تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک ابھی بظاہر وجود کی حفاظت پر تھا، اور دوسرا اس سے فارغ۔ اور وہی زیادہ صاحب حال اور صاحب مدارج ہے۔

برزخ فی الآخرہ

یہ وجود بطن قرآن کریم اور حدیث شریف کے حکم سے ثابت ہے۔ اور قرین عقل یہ ہے کہ اگر اسی وجود ہی سے حیاتی اور حساب اور عذاب وثواب ہو تو جل کر راکھ ہونے والا اور دریا میں غرق ہو کر نگر مچھ اور مچھلیوں کی غذا بننے والا وجود اس سے مستثنیٰ ہونا چاہیے اور یہ محال ہے، جیسا کہ فرمایا ہے:

---

[1] مر جاؤ تم پہلے اس سے کہ مرو تم۔

Marfat.com

اَنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ (پ۱۷۔ع۸) یہ کہ اللہ اٹھائے گا ان لوگوں کو کہ بیچ قبروں کے ہیں

تو جبکہ سب لوگ قبروں میں دفنائے ہی نہیں جاتے بلکہ اکثر جلائے جاتے ہیں تو پھر یہ سب یعنی کل آدمی قبروں سے کیسے اُٹھائے جائیں گے؟ اور یہ لازمی امر ہے کہ بنی نوع انسان سب کے سب عالم برزخ کی طرف مقیم ہوں گے اور قیامت کے دن اُٹھائے جائیں گے۔ اس لیے اس سے مراد عالم برزخ ہے۔ گو قیامت کے دن ہر ایک انسان اسی موجودہ اور ظاہری جسم کے ساتھ اُٹھایا جائے گا اور اسی سے حساب لیا جائے گا۔ اور قبر میں عذاب اور ثواب کے طور پر دوزخ یا جنت کی طرف سے کھڑکی کھُلی رہے گی۔ اس کی تفصیل میں بہت طول ہے اور میرا مقصود محض "انسان فی القرآن" ہے، اس لیے اب پھر مقصود ہی کی طرف لوٹا جاتا ہوں، تاکہ اصل معیار سے مخالف سمت پیدا نہ ہونے پائے۔

جنگ بدر کے دن جب کفار کی نعشوں کو جُب میں ڈالا گیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "جو وعدہ رب العالمین نے ہم سے کیا تھا وہ ہم نے پورا پا لیا ہے، کیا تم سے جو وعدہ ہوا تھا تم نے بھی پورا پایا ہے یا نہیں"؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ تو بے جان دھڑ اور مردے ہیں، کیا یہ سنتے ہیں"؟ تو آپ نے فرمایا کہ "تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو"۔

اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کافر ہو یا مسلم، موت کے بعد یعنی اس وجود سے منتقل ہونے کے بعد بھی زندہ اور مثل ہمارے سُنتے دیکھتے ہیں، بلکہ سب کچھ جانتے سمجھتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ حیات الدنیا سے انتقال کر کے یعنی میدانِ دنیا سے گزر کر عالم برزخ میں مقیم ہو گئے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ اور ورے ان سے ایک پردہ ہے اس دن تک

Marfat.com

يُبْعَثُوْنَ ۝ (۲۳: ۱۰۰ - پ۱۸ - ع۶) کہ وہ اُٹھائے جائیں گے۔

اور قیامت تک عالم برزخ ہی میں رہیں گے۔ اس روز یعنی یوم القیامۃ کو اُٹھا کھڑے کئے جائیں گے۔ انسان کے لیے یہ ایک منزل اور ایک میعاد ہے جو کہ اس کے وجود سے جدا ہو کر یوم القیامت تک مقرر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ (۶: ۲ - پ۷ - ع۷)

وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر مقرر کی اجل۔ اور ایک اجل مقرر کی ہوئی ہے نزدیک اس کے۔ پھر تم شک کرتے ہو۔

دراصل یہ بھی عالم دنیا ہی کا ایک حصہ ہے۔ محض اہلِ دنیا اور موتیٰ کے درمیان ایک برزخ یعنی آڑ ہے کہ آپس میں مل جل نہیں سکتے ہیں، سوائے ان صاحبان کے جن کا حال دنیا میں برزخ کی مانند ہو۔ ان کے لیے یہ برزخ یعنی پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ وہ آپس میں بات چیت ملاقات بلکہ مدد حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ حالت وجود کے حجاب کے دُور ہونے کے سوا نہیں ہوسکتی۔ جو محض بتوفیق عزّوجل مجاہدات اور فضل ایزد متعال لم یزل ولایزل سے وابستہ ہے ؎

گر نیفتادم ندیدم کعبۂ مقصود را
درمیان ما ہمیں استادگی دیوار بود

لیکن انبیائے کرام روزِ ازل سے اس وجود کی آفت سے مبرا اور مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ فرمان ایزدِ متعال وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ کے تحت میں اوپر بیان ہو چکا ہے اس لیے دوبارہ تحریر کرنا غیر ضروری ہے۔ ہاں، صرف اتنا کہ برزخ دو وجہ پر ہے۔ ایک نومیدان دنیا سے قبل روحانیت میں، جس پر کلام اللہ کی شہادت کافی ہے۔ اور دوسرا بعد از موت،

Marfat.com

جو نص قطعی سے ثابت ہے۔ برادرانِ اسلام میں سے ایک گروہ اس برزخ پر عجیب طرح کا ایمان رکھنے والے ہیں۔ باوجود اس امر کے کہ فرقانِ مجید میں بیان ہو رہا ہے:

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا	اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو نزدیک موت ان کی
وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ	کے اور جو نہیں مرے قبض کر لیتا ہے ان کو بیچ نیند
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ	ان کی کے پس بند رکھتا ہے جن کو کہ مقرر کی ہے اوپر
الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ اِنَّ فِيْ	اُن کے موت۔ اور بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝	وقت مقرر تک۔ تحقیق بیچ اس کے البتہ نشانیاں
(۳۹: ۴۲۔ پ ۲۴۔ ع ۲)	ہیں واسطے اس قوم کے کہ فکر کرتے ہیں۔

قبض رُوح یعنی موت (نیند) جس کو موتِ صغیر سے تعبیر کرنا روا اور درست ہے، ہر ایک شخص (خصوصاً مومن) اس سے حالی طور پر عارف ہونے کے باوجود جو اس کے عنصری اور روحانیت کے درمیان برزخ ہے، یہ گروہ اس کا انکار کرنے والا ہوتا ہے اور نافہمی و جہالت کی وجہ سے عوام الناس تو درکنار، انبیائے کرام کی نسبت بھی ایسا اعتقاد رکھنا سعادت مندی خیال کرتے ہیں کہ وہ مر کر مٹی ہو گئے ہیں، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ اور اس کو اثبات التوحید سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس گروہ کے نزدیک خداوند کریم ذوالجلال والاکرام کے سوا حیاتِ ابدی کا ہونا شرک ہے۔ اور یہ سراسر نادانی اور جہالت ہے۔ مولیٰ کریم نے انسان کو حیاتِ ابدی سے حصہ دیا ہے۔ بعض کم فہمی کی وجہ سے آیاتِ بینات کو دلیل پکڑتے ہیں۔ مثلاً:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا	کیونکر کفر کرتے ہو تم ساتھ اللہ کے اور تھے تم مردے
فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ	پس جلایا تم کو۔ پھر مردہ کرے گا تم کو پھر جلائے گا
ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (۲: ۲۸۔ پ ۱۔ ع ۳)	تم کو پھر طرف اسی کے پھیرے جاؤ گے تم۔

Marfat.com

اس آیت سے ان کا مفاد انسان کے معدوم ہو جانے یا مر کر مٹی ہو جانے، نیست و نابود اور حیات سے منقطع ہو جانے کے سوا نہیں ہے اور ان کی غلطی کا یہی سبب ہے۔

جاننا چاہیے کہ کُنْتُمْ اَمْوَاتًا کی حقیقت دو وجہ پر واقع ہوئی ہے۔ ایک تو حضرت آدم علیہ السلام کا بُت رُوح پھونکنے سے پہلے یعنی خلق الاوّل اور نطفے سے لے کر رحم مادر میں طفل بننے تک حیات سے قبل، خلق الآخر۔ اور دوسری موت زندہ ہونے کے بعد میدانِ دنیا سے عالم برزخ کی طرف انتقال جو ہر عام و خاص کے نزدیک معروف ہے۔ اور پھر دوسری حیاتی صور کا پھونکا جانا اور قبروں سے اُٹھنا ہے۔ رُوح کے پھونکے جانے سے تغیر و تبدّل کی صورت وجود کے لیے رُوح ہونے اور زندہ ہونے سے ہے یعنی پہلے بُت کا رُوح سے زندہ ہونا، پھر بُت کا روح سے جدا ہونا، مطابق فرمان ایزدِ متعال:

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ (۸۱ : ۷ - پ ۳۰ - س ۸۱)		اور جب جانیں ملائی جائیں گی۔

پھر اسی وجود کا زندہ ہونا نص سے ثابت ہے، تو حیاتی روح کے آنے سے اور موت روح کے چلے جانے سے ہے۔ اور اس کا مُردہ اور زندہ ہونا وجود عنصری کے متعلق ہے کہ روحی سے، جو انسان اور اس کا اصل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ صاحب قبر کو سلام دینا چاہیے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ میری قبر پہ چڑیا نر ہے یا مادہ۔ فرمان ایزدِ متعال:

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (پ ۲۴ - س ۴۰)

وہ آگ ہے کہ حاضر کیے جاتے ہیں اور اس کے صبح اور شام اور جس دن کہ قائم ہوگی قیامت کہا جائے گا کہ داخل کرو لوگوں فرعون کے کو سخت عذاب میں۔

Marfat.com

اس پہ دال ہے کہ کافر بھی عالم برزخ میں وجود عنصری کے سوا وجود رکھتے ہیں۔

اس عزیز الحکیم نے انسان کو جامع الصفات بنا کر دونوں جہان کے نشانات سے مزیّن فرمایا ہے۔ پھر اس کو مطلع کرنے کے لیے اپنی کلام مبارک سے علم دیا ہے جیسا کہ نیند کو موت فرمایا ہے۔ دراصل اس کو صغیر کہیں یا کبیر، موت یعنی اس وجود سے منتقل ہو کر عالم برزخ میں قیام کرنے کے منافی نہیں ہے۔ صغیر اور کبیر کا فرق صرف اتنا ہے کہ روح کا وجود میں رہ کر عالم برزخ کی طرف سیر کرنا صغیر کے مترادف ہے جو رُویا اور خواب کے نام سے موسوم ہے۔ اور نیند کے غلبہ اور کیفیت سے وجود مثل مردہ کے ہو جاتا ہے اور اس کے لیے قادرِ مطلق نے روح کو قبض کر لینے ہی کا ارشاد فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی تفصیل فرما دی ہے کہ واپس کر دیا جاتا ہے' تاکہ مدّتِ حیات پوری کی جائے۔ اور جن کی حیات پوری ہو جاتی ہے' روک لیا جاتا ہے۔ اس لیے صغیر ہو کبیر کیفیت عالم برزخ یعنی موت کے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ ہاں! مومن اور کافر کے حالات میں بہت بڑا فرق ہے اور مومنین کے حالات بھی ہر چند مختلف ہیں جس قدر روحانیت قوی ہوتی ہے' وجود کا تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ اولیائے کرام کا حال اور طرح کا ہے اور عام مومن کا اور طرح اس کے سمجھنے کے لیے ہر روز کے خوابوں کی مختلف کیفیات اظہر من الشمس ہیں۔

خوابِ انسان دراصل مملکت انسانیہ کی سیر ہے جو کئی نوع پر منقسم ہے۔ ہر ایک کی سیر اس کے حال کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر ایک قسم کے تاثرات جو انسان کے بطن میں موثر ہوتے ہیں تخم کی مانند انسانی بسط کے میدان میں شجر کی صورت میں متشکل ہو کر معائنہ میں آتے رہتے ہیں جو ابتدا میں بالکل کمزور اور ناپائدار سے ہوا کرتے ہیں۔ ایسے خوابوں کو تخیلی یا صُوری کہنا روا ہوتا ہے۔ لیکن متواتر اثرات پڑنے اور خیال کو قوی اور مثبت

Marfat.com

کردینے سے نسبتی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ یعنی عادت کیے گئے انسان کے ضمیر میں العادۃ طبیعۃ ثانیۃ کے مصداق نیک ہو یا بد ایک قوی طاقت اور بسط کے ساتھ مختلف و عجیب و غریب کیفیات کا معائنہ ہوتا رہتا ہے جس کی تعبیر اور حقیقت سے انسان اکثر جاہل ہی رہتا ہے۔

ایک شخص بچپن سے شریف الطبع، نیک سرشت، متقی اور پرہیزگار، مجاہد اور شب خیز، درود وظائف کا دیوانہ، عبادت کا شیدا، طالب خدا، مجاہد بے ریا، تصنع سے دور اور ذکر الٰہی میں مسرور تھا۔ ایک دن بستر خواب سے اُٹھتے ہی دیوانہ وار ہاتھ میں لاٹھی لیے پورے جوش و خروش کے ساتھ دہل ہنود کی رسوئی میں داخل ہو کر برتن توڑنے لگا اور کئی وجہ پر از قسم تبلیغ باتیں بتانے لگا کہ "بادشاہ مسلمان آگیا ہے اور تم ابھی تک ہندو ہی ہو"؟ عوام میں مشہور ہو گیا کہ فلاں آدمی کیسا نیک کردار اور پرہیزگار تھا افسوس کہ پاگل ہو گیا ہے۔ واقعی بظاہر اس کی حالت بالکل دیوانوں کی سی تھی، ہوش و حواس درست نہ تھے۔ کانسی کا ایک برتن پانی سے بھرا ہوا، اس میں دو پتلی پتلی خشک ٹہنیاں اور ایک چھوٹی سی پتلی لکڑی ہاتھ میں لیے اس برتن کو ڈھول کی طرح بجاتا ہوا اپنے والد کے ہمراہ حضرت اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں آنکلا۔ دراصل اس کا والد اسے اپنے ہمراہ قطب زمان کی خدمت میں اس غرض سے لایا تھا کہ اس کے حال پر توجہ فرمائیں۔ خیر! اس پاک ہستی کی نظر سے وہ چند روز میں اچھا بھلا ہو گیا اور اپنے کام کاج، نماز و عبادات میں پہلے کی طرح مشغول ہو گیا۔ چونکہ میرے دل میں اس کے متعلق کچھ تشویش سی تھی، اس لیے میں نے اس سے حقیقت حال معلوم کرنے کے لیے دریافت کیا کہ "تجھے کیا ہوا تھا"؟ بولا "کچھ پتہ نہیں، ہوش ہی بجا نہ رہے تھے"۔ اس سے زیادہ کچھ بیان نہ کرتا تھا۔ آخر بہت اصرار اور کرید کے بعد اس نے بتایا کہ "میں سویا پڑا تھا، کیا دیکھتا ہوں

کہ بادشاہ مسلمان آگیا ہے۔ ہر شہر کے ہر گلی کوچہ بلکہ ہر گھر میں اسلام کا جوش ہے "قال اللہ و قال الرسول کے سوا کوئی کلام نہیں، سوائے دین الحق کے کسی کو کوئی کام نہیں۔ اس حیرت انگیز منظر کو دیکھتے ہی میرے ہوش و حواس درست نہ رہ سکے۔ اس کے بعد مجھے کچھ علم نہیں کہ میں کیا کرتا تھا"۔ یہ بیان سن کر میرا مقصود پورا ہو گیا اور میں نے دریافت کا سلسلہ بند کر دیا۔

دراصل اس نیک بخت نے جہاں کہیں سے کچھ سنا جس ورد و وظیفہ کی تعریف سے عارف ہوا اسی کو پڑھنا شروع کر دیا۔ اور اس کا اثر اس کے بطن پر مؤثر ہوتا رہا۔ سنت اللہ جاری ہے اور تا قیامت جاری و ساری رہے گی کہ ہر فعل اور حال کے لیے کوئی رہنما ہو، استاد ہو۔ فرمانِ مولیٰ کریم ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا	اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور
اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ	ڈھونڈو طرف اس کے وسیلہ اور محنت کرو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (پ ۶۔ ع ۱۰)	بیچ راہ اس کی کے تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اگر بموجب قرآن شریف صحیح وسیلہ کے ذریعہ کسی طریقہ کے سلسلہ میں داخل ہو کر ورد و وظیفہ کیا جاتا تو یہ حال مطابق نسبت ولایت کے مترادف ہوتا، جو دیوانے اور مجنون کے موافق ہو گیا یہ مملکت انسانیہ کی سیر تھی، اور ورد و وظائف کا اثر اس کے بطن میں یعنی مملکت انسانیہ کی بادشاہت کا مترادف تھا۔ مطابق اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً[1] بطن میں مُلکًا کبیرًا کا شہنشاہ بحیثیت نائب احکم الحاکمین، اور بظاہر فی الدنیا حسب وعدہ عزیز الحکیم:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا	وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو کہ ایمان لائے
الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ	ہیں تم میں سے اور کام کیے اچھے البتہ خلیفہ کریگا

---

[1] بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب۔

Marfat.com

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠	ان کو بیچ زمین کے جیسا کہ خلیفہ کیا تھا ان لوگوں کو
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى	کہ پہلے ان سے تھے اور البتہ ثابت کر دے گا واسطے
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ	ان کے دین ان کا جو پسند کر دیا ہے واسطے ان کے
اَمْنًا ط (۲۴: ۵۵ - پ ۱۸ - س ۲۴)	اور البتہ بدل دے گا ان کو پیچھے خوف انکے کے امن

کا مصداق ہوتا۔ لیکن وہ برداشت نہ کر سکا۔ اور تعلیم اور عمل بھی طریقت کے خلاف تھا۔ ورنہ ایسا نہ ہوتا۔

سنت الٰہی کے مطابق ہر نیک و بد عمل کا اثر انسان کے باطن پر مؤثر ہوتا ہے اور استقامت کے بعد اس کا ثمر اور ظہور فی الدنیا والآخرہ ہویدا ہوتا رہتا ہے۔ یہ سرشت انسانیہ کا خاصہ ہے جو اس مالک حقیقی نے بر از حکمت فطرت سے انسان کو مزین فرمایا ہے اور یہی عالم برزخ اور اس کا اصل ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ مظہر العجائب والغرائب، شاہ ولایت، محبت کے پھول، محرم اصل الاصول نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیا ہی اچھی تعلیم فرمائی کہ فِكْرُكَ فِيْكَ يَكْفِيْكَ[1]۔ گو ایک حد تک انسان کی سعی توفیق الٰہی سے ہے لیکن مدارج دینی و دنیوی سراسر عنایت الٰہی سے وابستہ ہیں جن کا انحصار محض فضل ایزد متعال ذوالجلال والاکرام پر ہے۔

حکایت (منقول از تذکرہ غوثیہ)

حضرت غوث علی شاہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے پیر و مرشد حضرت میراعظم علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قصبہ نہم سے دہلی کو واپس آتے ہوئے

---

[1] اپنی ذات میں تیرا فکر تجھے کفایت کرے گا۔

Marfat.com

اثنائے راہ میں ایک عجیب معاملہ پیش آیا۔ دوپہر کے وقت ایک درخت کے سایہ میں گاڑی ٹھیرا دی تاکہ ذرا آرام لے کر اور نماز ظہر پڑھ کر بعد فرو ہونے تمازت آفتاب کے آگے کو چلیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک فقیر صاحب وارد ہوئے۔ ہم نے روٹی پانی کی تواضع کی۔ کھاپی کر وہ بھی سو گئے اور ہم بھی۔ جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہماری گاڑی ایک سرائے میں کھڑی ہے۔ بیل گھاس کھا رہے ہیں، بھٹیاری کھانا پکا رہی ہے اور فقیر صاحب پڑے سوتے ہیں۔ ہماری حالت سکتہ کی سی ہو گئی کہ الٰہی! یہ کیسی سرائے اور کونسا شہر ہے؟ اور ہم یہاں کیونکر پہنچے؟ بھٹیاری سے دریافت کیا کہ "اس شہر کا نام کیا ہے"؟ کہا کہ "حیرت افزا"۔ پوچھا کہ "اری نیک بخت یہ سرائے کس کی ہے"؟ کہا کہ "انہی فقیر صاحب کی، اور جتنے روز تم یہاں ٹھیرو گے سب خرچ بھی ان کے ذمہ ہے"۔ آٹھ روز تک ہم اسی شہر میں رہے۔ نہ اس کی ابتدا معلوم ہوئی نہ انتہا۔ حقیقت میں وہ شہر حیرت افزا تھا۔ آدمی وہاں کے نیک سیرت، پاکیزہ صورت، مرفع حال۔ مکانات خوش قطع اور مصفا۔ اشیاء رنگارنگ موجود، بازار نہایت مکلف و پربہار۔ جدھر جاتے صورت تصویر بن جاتے۔ جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی، اسلام کا زور و شور پایا۔ ہر شخص کو یادِ خدا میں مشغول دیکھا۔ قال اللہ و قال الرسول کے سوا کچھ ذکر نہ تھا۔ غرض آٹھویں رات کو جب ہم سو کر اٹھے تو گاڑی اسی درخت کے تلے کھڑی ہے اور وہی وقت ہے۔ فقیر صاحب بھی سوتے ہیں۔ ہم نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ فقیر صاحب بھی ہمارے ساتھ ہو لیے۔ رستہ میں جس شخص سے پوچھا وہی تاریخ وہی دن وہی مہینہ بتلایا۔ ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ آٹھ دن کہاں گئے۔ آخر بہادر گڑھ پہنچے، وہاں ایک مکان میں ٹھیرے۔ فقیر صاحب نے فرمایا کہ بعد نماز عشاء ہماری روٹی اس مسجد میں لے آنا۔ جب ہم روٹی لے کر مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ میاں صاحب نماز پڑھتے ہیں۔ بعد فراغت کھانا کھایا۔ باتیں کرنے لگے جب آدھی رات گئی تو فرمایا کہ

Marfat.com

شہر کے دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں، جاؤ ہمارا لنگوٹ دھلوا لاؤ۔" میں نے کہا کہ "حضرت، آدھی رات اِدھر آدھی رات اُدھر، بھلا اس وقت کون کپڑے دھوتا ہوگا؟" فرمایا "تم لے تو جاؤ۔" میں چلا اور شہر کے دروازے سے باہر نکلا تو دیکھتا کیا ہوں کہ دو گھڑی دن چڑھا ہے اور دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں۔ جب دروازہ کے اندر آتا ہوں تو نصف شب معلوم ہوتی ہے اور جب باہر جاتا ہوں تو وہی دو گھڑی دن چڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ بغرض دھوبیوں کے پاس پہنچے۔ ایک دھوبی نے کہا کہ "لاؤ میاں صاحب کا لنگوٹ میں دھو دوں۔" اس نے دھویا، صاف کیا، دھوپ میں سوکھا کر حوالہ کیا۔ میاں صاحب کی خدمت میں لے آیا۔ مجھ کو ان باتوں کا نہایت تعجب تھا۔ فرمایا کہ "تعجب نہ کرو، یہ جہان مٹی کا سانگ ہے اور ایسی شعبدہ ہم بہت دکھلا سکتے ہیں لیکن فقیری کچھ اور ہی چیز ہے، ان باتوں کا خیال مت کرو۔ صبح کے وقت ہم دہلی کو روانہ ہوئے اور وہ فقیر صاحب غائب ہوگئے۔ جب ہم دہلی میں پہنچے تو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ وہ شخص خضرِ وقت یا ابوالوقت تھا۔"

ایسا شخص اپنے برزخ میں تصرف کرنے والا ہوتا ہے۔ مختار من اللہ ہوتا ہے اور کسی صاحبِ استعداد و صاحبِ حال کو اپنے برزخ کی سیر بھی کرا سکتا ہے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔

عالمِ برزخ سے عالم تو ابن الوقت بھی ہوا کرتا ہے لیکن اس کو یہ قدرت نہیں ہوتی کہ جب چاہے حالت طاری کر لے۔ عوام تو اس عالمِ برزخ سے جاہل ہیں۔ خواب کے سوا کچھ واقفیت نہیں رکھتے۔ اور خواص اس سے عالم اور اس کی تعبیر سے واقفیت رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اور خاص الخاص کا حال اس عالمِ برزخ کے مطابق ہوتا ہے۔ بزرگانِ دین سے

Marfat.com

گفت و شنید کرتے ہیں، روحانی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ استمداد فی الدنیا والآخرہ کا مفاد ان کے لیے زندہ اور موتٰی سے برابر ہوتا ہے۔ حضرت غوث علی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میرے ایک دوست عبد الصمد خاں نے مجھ سے اپنے دو واقعات بیان کیے۔ جن میں سے ایک اسی برزخ کے حال کے مطابق ہے، لہٰذا ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

یہ کہ میں ایک مولوی صاحب سے پڑھا کرتا تھا۔ قضارا ان کا انتقال ہو گیا۔ سخت رنج و الم ہوا کہ ایسے استاد شفیق اب کہاں ملیں گے۔ جب ان کو غسل دیا، کفن پہنایا تو میں خوشبو لینے ان کے حجرہ میں آیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ مولوی صاحب اندر موجود ہیں۔ میں نے متعجب ہو کر پوچھا کہ "حضرت، جنازہ تو باہر رکھا ہے اور آپ یہاں"۔ فرمایا کہ "میاں، تمہارا غم و اندوہ گوارا نہ ہوا۔ اب خاطر جمع رکھو، ان شاء اللہ ہر روز ملاقات ہوا کرے گی مگر افشائے راز نہ کرنا۔ چلو اب جنازہ کی نماز پڑھو، مگر ہم اور لوگوں کی نظر سے غائب رہیں گے چنانچہ جب تک دفن کیا وہ ہمارے ساتھ رہے۔ قبرستان سے پھرے تب بھی ہمراہ تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ "مولوی صاحب! آپ تو یہاں ہیں، بھلا قبر میں منکر نکیر کو جواب کون دے گا؟" فرمایا کہ "میاں، یہ بات نہ پوچھو، کچھ اور گفتگو کرو"۔ دو گھڑی بعد سلام علیک کر کے تشریف لے گئے۔ بعد ہر روز صبح کے وقت قدم رنجہ فرماتے رہے۔ چند روز اسی طرح گزرے۔ ایک رات میں نے حجرہ کی موری میں پیشاب کر دیا۔ صبح کو مولوی صاحب ناک چڑھاتے آئے اور کہا کہ آج تمہارے حجرہ میں بدبو ہے، شاید تم نے یہیں پیشاب کیا ہے"۔ میں نے عرض کیا کہ "فی الواقعہ یہ قصور مجھ سے ہوا ہے"۔ اس وقت فرمایا کہ "میاں، تم اور عالم میں ہم اور عالم میں، بھلا ہماری تمہاری ملاقات کیا۔ بھائی، اب ہم نہیں آئیں گے"۔ ہر چند میں نے عذر و معذرت کی لیکن پھر کبھی نہیں آئے۔

Marfat.com

خوابوں کے حالات

خواب کی تعبیر موافق حال مختلف ہوا کرتی ہے۔ اس لیے ان خواص کے خوابوں کی تعبیر دوسرا شخص صحیح نہیں بتا سکتا۔ خود ان کا حال اور وارد اور ہر روز کے نشانات ظہور پذیر ہونے سے تعبیر کا حل ہوا کرتے ہیں۔ گاہے تمثیلی صورت میں ممثل ہوا کرتا ہے گاہے عینی۔ عینی تو رؤیا کے مترادف ہوا کرتا ہے۔ کبھی بیداری میں میدان استغراق سے اور کبھی اونگھ میں خواب کی حالت سے۔ رہا تمثیلی، سو اس کے بیان میں بہت طول ہے۔ یہاں اختصار کے طور پر صرف چند مثالیں لکھی جاتی ہیں۔

مثلاً کبھی خواب میں مرد کو عورت سے یا عورت کو مرد سے مباشرت باعث حظ ہوتی ہے۔ بعض محتلم بھی ہو جاتے ہیں لیکن نیک سرشت قوی الضمیر محتلم بھی نہیں ہوتے۔

زبیدہ خاتون نے خواب دیکھا کہ تمام نوع انسان بلکہ حیوان، درند، چرند، پرند ہر قسم نے میرے ساتھ مباشرت کی ہے۔ صبح کو اس کیفیت خواب سے سخت حیران اور پریشان تھی۔ آخر ایک کنیز سے یہ خواب نہایت متحیر ہو کر بیان کیا اور کہا کہ "حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر اس کی تعبیر دریافت کر۔ لیکن میرا نام نہ لینا، اپنا خواب بتانا۔" اس کنیز نے ایسا ہی کیا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "یہ تیرا خواب نہیں ہے جس کو یہ خواب آیا ہے اس کو بھیج"

آخر چار و ناچار زبیدہ خاتون نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ "حضرت، یہ خواب میں نے دیکھا ہے۔" آپ نے فرمایا کہ "آپ کو مبارک ہو کہ آپ سے کوئی ایسا فعل ہو گا کہ تمام قسم کے جاندار آپ کے فیض سے محظوظ ہوں گے، اور آپ کو عند اللہ اجر عظیم نصیب ہو گا۔" چنانچہ اس نیکبخت نے ایک نہر کھدوائی جو حجاز میں دُور دُور پھیلی ہوئی ہے جس سے تمام حجاج اور انسانوں کے علاوہ ہر قسم کے صحرائی اور فضائی جانور بھی اپنے پیاسے جگروں کو سیراب کرتے ہیں، اور تا قیامت

Marfat.com

یہ صدقہ جاریہ اُس سجدہ کے لیے باعث ازدیادِ برکت رہے گا۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچپن میں جو خواب دیکھا تھا کہ ستارے، چاند اور سورج مجھے سجدہ کر رہے ہیں، یہ مثال اس عزت و تکریم کی تھی جس کا ظہور اظہر من الشمس ہے۔

بعض اوقات نیند میں یا معمولی سی اُونگھ میں کوئی شخص دیکھتا ہے، یا الہام کی صورت میں آواز سنتا ہے کہ تیرا اُستاد فوت ہو گیا ہے۔ وہ گھبرا کر اُستاد کے پاس پہنچتا ہے اور اس کو بخیریت تمام پاتا ہے۔ لیکن بعد از ملاحظۂ حال اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جو فیض و برکت اس کے وجود یا برزخ میں اس کی طرف سے منسوب تھی کسی خطا کی وجہ سے وہ مفقود ہو چکی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ معانی میرے حال کی عبارت ہی سے نمایاں ہوئے ہیں۔

ہر ایک کا برزخ اس کے حال کی رویت پر واضح ہوتا ہے۔ مثلاً ایک عام دنیادار آدمی خواب دیکھتا ہے کہ میں اور میرا حریف دونوں کسی پانی (تالاب یا دریا یا نہر) سے پار جا رہے ہیں۔ حریف تو کشتی پر سوار ہو کر پار چلا گیا ہے اور میں نے ہر چند کوشش کی ہے لیکن پار نہیں پہنچ سکا۔ بعد میں وہ دونوں کسی کام کے لیے اپنی اپنی جگہ پر سعی کرتے ہیں۔ وہ کشتی پر پار جانے والا کامیاب ہو جاتا ہے اور یہ ناکام رہ جاتا ہے۔ اور اگر کوئی طالبِ خدا خواب میں دریا کو عبور کرتا ہے، خواہ کشتی پر یا بغیر کسی سہارے کے تیرتا ہوا دریا سے پار ہو جاتا ہے تو اس کے لیے یہ معائنہ توحیدِ الٰہی کے مترادف ہوتا ہے۔ قصہ مختصر ہر ایک کا دریا سے پار ہونا اس کے ضمیر کی مراد کے سفر کو طے کرنے کے سوا نہیں ہوا کرتا۔

گو حال کے رُو سے برزخ فی الدنیا اور آخرہ کا کوئی فرق نہیں ہے لیکن مقام کے لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے۔ اس کی کیفیت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی دیوار یا مکان میں آئینہ لگا ہوا ہو اور اس کے سامنے دروازہ کھلا ہوا ہو تو باہر کی ہر چیز اس آئینہ میں سے عیاں ہوتی

Marfat.com

ہے۔ جو کچھ انسان دیکھتا ہے درست دیکھتا ہے، ہر چیز کی حرکات وسکنات شکل وشباہت میں کوئی فرق نہیں پاتا ہے۔ لیکن موت کے بعد اس مکان سے باہر نکل جاتا ہے اور جو کچھ پہلے عکسی صورت میں دیکھتا تھا اب عینی صورت میں معائنہ کرنے والا ہوتا ہے۔ ہر نیک وبد عمل جو مثل تخم کے دل کی زمین میں پوشیدہ تھا شجر کی مانند ہویدا ہو گیا ہے۔ مثلاً معصیت مثل آگ جلانے والی کے اور نیکی مثل جنت کے ٹھنڈک اور تفریح پہنچانے والی ہو گئی۔ لیکن اس میں بھی عوام کے مانند خواص کا حال نہیں ہوتا ہے۔ خواص کو فی الدنیا یہ کیفیت پنہاں نہیں رہتی ہے۔ وہ ذرا سی غلطی کو محسوس کرتے ہیں۔ جب کوئی غیر موافق تاثیر ان کے بطن یعنی برزخ میں مؤثر ہوتی ہے تڑپا دیتی ہے، آگ لگا دیتی ہے، کمزور کر دیتی ہے۔ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دور نہ ہو جائے، ہوش وحواس ہی بجا ودرست نہیں ہوتے ہیں۔ اور انبیاء ومرسلین کا حال تو ان سب کیفیات سے بدرجہا ورا ہوتا ہے۔ ان کا برزخ دراصل ہوتا ہی نہیں ہے یا صحیح معنوں میں فی الدنیا ان کا حال برزخ کی طرح ہوتا ہے۔ ان حجابات سے یہ ہستیاں منزہ ومبرا ہوتی ہیں، اور دراصل مرسلین کے حال سے مومن تو درکنار کسی ولی اللہ کو بھی کما حقہٗ واقفیت ہونا محال ہے اس لیے کلام سوء ادبی ہے۔

جس طرح خواص کی حالت اور کیفیت پنہاں ہی رہتی ہے اسی طرح نسبت منکرین کا غلبہ بھی ان کے حال پر غلبہ رکھتا ہے، کما قال اللہ تعالیٰ:

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ	اور اگر دیکھیں راہ بھلائی کی نہ پکڑیں اس کو راستہ
سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ	اور اگر دیکھیں راہ گمراہی کی پکڑیں اس کو
يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ (۷: ۱۴۶۔ پ ۹۔ ع ۷)	راستہ۔

ان کی حالت اس کے مترادف ہو جاتی ہے۔ ایک شخص نے میرے پاس آکر شکایت کی کہ جب

Marfat.com

میں نماز پڑھنے لگتا ہوں تو میرے جوڑوں میں درد ہونا شروع ہو جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے چھوڑ دیتا ہوں تو پھر دو چار دن کے بعد آرام ہو جاتا ہے۔ دراصل انسان اپنے حال سے اکثر جاہل ہی رہتا ہے۔ میں نے اس کو اچھی طرح ذہن نشین کر دیا کہ "یہ بے نمازیت تیرے جوڑوں سے نکل رہی ہے، نماز نہ چھوڑنا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بالکل صحت ہو جائے گی لیکن وہ صبر و استقامت نہ رکھ سکا۔

حاصل مطلب، انسان اپنے بطن اور حال کے تغیر و تبدل سے گھبرا جاتا ہے اور غلطی کھا جاتا ہے۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا، صاحب حال بھی اس تغیر و تبدل، قبض و بسط، آرام و تکلیف اور راحت و رنج میں غلطی کھا جاتے ہیں۔ کیونکہ جس نسبت میں اس کا حال مناسبت پیدا کرتا ہے اسی کو حال سمجھنے لگتا ہے اور دراصل ہر ایک کا وہی حال ہوتا ہے۔ دوسرے حال یا نسبت سے جاہل ہوتا ہے۔ کوئی لاکھوں میں کا ایک جو قریباً سب نسبتوں سے علم رکھتا ہو، تمام احوال کے میدان سے گزرا ہوا ہو، تمیز کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی لیے بعض صاحب حال جب شریعت اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اپنے حال سے محظوظ ہوتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ ہمارا حال خلاف سنت ہے، تو وہ اپنے حال کے متوالے دو حال سے خالی نہیں ہوتے:

(۱) یا تو اس حال کو شریعت اور سنت سے ارفع اور اعلیٰ خیال کرتے ہیں اور ان کا دعویٰ اسی بنا پر ہوتا ہے۔

(۲) یا اپنے حال کو قضا و قدر خداوند تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

پہلے گروہ کے حال کے اسباب و وجوہات ان کی مناسبت کے مترادف ہوتے ہیں۔ چونکہ باری تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو بیحد متاثر بنایا ہے اور یہی اس کی ہر قسم کی ترقی کا باعث

Marfat.com

ہے۔ خواہ ناری طبقات سے ہو یا نوری، پاکی ہو یا پلیدی، نیکی ہو یا برائی، خیر ہو یا شر، نفع یا نقصان، ہر ایک فعل سے متاثر، ہر ایک نسبت سے مناسبت کر جانے والا اور العادۃ طبیعۃ ثانیۃ[1] کے مصداق ہر رنگ میں رنگا جانے والا اور مطابق کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ[2]۔ ہر ایک اپنے حال میں خوش ہوتا ہے (جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے)[3] اس لیے طبیعت کی قبض و بسط کو ضمیر کے ترازو میں موازنہ کرنے سے مامور من اللہ اور رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کے ورود پر فیصلہ کر لیتا ہے اور اپنی حالت کو درست اور اپنی نسبت کو صحیح خیال کرتا ہے۔ اور نامطابقت کی وجہ سے شریعت غرا اور سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ابتدائی درجہ اور اسفل خیال کرتا ہے اور اپنے حال کو ولایت اعلیٰ پر دال کرتا ہے۔ حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش صاحب لاہوری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو شخص شریعت غرا کی حدوں کو توڑے اور احکام خداوندی کو فنا کرے لوگوں کے نزدیک ولی ہوتا ہے لیکن میرے نزدیک وہ شیطان ہے۔

دوسرا گروہ اسی حال سے مناسبت رکھنے کے باوجود برائے نام آداب شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے حال کو قضا و قدر خداوند تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے اور سے

در کوئے نیک نامی مارا گزر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

کے مضمون سے مطمئن ہو جاتا ہے۔ لیکن تقدیر میں انسان مطلق جاہل ہے جس کا علم اس قادر مطلق کے سوا کما حقہٗ کوئی نہیں جانتا۔ گو میری کم استعدادی اتنی وسعت کی مالک نہیں ہے

---

[1] عادت دوسری طبیعت ہے۔ [2] ہر گروہ اپنی یافت پر خوش ہے۔

[3] تفصیل دیکھنے کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر زیر عنوان خواص بشریہ۔

Marfat.com

کہ میں اس کو تفصیل کے ساتھ تحریر کر سکوں۔ ایسے شخصوں کی حقیقت حال سے نا اہل ہی ہے۔
لیکن میرا مسلک اس کتاب میں محض انسان فی القرآن ہے، اس لیے

تقدیرِ انسان

میں قلم کو تقدیر کے حوالہ کرتا ہوں، وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور صحابہ کرام میں سے چند صاحب کچھ تقدیر میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا اور فرمایا کہ اس میں زیادہ کلام نہ کرو۔ قبل ازیں کئی اُمتیں اسی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ ازل سے ابد الآباد تک جو کچھ ہونے والا تھا، وہ ہو چکا ہے۔ اور فرمایا کہ جَفَّ الْقَلَمُ یعنی قلم سُوکھ گیا اور سیاہی خشک ہو گئی۔

اس میں شک نہیں کہ اس مسئلۂ تقدیر میں عوام تو درکنار بڑے بڑے علمائے دین کی عقلیں بھی قاصر ہیں۔ بزرگانِ دین میں سے جن پاک ہستیوں کو اس علیم الحکیم نے جس قدر علم بخشا ہے مشیتِ ایزدی کے مطابق اس کی تفصیل و اظہار سے سکوت اختیار کرنے والے ہیں۔ ہاں حسب استعداد تعلیم سے دریغ کرنے والے نہیں ہوتے ہیں۔

حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کسی شخص نے عریضہ ارسال کیا۔ جس میں بعد حمد و صلوٰۃ کے مسئلۂ تقدیر کا جواب چاہا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ ہمارا ایمان جبر اور قدر کے درمیان ہے۔ نہ ہم قدریہ ہیں اور نہ جبریہ۔ اس سے زیادہ ہم نہیں جانتے۔

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے کسی نے یہ مسئلہ دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا تیری ماں تجھ پر روئے، اندھیرے چاہ میں بغیر روشنی کے داخل نہ ہو۔

Marfat.com

ان ارشادات سے ثابت ہو رہا ہے کہ سائلوں کی استعداد اور سمجھ کے مطابق یہ جوابات تھے ۔کیونکہ ہر ایک کا بطن اس لقمہ کے قابل نہیں ہے ۔ ہر ایک کی استعداد اس کی حامل نہیں ہو سکتی ۔ اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ اعتقاد صحت کی رُو سے نہایت بجا و درست ہے کہ نہ ہم جبریہ ہیں اور نہ ہی قدریہ۔

قدریہ وہ ہیں جن کا اعتقاد یہ ہے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں اس عمل کی جزا یا سزا کے مرتکب ہوتے ہیں ۔یعنی جزا من اللہ نیک اعمال کے رو سے اور سزا معصیت کی وجہ سے ۔اس کے سوا خداوند کریم نہ ہم کو کوئی ثواب عطا فرماتا ہے اور نہ ہی سزا دیا کرتا ہے ۔

جبریہ کا اعتقاد یہ ہے کہ خواہ ہم عمل کریں یا نہ کریں جو کچھ ہماری قسمت میں لکھا گیا ہے، وہی حصول ہے ۔ ہماری کوشش ہمارے عارضہ کی وجہ پہ ہے اور مجاہدہ بے سود ہے

قومے بہ جد و جہد گرفتند وصل یار
قومے دگر حوالہ تقدیر می کنند

بلکہ ان کا یقین ہے کہ تدبیر بھی تقدیر کی طرف لے جاتی ہے ؎

سوزنِ تدبیر ساری عمر گر سیتی رہے
رخنۂ تقدیر کو ممکن نہیں کرنا رفو

اور قدریہ اور جبریہ کے درمیان صحت اس وجہ پہ ہے کہ ہم قدریہ تو اپنے اعمال کی وجہ پر ہیں اور جبریہ من اللہ جزا یا سزا کی رُو سے ۔ اور یہ اس لیے کہ اس صورت کے سوا ہر دو وجوہات کلام الٰہی کے خلاف کی مقتضی ہیں ۔ کما قال اللہ تعالیٰ فی القرآن الحمید :

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز	جو پہنچتا ہے تجھ کو بھلائی سے پس اللہ تعالیٰ کی
وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ	طرف سے ہے اور جو پہنچتا ہے تجھ کو برائی سے

Marfat.com

نَّفْسِكَ ؕ (۴: ۷۹ - پ ۵ - ع ۹) پس تیرے نفس سے ہے۔

اس لیے بھلائی اور برائی دونوں کو اس عزیز الحکیم کی طرف منسوب کرنا خطا ہے' اور جبریہ کا مذہب باطل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ[1] وغیرہا آیات سے قادریت ٹپک رہی ہے لیکن سارے قرآن شریف سے بے محل یا بلا وجہ ایک آیت کا ہونا بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ الٓمٓ سے وَالنَّاس تک ایک آیت تو در کنار ایک لفظ بھی سوائے اس کے نہیں ہے کہ اصولِ نزول ہمارے حال کی وجہ پر ہے اور شانِ نزول ہمارے اعمال کی وجہ پر۔

اے بھائی! مولیٰ کریم تجھے اپنے کلام کی پوری سمجھ عطا فرمائیں' اس خالق کائنات نے انسان کو جامع صفات بنایا ہے اور لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ[2] فرما کر ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ[3] یعنی میدان دنیا میں مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ[4] کی میعاد کی قید لگا کر خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا[5] کا ارشاد فرمایا ہے۔ اس خاکی پتلا میں دونوں جہان سے نشان ہیں۔ پھر فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا[6] کی تعلیم حالیہ اس کے ضمیر میں سرشت کی رو سے گوندھ رکھی ہے۔ بعدہٗ بتوسل مرسلین اپنی آیات سے یوں تعلیم فرمائی:

---

[1] گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

[2] بے شک پیدا کیا ہم نے انسان کو بیچ اچھی صورت کے۔

[3] پھر اسے ہر نیچی سے نیچی حالت کی طرف پھیر دیا۔ [4] جائے قرار اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت تک۔

[5] پیدا کیا موت کو اور زندگانی کو تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون تم میں سے اچھا ہے اعمال کی رو سے۔

[6] پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری دل میں ڈالی۔

Marfat.com

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ	پس اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت
هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ	پس جس نے پیروی کی ہدایت میری کی پس نہ گمراہ
اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً	ہوگا اور نہ ایذا کھینچے گا۔ اور جس نے منہ پھیرا یاد میری سے
ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝	پس تحقیق واسطے اس کے ہے معیشت تنگ اور
(۲۰: ۱۲۳-۱۲۴- پ۱۶- ع۱۶)	اٹھائیں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا۔

اور وعدہ اور وعید کی رو سے آگاہ فرما دیا ہے کہ:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ	اور آپ کہہ دیجیے کہ یہ حق ہے پروردگار تمہارے کی
فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ج	طرف سے پس جو کوئی چاہے پس ایمان لائے اور
(۱۸: ۲۹- پ۱۵- ع۱۶)	جو کوئی چاہے پس کفر کرے۔

مذکورہ حدیث شریف کا ارشاد مبارک عمل کے میدان میں قانون کے رو سے وعدہ اور وعید کی وجہ پر اس آیت کے مترادف ہی ہے کہ جَفَّ الْقَلَمُ یعنی قلم سوکھ گیا ہے اور سیاہی خشک ہو گئی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ پھر ہم کس پر عمل کریں؟ فرمایا اعمال نیک میں از حد سعی کرو۔ اب ارشادات کے مطابق تغیر و تبدل خلاف قانون نہیں ہو سکتا۔

یہ قاعدۂ کلیہ اور قرین عدل و انصاف ہے کہ ہر شخص کی آزمائش اس کے حصول یعنی طاقت ہمت اور وصول ہی پر ہوا کرتی ہے۔ تو انسان کو جو صفات من اللہ تفویض ہوئے ہیں، اور جس وسعت تک مختار کیا گیا ہے، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] کے مطابق بلا میں مبتلا کیا گیا ہے یعنی آزمایا گیا ہے۔ اس بلا کے میدان میں انسان مفتون اور مولیٰ کریم ممتحن ہیں، مطابق

[1] نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی نفس مگر طاقت اس کی پر۔

Marfat.com

ارشاد ذوالجلال والاکرام:

الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا	کیا گمان کیا ہے لوگوں نے یہ کہ چھوڑے جائیں
اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝	اتنے ہی پر کہ منہ سے کہہ لیں کہ ایمان لائے ہم اور
(۲۹: ۱-۲ - پ۲۰ - ع۱۳)	وہ نہ آزمائے جائیں۔

تو انسان اس مقام میں دو حال سے خالی نہیں رہتا۔ یا فرمانبردار، یا نافرمان۔ اور ذات پاک کا معاملہ اس حال میں بھی اپنے بندوں کے ساتھ عجیب ہی ہے۔ فرماتے ہیں:

وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا	اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ساتھ اس چیز کے کہ
مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَا مِنْ دَآبَّۃٍ وَّ	کماتے ہیں نہ چھوڑے اوپر پشت زمین کے کوئی
لٰکِنْ یُّؤَخِّرُھُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ	چلنے والا ولیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو ایک وقت
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ	مقرر تک پس جب آوے گا وقت مقرر ان کا
بِعِبَادِہٖ بَصِیْرًا ۝ (۳۵: ۴۵ - پ۲۲ - ع۱۶)	پس تحقیق اللہ ہے ساتھ بندوں اپنے کے دیکھنے والا۔

تاہم لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یعنی نہیں خلاف کرتا وعدوں کا کے مطابق فرمان صادر ہو رہا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا	جو کوئی لاوے بھلائی پس واسطے اس کے ہے
وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزٰٓی اِلَّا	دس برابر اس کے اور جو کوئی لاوے برائی پس
مِثْلَھَا وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝	نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر مانند اس کی اور وہ نہیں
(۶: ۱۶۱ - پ۸ - ع۷)	ظلم کیے جائیں گے۔

وہ مالک حقیقی نیکی کو پسند فرماتے ہیں اور برائی سے بیزار ہوتے ہیں۔ ایک حد تک انسان اسی حال میں حائل رہتا ہے۔ اس مقام سے گزرنے کے بعد اس قادرِ مطلق کی تقدیر انسان کے لیے توفیق سرشتی سے بدل کر اضافیہ تصرف کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمان

Marfat.com

مبارک ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ	تو جس کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا
صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ	سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ اور جسے
يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا	چاہتا ہے کہ گمراہ کر دے اس کا سینہ تنگ اور
كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ	گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔
يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ	اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ	عذاب بھیجتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار
مُسْتَقِيْمًا ۭ (۶:۱۲۶-۱۲۷ - پ ۸)	کا سیدھا رستہ ہے۔

اب یہ دوسرا طبقہ شروع ہو جاتا ہے جو جبریہ کے مترادف ہے یعنی ارادۂ الٰہی نیک شخص کے لیے ہدایت اور شرح صدر اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى[1] کے مطابق کسی قدر مشیت ایزدی کا تصرف انسان کے ضمیر میں توفیق ہوتا ہے۔ اسلام اور اعمال اس کے لیے آسان تر اور محظوظ ہو جاتے ہیں۔ وہ کشاں کشاں صراط المستقیم کی طرف دوڑا چلا جاتا ہے اور فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ[2] کی تعلیم کا راستہ پا لیتا ہے۔ برکات اور نعمات اس کے قدم چومتی ہیں، عجز و الحاح کی دولت اس کا نصیب ہو جاتی ہے۔ پہلا طبقہ سرشت انسانیہ نیک و بد اعمال کی وجہ پر آزمائش میں تھا، جس کو معلق تقدیر سے منسوب کرنا بجا و درست ہے۔ اور یہ حالت یعنی دوسرا طبقہ نسبت اضافیہ از راہ شفقت و کرم نوازی من اللہ تقدیر مبرم کے مترادف ہے تاہم اس کا تعلق کسی قدر معلق سے وابستہ ہے۔ جیسے کہ بلعم بن باعورا کی نسبت کلام الٰہی شاہد ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا	اور پڑھ اوپر ان کے قصہ اس شخص کا کہ دیں ہم نے

[1] بیشک ہمارے ذمے ہے ہدایت [2] پس دوڑو طرف اللہ کی۔

Marfat.com

فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ	اس کو نشانیاں اپنی پس نکل گیا ان میں سے پس پیچھے
فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا	لگا یا اس کو شیطان نے پس ہو گیا گمراہوں سے۔
لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى	اور اگر چاہتے ہم البتہ بلند کرتے ہم اس کو ساتھ ان کے
الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ	یعنی نشانیوں کے ولیکن وہ لگ گیا طرف زمین کی
الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ	اور پیروی کی خواہش اپنی کی پس مثال اس کی مانند
اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ط (۷: ۱۷۵-۱۷۶	مثال کتے کی ہے اگر بوجھ رکھے تو اوپر اس کے زبان
پ ۹ - ۱۳)	لٹکائے یا چھوڑ دے اس کو زبان لٹکائے۔

دوسرا شخص اس مقام میں بوجہ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[1] ناراضگی اور غضبی صورت کا شکار ہو رہا ہے یعنی اس میں تصرف حق کسی قدر مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا[2] کے مطابق مردودیت کی طرف ہو جاتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ	اور جانو یہ کہ اللہ حائل ہوتا ہے درمیان آدمی
وَقَلْبِهٖ (۸: ۲۴ - پ ۹ - ۱۳)	کے اور دل اس کے کے۔

اس کی عقل ماری جاتی ہے، سمجھ اُلٹ جاتی ہے تکبر و رعونت کا پتلا بن کر مطابق ارشاد كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى السَّمَآءِ (گویا آسمان پر چڑھ رہا ہے) کا مصداق بن جاتا ہے۔ اسلام اور نیک اعمال اس کے لیے کٹھن ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بُرائی کو بھلائی اور بھلائی کو بُرائی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ تاہم کسی قدر اس کی تقدیر معلق سے علاقہ رکھتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ	بیشک منافق بیچ درجے نیچے کے ہیں آگ سے

[1] بسبب اس چیز کے کہ کماتے تھے۔

[2] جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔

Marfat.com

مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝	اور ہرگز نہ پائے گا تو واسطے ان کے مددگار۔ مگر
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا	جنہوں نے توبہ کی اور صلاحیت کی اور مضبوط پکڑا
بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ	خدا کو اور خالص کیا دین اپنے کو واسطے اللہ کے
مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ (۴:۱۴۶۔ پ۵۔ ۱۸)	پس یہ لوگ ساتھ مسلمانوں کے ہیں۔

اور رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ (میری رحمت نے ہر چیز کو سمایا ہے) کے مطابق تغیر و تبدل سے امید باقی ہوتی ہے۔ اب اس طبقہ سے عبور کرنے کے بعد مبرم مطلق ہو جاتی ہے۔ تصرفِ حق اس کے لیے خواہ شقی ہو یا سعید ہر دو وجہ پر اس کے حال کے موافق منصرف ہو جاتا ہے کما قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ	بیشک جو لوگ کہ کافر ہوئے برابر ہے اوپر ان کے
ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ	کیا ڈرایا تو نے ان کو یا نہ ڈرایا تو نے ان کو نہیں
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى	ایمان لائیں گے۔ مُہر کی اللہ نے اوپر دلوں ان کے
قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰٓى	کے اور اوپر کانوں ان کے کے۔ اور اوپر آنکھوں
اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۚ وَّلَهُمْ عَذَابٌ	ان کی کے پردہ ہے۔ اور واسطے ان کے عذاب
عَظِيْمٌ ۝ (۲:۶۔۷۔ پ۱۔ ۱)	ہے بہت بڑا

اس کو مفصل کرنے کے لیے اور اشکال کو رفع کرنے کے لیے دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ	یہ سبب اس کے ہے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝	ہوئے پس مُہر رکھی گئی اوپر دلوں ان کے کے پس
(۶۳:۳۔ پ۲۸۔ ۱۳)	وہ نہیں سمجھتے۔

اما بعد سرکشوں اور بدنصیبوں کو از روئے غیرت و غضب فرمایا:

Marfat.com

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝
(۵۸: ۱۹ - پ ۲۸ - ع ۳)

غالب آیا ہے اوپر ان کے شیطان پس بھلا دی ان کو یاد خدا کی۔ یہ لوگ گروہ شیطان کے ہیں۔ خبردار ہو تحقیق گروہ شیطان کے وہی ہیں زیان پانے والے۔

اسی طرح سعیدوں کے لیے نیک نصیبوں کے واسطے ازراہِ رحمت وہدایت ارشاد فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
(۵۸: ۲۲ - پ ۲۸ - ع ۳)

نہ پائے گا تو کسی قوم کو کہ ایمان لاتے ہوں ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے دوستی کریں ساتھ اس شخص کے کہ مقابلہ کرتا ہے اللہ کا اور رسول اس کے کا اگرچہ ہوں باپ ان کے یا بیٹے ان کے یا بھائی ان کے یا کنبہ ان کا۔ یہ لوگ لکھ دیا ہے اللہ نے بیچ دلوں ان کے کے ایمان اور قوت دی ہے ان کو ساتھ روح کے اپنی طرف سے اور داخل کرے گا ان کو بہشتوں میں کہ چلتی ہیں نیچے ان کے سے نہریں ہمیشہ رہنے والے بیچ ان کے۔ راضی ہوا اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے اور راضی ہوئے وہ اس سے۔ یہ لوگ ہیں گروہ خدا کے۔ خبردار ہو تحقیق گروہ اللہ کے وہی ہیں فلاح پانے والے۔

یہ احکام اور ان کا اصولِ نزول ہمارے حال کے موافق وارد ہے اور شانِ نزول ہمارے افعال کے مطابق۔ بعض جہلاء اور متکبر جہالت اور نادانی کی وجہ سے ایسی آیات کو بلا حجت

Marfat.com

…ذات باری تعالیٰ کی طرف الزام کرتے ہیں، اور یہ سراسر خطا اور کم فہمی ہے۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝ (۲۵: ۷۷۔ پ ۱۹۔ ع ۴)

کہہ کہ نہیں اختیار دیتا تم کو رب میرا اگر نہ ہوتی التجا تمہاری پس تحقیق جھٹلایا تم نے پس البتہ ہوگا وبال اس کا لگ جانے والا۔

…کے مطالعہ اور غور سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ ایسی خطا ہے جس کے لیے سزا لازم ہو جاتی ہے۔ …ایسے اشکال کو رفع کرنے کے لیے اور حق کو ثابت کرنے کے لیے کیا ہی فیصلہ دیا ہے:

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۝ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۶: ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ پ ۸۔ ع ۳)

البتہ کہیں گے وہ لوگ جو شریک لاتے ہیں اگر چاہتا اللہ نہ شریک کرتے ہم اور نہ باپ ہمارے اور نہ حرام کرتے ہم کچھ۔ اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے کہ پہلے ان سے تھے یہاں تک کہ چکھی انہوں نے عذاب ہمارا۔ کہہ کیا ہے تمہارے پاس کچھ علم پس نکالو گے اس کو واسطے ہمارے، نہیں پیروی کرتے تم مگر گمان کی اور نہیں تم مگر اٹکل کرتے۔ کہہ پس واسطے اللہ کے ہے دلیل پہنچی ہوئی پس اگر چاہتا ہدایت کرتا تم سب کو۔

…بالکل عیاں ہو رہا ہے کہ بلاوجہ اور سوائے حجت کے مالکِ حقیقی کی طرف افعال سیئہ یعنی شرک کروانے یا توحید کو ثابت کرنے یعنی شرک سے باز رکھنے کو منسوب کرنے والوں کو کذاب فرمایا ہے۔ اور فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کی رو سے غیرت کی وجہ پر بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کے تحت میں اپنی مشیت کو نسبت کیا ہے۔ ایسی آیات بینات قرآن الحمید میں کثرت سے

Marfat.com

موجود ہیں جن سے مشیت ایزدی کے سوا کچھ ثابت نہیں ہو سکتا۔ بعض لوگ کم فہمی اور کم استعدادی کی وجہ سے بلا حجت ذات باری تعالیٰ کی طرف الزام کرتے ہیں اور یہ سخت جہالت اور نادانی ہے۔ ان سب آیات کا یہاں درج کرنا لاحاصل ہے اس لیے مشیت کی سب سے قوی اور واضح دلیل فہمید کے لیے درج کی جاتی ہے تاکہ تمام اشکال رفع کرنے کے لیے کافی ہو جائے۔ فرمایا ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَ	اور اگر ہم چاہتے البتہ دیتے ہم ہر ایک جی کو ہدایت
لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ	اس کی ولیکن ثابت ہوئی بات میری طرف سے کہ
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ؁	البتہ بھر دوں گا میں دوزخ کو جنوں سے اور آدمیوں
(۳۲: ۱۳۔ پ ۲۱۔ ع ۱۵)	سے اکٹھے۔

اب حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي ایسا اشکال ہے جس سے لازم آتا ہے کہ یہ بات خداوند کریم کی طرف سے قرار پا چکی ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے ضرور بھروں گا۔ لیکن وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ؁ کی بنا پر غور و تعمق سے عجز و الحاح کے راستہ توفیق من اللہ کا طالب ہونا بعید از رحمت نہ ہوگا کہ تفسیر القرآن بالقرآن سے یہ اشکال حل ہو جائے۔

اے عزیز! خداوند جل و علا تجھے نیک سمجھ عطا فرمائے، حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي (یعنی میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے)، کی علت اور اس کی حجت دوسری جگہ تفصیل کے ساتھ واضح ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ جب خالق کائنات نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کو سجدہ کا حکم فرمایا تو سب سجدہ میں گر پڑے لیکن ابلیس اکڑ بیٹھا۔ فرمایا مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ۔ جواب دیا

ف۱ اور البتہ بیشک آسان کیا ہم نے قرآن کو واسطے ذکر کے پس کیا ہے کوئی ذکر کرنے والا۔

ف۲ کس نے تجھے منع کیا ہے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب کہ میں نے تجھے حکم دیا۔

Marfat.com

اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (میں اس سے بہتر ہوں) فرمایا دور ہو جا میری درگاہ سے۔ قیامت تک کے لیے تیرے گلے میں لعنت کا طوق ڈال دیا گیا ہے۔ تو ابلیس نے کہا کہ میری ایک عرض قبول کی جائے کہ مجھے اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ یعنی قیامت کے دن تک کی مہلت مل جائے۔ ارشاد ہوا فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (بیشک تو ڈھیل دیے گیوں سے ہے قیامت کے دن تک) تب اس ملعون نے حصول مہلت کے بعد عناد کی وجہ پر کہا فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ٥ (تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے) فرمان ہوا کہ:

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ٥ لَاَمْلَئَنَّ	کہا کہ بس سچ بات ہے یہ اور سچ کہتا ہوں میں کہ
جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ	البتہ بھر دوں گا میں دوزخ کو تجھ سے اور ان سے
اَجْمَعِیْنَ ٥ (۳۸: ۸۴۔ ۸۵۔ پ ۲۳۔ ع ۱۴)	جو پیروی کرتے ہیں تیری ان میں سے اکٹھے۔

پس اس قصہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ حَقُّ الْقَوْلُ مِنِّیْ کا وعدہ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ کے لیے لازم ہوا۔ جو فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کے مترادف ہے۔ نہ کہ بلا وجہ اور بلا حجت جنوں اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دے گا کا الزام، جو ذات پاک کے لائق نہیں ہے، روا ہو سکتا ہے۔ بلکہ ایسا گمان کرنا بھی سراسر خطا ہے۔ رہا سوال علم

قضا و قدر

تو جاننا چاہیے کہ علم خداوندی ایک صفت بالذات ہے جو ذات پاک سے منفک نہیں ہے اور نہ ہی ہوئی ہے، اور نہ ہی کبھی ہو گی۔ اور نہ ہی اس کی وسعت کی کوئی حد ہے، نہ حصر۔ جو کچھ ظہور میں آیا، اور جو آنے والا ہے، اور جو آ چکا ہے، اس علیم خبیر کے علم میں ذرا بے مقدار

Marfat.com

کی مانند بھی نہیں ہے۔ جب کچھ نہ تھا اور ہر شے کے ظہور کا علم اس علیم و قدیر کی ذاتِ معلیٰ میں متحقق تھا، اور اب بھی ویسا ہی علم اس کی ذات میں مانند ذات کے اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ[1] کے مترادف ہے۔ دراصل ظہور کا علم یا قبل از ظہور متحقق بالذات ہماری تفہیم کے لیے عبارت ہے، ورنہ مشیّتِ ایزدی اور قدرتِ لامتناہی کے تصرف کے میدان میں ان کی کچھ وقعت نہیں ہے۔ اور وہ اس لیے کہ صفاتِ ذاتیہ کا حصول ذات کے لیے جانا روا نہیں ہے۔ بلکہ ان صفاتِ ذاتیہ کو حصول بالذات ہے جو تابع ذات ہیں۔ تو جب اس خالقِ کائنات نے ظہور کا ارادہ فرمایا تو اوّل خلقت نوری یعنی عالم امر کی طرف مرید ہوئے، اور اپنے علم میں سے جس قدر چاہا لوح و قلم کی طرف محفوظ سے منسوب کیا۔ کما قال اللہ تعالیٰ فی القرآن الحمید:

لَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○ (۶: ۵۹ - پ - ۱۳)	نہیں کوئی تر اور نہ خشک مگر بیچ کتاب بیان کرنے والی کے ہے۔
لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ○ (۳۴: ۳ - پ ۲۲ - ۳)	نہیں پوشیدہ اس سے برابر ایک ذرے کے بیچ آسمانوں کے اور نہ بیچ زمین کے اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا مگر بیچ کتاب بیان کرنے والی کے ہے۔

لیکن یہ علم خداوندی مخلوق میں سے کسی کے علم کی مانند نہیں ہے۔ اور وہ اس لیے کہ علم خداوند کریم ہر شے سے معیت کی رُو سے ہے، اور یہ مخلوق کے لیے کسی وجہ سے بھی روا نہیں ہے۔ مولیٰ کریم کی ہر صفت ذاتیہ اپنی صفت کی ... مقید نہیں ہے۔ بلکہ ہر وصف واصفِ کل

[1] اب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا۔

Marfat.com

لامحدود ہے اس لیے ان حرفوں، لفظوں اور عبارتوں سے جو ہماری فہید کے لیے حق سے نزول کی طرف، اصل سے فرع کی طرف اور مرکز سے دائرے کی طرف منزول کیا گیا ہے ورا یل وراسے بھی وراء ہے، جس کا کماحقہٗ سمجھنا بھی ہمارے ادراک سے بالاتر ہے۔ تو اس صورت میں ازلی سعید اور ازلی بدبخت جس کی نسبت ذوالجلال والاکرام کی طرف روا ہے لیکن اس کا علم اور حکم ہماری طرف سے گمراہی کے سوا نہیں ہے۔ اور رب العالمین پر الزام بلا حجت کرنا خطا ہے۔ اور یہ جبریہ کا مذہب ہے، جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

مولیٰ کریم اپنے کسی فعل میں عاجز نہیں، بہر وجہ قادر ہیں۔ ہاں، باوجود قدرت رکھنے کے لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ کے مطابق وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ اور یہ بھی قدرت اور قادریت کی صریح دلیل ہے۔ کیونکہ ہر وعدہ کا ایفا سوائے قدرت کاملہ کے استقلال نہیں رکھتا۔ سارے قرآن مجید میں کسی کے ازلی بدبخت ہونے کا حکم پایا نہیں جاتا۔ ہاں حدیث شریف میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہر دو یدین مبارک میں دو کتابیں تھیں۔ فرمایا، "تم جانتے ہو کہ یہ کتابیں کیا ہیں، اور ان میں کیا درج ہے"؟ سب نے عرض کیا، "ہمارے ماں باپ قربان ہوں، اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خوب جانتے ہیں"۔ تو آپ نے فرمایا "ان میں ہر جنتی، اس کے ماں باپ اور اس کے قبیلے کا نام درج ہے۔ اور ہر دوزخی، اس کے ماں باپ اور اس کے قبیلے کا نام درج ہے، اور اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور اس پر مہر چسپاں کی گئی ہے"۔

گو اس حدیث کی صحت میں تامل ہے۔ لیکن اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تاہم اللہ جل شانہٗ کی قادریت کے منافی نہیں ہو سکتی۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۚ وَ   مٹا دیتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے

Marfat.com

عِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ○ (۱۳: ۳۸ - پ۱۳ - س۱۲) اور نزدیک اس کے ہے اصل کتاب۔

اس آیت شریف کے مطابق کمی و بیشی، تغیر و تبدل روا ہو سکتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ○ (پ۲۷ - س۱۲ - سورۃ الرحمٰن) شتاب فارغ ہوں گے ہم واسطے تمہارے اے دو خلقتیں جن وانس کی۔

ان آیات سے ثابت ہو رہا ہے کہ قضا و قدر کا لکھا جانا اور کسی کام کا مقرر ہونا اس ام کا مقتضی نہیں، اور نہ ہی ہو سکتا ہے کہ قادریت خداوند تعالیٰ کے کسی امر کا منافی ہو سکے اس خالق حقیقی اور قادر مطلق کا امر ہر وقت ہر آن، ہر زمان مخلوق کے لیے مفعول ہے۔ عا امر سے لے کر عالم موجودات تک کوئی چیز خواہ نوری ہو یا ناری، روحی ہو یا جسدی، اپنے ارادہ اور حال میں قادر نہیں ہے، اور نہ ہی کبھی ہو گی۔ اس قادر مطلق کے ید قدرت میں مح اور طوعاً و کرہاً بندہ کی حیثیت میں ہے۔ تو اس صورت کے ضمن میں قضا و قدر کا لکھنا جس کی کیفیت اور حال سے علم اس ذات پاک کے سوا محال ہے، اور مطابق يَمْحُوا اللّٰهُ مَ يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ○ اس کا مٹانا اور ثابت رکھنا قادر مطلق کی قدر اور اختیار میں محویت اور مثبت عاجز اور لاچار ہے، اس لیے کسی حکم کے لیے بھی تعین مدار روا نہیں ہو سکتا۔

اور یہ ہماری رجا و خوف کی حالت کو درست رکھنے اور اس سے مفاد حاصل کر اور صحت کے ساتھ رجوع الی اللہ حاصل کرنے کے واسطے ثبت اور نسخ کو قادریت کے تصرف کا مسخر بنا دیا ہے تاکہ بہرحال رضائے الٰہی کے میدان میں ثابت قدمی سے مقص حاصل کرنے والے ہوں۔

Marfat.com

ولایت، کرامت اور استدراج

ولایت

حضرت علی ہجویری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ خداوند کریم ان کا ہونا چاہتا ہے اور یہ خدا ...چاہنے والے ہوتے ہیں۔ اصل مقصود کے معنوں کو پائے ہوئے، محبت کے شجر کو معرفت ...کے باغ میں سجائے ہوئے، من دون اللہ سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ انگوریاں ...ان کے قدوم کی برکات سے اُگتی ہیں، مسلمان ان کی دعاؤں سے فتح حاصل کرتے ہیں، ...یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کی دولت انہی ہستیوں کے لیے مخصوص ہے جس کے لیے مولیٰ کریم نے ...انسان کو تخلیق کیا ہے۔

اے بھائی! سمجھ کہ یہ محبت مخلوق کی محبت کی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا حصول حجابات ...کے دور ہونے کے سوا درست نہیں ہو سکتا۔ اور ماسوی اللہ کی محبت سراسر حجاب ہے ...اس لیے مائل کی گئی چیزوں سے اعراض کرنے کے سوا اس کا حصول ناممکن ہے۔ کما ...قال اللہ تعالیٰ:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ	اور بعضے لوگوں میں سے وہ ہے کہ پکڑتا ہے سوا
دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ	اللہ کے شریک محبت کرتے ہیں ان سے جیسا کہ
اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا	محبت خدا کی۔ اور جو لوگ کہ ایمان لائے ہیں وہ
لِّلّٰهِ ؕ (پ۲۔ ع۴)	زیادہ ہیں محبت میں واسطے اللہ کے۔

اس آیت شریف سے ظاہر ہے کہ کسی غیر خدا سے محبت شرک ہے۔ اور شرک دو وجہ پر

Marfat.com

ہے۔ایک شرک جلی اور دوسرا شرک خفی۔شرک جلی تو کسی غیر کے سامنے سجدہ یا اس کی عبادت کرنا، یا اس سے خداوند کریم کی مثل مدد مانگنا، یا اس لم یزل وہ جزال بے مثل وبے مثال کی مانند کسی کو جاننا ہے۔لیکن شرک خفی محض کحُبِّ اللہ کا مصداق ہے۔یعنی کسی غیر خدا سے اس طرح محبت کرنا جیسی اس محبوب حقیقی سے چاہیے تھی۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تک آدمی اپنی جان سے بھی زیادہ محبت مجھ سے نہ رکھے مومن نہیں ہو سکتا۔

تو اس کا حل بھی کلام الٰہی میں ہے چنانچہ سورۂ مائدہ میں فرمایا ہے:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (پ ۶ ۔ ع ۱۳) — سوائے اس کے نہیں کہ دوست تمہارا اللہ ہے اور رسول اس کا اور وہ لوگ کہ ایمان لائے۔

بظاہر تو دونوں آیات بھی آپس میں متضاد ہی نظر آتی ہیں لیکن تدبر کے میزان اور نور ایمانی کے ترازو میں جانچنے سے نہ صرف تطبیق ہوگی بلکہ معاملہ کی صحت منکشف ہو جائے گی۔

عزیزا! دو چیزیں ان آیات سے صادر ہوتی ہیں۔ایک مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور دوسری فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔تو جان کہ ہر مِنْ دون اللہ شرک ہے اور ہر فی سبیل اللہ حق۔بلکہ سبیل کے سوا اصل مدعا کا ملنا دشوار، اور ولایت مذموم، اور دوستی لاحاصل ہے۔درحقیقت کسی نبی، ولی یا مومن کی محبت یا نسبت کے سوا یا دوسرے معنوں میں نور رسالت کے سوا محبت سراسر گمراہی ہے۔کما قال اللہ تعالیٰ عزوجل:

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ — اللہ دوستدار ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا — نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے طرف نور کے، اور

Marfat.com

أَوْلِيَـٰٓؤُهُمُ ٱلطَّـٰغُوتُ يُخْرِجُونَهُم — جو لوگ کہ کافر ہوئے دوست ان کے شیطان ہیں۔

مِّنَ ٱلنُّورِ إِلَى ٱلظُّلُمَـٰتِ ۗ أُو۟لَـٰٓئِكَ — نکالتے ہیں ان کو نور سے طرف اندھیروں کے۔

أَصْحَـٰبُ ٱلنَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَـٰلِدُونَ ۝ — یہ لوگ ہیں رہنے والے آگ کے، وہ بیچ اس کے

(پ۳ - ع۳) — ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ہیہات! آج عوام الناس کے نزدیک جو کوئی اسلام کے برخلاف راستہ اختیار کرے، اور ایمان کے حکموں کو فنا کرے ولی ہوتا ہے لیکن عند اللہ و عند الرسول ایسا شخص شیطان ہے۔ اس عزیز الحکیم نے حق سے باطل کو مٹانے کے لیے، سچ سے جھوٹ کو نابود کرنے کے لیے، نار کو نور سے بجھانے کے لیے، اس غفلت کی نیند سے جگانے کے لیے، صراط المستقیم پر چلانے کے لیے، مشعل ہدایت کو سجھانے کے لیے کیا ہی اچھا فیصلہ دیا ہے:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى — کہہ اگر ہو تم چاہتے اللہ کو پس پیروی کرو میری

يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ (۳:۳۱ - پ۳ - ع۱۲) — چاہے گا تم کو اللہ۔

یعنی اے میرے حبیب! ان لوگوں سے فرما دو، سنا دو، سمجھا دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو، اس کے محب بنتے ہو، یعنی اپنے زعم میں بساط محبت پر عشق کا دم بھرتے ہو تو آؤ میری اتباع کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے۔

اس سے ثابت ہوا کہ سوائے اتباع حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہماری محبت محل قبولیت کا شرف حاصل نہیں کر سکتی۔

کرامت

کرامت اکرام من اللہ ہے جو اللہ کے بندوں سے کئی وجوہات کی بنا پر ظہور پذیر ہوا کرتا

Marfat.com

ہے اور یہ کئی نوع پہ منقسم ہے: اضطراری، اختیاری، استقراری۔
جب کسی مصیبت کے وقت مومن کو اضطرار واقعہ ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے والا ہوتا ہے اور مطابق:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ	آیا کون ہے کہ قبول کرتا ہے دعا مضطر کی جب کہ پکارتا
یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ	ہے اس کو اور کھول دیتا ہے بُرائی اور کرتا ہے تم کو
الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا	جانشین زمین کا۔ آیا ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے؟
تَذَكَّرُوْنَ ○ (پ ۲۰۔ ر ۱)	تھوڑے سے نصیحت پکڑتے ہو۔

ہر مضطر کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ اس کی انجار نہیں کی جاتی اور اس کو تسکین و قرار دینے کے لیے مناسب امداد دی جاتی ہے جسب استعداد اس کرامت کا ظہور من اللہ ہوا کرتا ہے۔ اولیائے کرام کے ہاتھوں بڑے بڑے زبردست کارنامے معروف ہیں لیکن ان کے ظہور میں مطلق ان کا دخل نہیں ہوتا محض اکرام من اللہ ہی ہوا کرتا ہے اور یہ اس محبت کے صلہ میں سے ہے۔ جو مولیٰ کریم کو اپنے بندوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ فرمانِ مولیٰ کریم ہے:

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ	ہم ہیں دوست تمہارے بیچ جانی دنیا کے اور
فِی الْاٰخِرَةِ ۚ (پ ۲۴۔ ر ۱۸)	بیچ آخرت کے۔

دوسری کرامت اختیاری ہے۔ اور یہ دو وجہ پہ ہے۔ ایک اختیار من اللہ سے ہے اور دوسری تصرف بذات خود سے جس میں مطلق اختیار ہے۔ اختیار من اللہ انبیائے کرام کے لیے خاص ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہوا اور شیاطین (جن وغیرہ) مسخر کرنے کے بعد فرمایا:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ	یہ ہے عنایت ہماری پس بخش دے یا بند کر

Marfat.com

بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (پ ۲۳ ۔ س ۱۲) بغیر حساب کے۔

جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں اور حساب کا ڈر بھی نہ رکھیں۔ اور مومنین میں سے بھی کسی قدر ایسے اختیار کا دیا جانا روا اور ثابت ہے چنانچہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا تخت منگانے کے لیے اپنے درباریوں سے خطاب فرمایا کہ کون اسے جلد از جلد میرے پاس لا سکتا ہے؟ تو:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ	کہا اس شخص نے کہ نزدیک اس کے تھا علم کتاب سے
اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ	میں لے آتا ہوں تمہارے پاس اسے پہلے اس سے
طَرْفُكَ ۝ (پ ۱۹ ۔ س ۱۴)	کہ پھر آوے طرف تمہاری نظر تمہاری۔

حضرت غوث علی شاہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ:

"جب ہم بارادۂ حج بمبئی سے جہاز پر سوار ہوئے تو اس کے معلم سے ہم نے پوچھا کہ "میاں! کبھی کوئی مردِ خدا بھی ملا ہے"؟ اس نے کہا کہ "ہاں دو مرد ملے ہیں۔ ایک تو اس زمانہ میں تشریف لائے تھے جب میں خورد سال تھا اور میرا باپ معلم تھا اور دوسرے اب ملے ہیں"۔ ہم نے کہا کہ "بھائی! ان کو تم نے کیونکر پہچانا تھا"؟ کہا کہ "جس وقت ہمارا جہاز حاجیوں کو لے کر چلا تو ایک فقیر ڈبر سا سے نکل کر میرے والد کے پاس آن بیٹھا اور کہنے لگا کہ "اس میں تو بڑی تکلیف ہوتی ہے، بھلا منزلِ مقصود پر کب پہنچیں گے"؟ انہوں نے جواب دیا کہ "سوا مہینہ میں"۔ اس نے کہا "یہ تو بڑی مشکل ہوئی، ہمارا جی متلاتا ہے۔ اگر پہلے سے یہ حال معلوم ہوتا تو کبھی سوار نہ ہوتے"۔ والد نے کہا "صاحب! میں مجبور ہوں۔ اگر آپ کچھ ہمت رکھتے ہوں تو زور لگائیے تاکہ جہاز ساحل جدہ پہ جا لگے"۔ فقیر نے کہا "اچھا یہ تو بتلاؤ، پہلے کونسا بندر آتا ہے"؟ کہا "عدن"۔ پوچھا "پھر"؟ جواب دیا "مخہ"۔ کہا "اور"؟

Marfat.com

جواب دیا "حدیدہ"۔ بولا "اور"؟ کہا "جدہ"۔ تب فقیر نے فرمایا کہ "بس لنگر ڈال دو"۔ اور خود اُٹھ کر ڈبوسہ کے اندر چلے گئے۔ میرے والد نے سمندر کی طرف نگاہ کی تو کنارہ پر چراغ روشن نظر آئے اور جدہ کے آثار معلوم ہوئے۔ نہایت حیرت ہوئی کہ الٰہی! یہ کیا معاملہ ہے۔ پندرہ دن تک تو بمبئی سے چل کر کنارہ کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ ایک خلاصی کو حکم دیا کہ جلد ہوڑے پر سوار ہو کر جا اور کنارہ کی خبر لا"۔ وہ دیکھ کر واپس آیا اور کہا کہ "صاحب، بندر جدہ آگیا"۔ والد نے جہاز کو لنگر کروایا اور فقیر کو ڈھونڈا تو کہیں پتہ نہ لگا۔ اللہ اکبر! بڑا زبردست بزرگ تھا۔ مگر افسوس ہے پھر اس کی زیارت نہ ہوئی"۔ ہم نے کہا "دوسرا کہاں ہے"؟ بولا کہ "میرے پاس بیٹھا ہے"۔ ہم نے کہا کہ "تم نے کیونکر جانا"؟ کہا کہ "مجھ کو ہزارہا آدمیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا اور بہت سے فقرا کی زیارت کی مگر کسی نے یہ سوال نہ کیا اور مردِ خدا کا حال نہ پوچھا۔ آپ کے سوال سے میں جان گیا۔ کیونکہ مرد کو مرد ہی پوچھتا ہے ؎

اولیا را می شناسد اولیاء　　　دزد را ہم دزد داند بے ریا

بے خبر جنسیت نمی داند کسے　　　می شناسد جنس خود را ہر یکے

لیکن ایسا شخص ابوالوقت یا خضر الوقت ہوا کرتا ہے۔

دوسرا تصرف بذاتِ خود ہے، جو کسی حد تک اختیاری ہوا کرتا ہے اور سرشتی قوت کے تصرف فی الضمیر کا نتیجہ ہوتا ہے (جس کی مثالیں عالم برزخ کے بیان میں ذکر کی گئی ہیں) لیکن باوجود طاقت رکھنے کے بھی یہ تصرف بذاتِ خود کو پسند نہیں فرماتے ہیں کیونکہ اپنے حال کو پائے ہوئے "نزد یکاں را بیش بود حیرانی" کے تحت میں اتقا کو اختیار کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ یہ تصرف بذاتِ خود استدراج کی مانند ہوتا ہے اس لیے ایسے تصرف کو مذموم کہا ہے، اور بندگانِ خدا نے اس سے اجتناب کیا ہے۔

Marfat.com

استدراج

اے بھائی! وہ ہادی مطلق تجھے نیک سمجھ عطا فرمائیں۔ اس قادرِ مطلق خالق موجودات انسان کو جامع الصفات بنایا ہے اور اس کی قوت کو طاقت اور ہمت دو حصوں پر منقسم فرمایا ہے۔ طاقت جسمانیت سے علاقہ رکھتی ہے اور ہمت روحانیت سے۔ اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ[1] اور هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا[2] کا ارشاد فرما کر سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ[3] وغیرہ یعنی سب کی سب مخلوق اور اس کا مفاد انسان ہی کی خاطر بنایا اور اس کو اپنے لیے۔ چونکہ اس بیان میں بہت طول ہے اور اس باب میں تفصیل اصل مقصود کے خلاف کی مقتضی ہے۔ اس لیے اختصار کے راستہ اصل کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

فرمانِ ذوالجلال والاکرام ہے کہ:

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۭ (پ ۱۴ - ع ۵)

اور اوپر اللہ کے پہنچتی ہے سیدھی راہ اور بعضی ان میں سے کج ہیں۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ (پ ۱۵ - ع ۱)

بیشک یہ قرآن راہ دکھاتا ہے طرف اس راہ کی کہ وہ بہت سیدھی ہے۔

---

[1] اور البتہ بے شک بزرگی دی ہم نے بنی آدم کو۔

[2] وہی ذات پاک ہے جس نے پیدا کیا ہے واسطے تمہارے جو کچھ زمین میں ہے سب کچھ۔

[3] مسخر کیا واسطے تمہارے سورج کو اور چاند کو۔

Marfat.com

اور یہ قصد السبیل اور اصل مقصود لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ، لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ[1]
لیکن سعی انسانی کجی وجہ پر ہے۔ تو مطابق فرمان لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[2] کے جدھر انسان
سعی کرتا ہے، ذات پاک اس کو ادھر ہی چلنے دیتے ہیں، اور نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی[3] کی سنت اللہ کے
مطابق ادھر ہی چلاتے ہیں۔ انہی جائز میں سے ایک کج راہ قبولیت خلق ہے جس کو بزرگان
دین نے لوہے کے زنار سے تعبیر کیا ہے۔ یہ بہت بڑا حجاب ہے۔ بلکہ شیطانی تصرف کا آلہ
اور بہت بڑی گمراہی کا سبب، نفس کا سرمایہ، نہ ٹلنے والی بلا اور شہد میں ملی ہوئی زہر ہے۔
جو اخلاص کی زندگی کو ہلاک کر دینے والی اور اعمال صالحہ کو مثل خس و خاشاک کے جلا دینے
والی ہے۔ اسی مرض کے مبتلا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا[4] کے فریفتہ نُوَفِّ اِلَيْهِمْ
اَعْمَالَهُمْ[5] سے بے خبر اور شیدا، میدان دنیا و مافیہا کے شجر اور ثمر تک پہنچنے والے سخت ترین
مجاہدات سے نفس کا خلاف کرتے ہیں اور اسی راستہ روحانیت کو قوت دینے والے ہوتے ہیں
چونکہ مولی کریم نے انسان کی سرشت میں روحانیت کا دار و مدار اسی پر رکھا ہے، اس لیے
ایسے شخص بھی مطابق ارشاد مولی کریم:

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ (۷: ۱۸۲-۱۸۳- پ ۹- ع ۱۳)	اور جنہوں نے جھٹلایا نشانیوں ہماری کو البتہ درجہ بدرجہ کھینچیں گے ہم ان کو گمراہی میں جس طرح کہ نہیں جانتے۔ اور ڈھیل دوں گا میں ان کو تحقیق تدبیر میری مضبوط ہے۔

---

1. اللہ کے سوا کچھ مقصود نہیں، اللہ کے سوا کچھ موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
2. نہیں ہے واسطے انسان کے مگر جو کچھ کوشش کرے۔
3. پھیرتے ہیں ہم اس کو جدھر وہ پھرتا ہے۔
4. جو شخص دنیا اور اس کی زینت کا ارادہ کرے۔
5. ہم اس میں ان کا بدلا پورا دے دیں گے۔

Marfat.com

...یرت کی رو سے ہی سہی کچھ نہ کچھ حاصل کر ہی لیتے ہیں اور خلقت کے کاموں میں تصرف رکھتے ...یں چنانچہ نقل ہے کہ:

"دہلی میں ایک ہندو فقیر تھا۔ سلب مرض میں بہت کمال رکھتا تھا۔ اتفاقاً ایک بار ...سلطان جی سخت مریض ہوئے۔ اپنے مریدوں کو فرمایا کہ مجھ کو اس کافر کے پاس ہرگز نہ لیجانا۔ ...جب مرض کا غلبہ ہوا اور حضرت بیہوش ہوگئے تو مرید گھبرائے۔ ناچار اس کے پاس حضرت ...کو لے گئے۔ اس نے فوراً مرض سلب کر لیا۔ آپ ہوش میں آئے اور دیکھا کہ اس کافر نے سلب مرض کیا ہے۔ اس کو کچھ انعام دینا چاہیے۔ فرمایا کہ تم کو یہ کمال کس طرح حاصل ہوا؟ اس نے کہا کہ نفس کے خلاف کرنے سے۔ آپ نے فرمایا کہ بھلا تمہارا نفس اسلام کو قبول کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کہ پھر یہ بھی تو خلاف نفس کرو۔ وہ اول تو خاموش ہوا، پھر اسلام لایا۔ اور حضرت نے اس کو تعلیم فرمایا۔"

یہی استدراج کا اصل ہے۔ اور مسمریزم بھی اسی شجر کی شاخ ہے۔ جاہل لوگ اس کو بھی ولایت کی مانند یا اس کا کچھ حصہ سمجھ لیتے ہیں۔ لیکن کرامت محض اکرام من اللہ اور محبت الٰہی کی وجہ پر ہے اور استدراج اس کے برعکس مردودیت کی وجہ پر ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (پ۳۔ س۱۷)	اور جو کوئی چاہے سوائے اسلام کے دین پس ہرگز نہ قبول کیا جائے گا اس سے، اور وہ بیچ آخرت کے ٹوٹا پاتے والوں میں سے ہے۔

دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، نور اور نار کا سا حال ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ	اور نہیں برابر ہوتا اندھا اور دیکھنے والا، اور نہ اندھیرا اور نہ روشنی اور نہ ہی سایہ اور نہ

Marfat.com

وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ (پ ۲۲ - س ۱۵) دھوپ۔

علم غیب

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ (۵۹ : ۲۲ - پ ۲۸ - ع ۶)

وہی ہے اللہ جو نہیں کوئی معبود مگر وہ، جاننے والا ہے پوشیدہ کا اور حاضر کا۔ وہی ہے بخشش کرنے والا مہربان۔

اُصُول نُزُول کے مطابق یہ بھی ہمارے حال ہی سے عبارت ہے، ورنہ خداوند کریم کے لیے کوئی غیب نہیں ہے۔ بلکہ یہ اس خالق کائنات کی شان کے لائق ہی نہیں۔ تمام مخلوقات سے جو ہمارے لیے ظاہر ہے اور جو مخفی ہے فعل کے رُو سے یا حال کی وجہ پر اس سب سے علیم ہے اور جس قدر وہ کسی کو عطا کرے، عنایت کرے، اسی قدر وہ اس کا جاننے والا ہوتا ہے۔ اور یہ کئی نوع پر منقسم ہے۔

جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلعت فرمایا اور ملائکہ کو متنبہ کرنے اور اپنی قدرتِ کاملہ کے ظہور کے لیے علم لدُن سے ان کے قلب اطہر میں القا کیا تو انہوں نے موجودات کے نام بتلا دیئے۔

یہ وہ عبارت ہے جس کے لیے کوئی لفظ نہیں، اور یہ وہ کلام ہے جس کے لیے کوئی صورت نہیں۔ اور یہ وہ علم تھا جس کے لیے ظاہری تعلیم کی احتیاج نہیں۔ محض القائے ربانی تھا جس کو علم لدُن کہنا روا ہے۔ اور دلیل اس کی شاہد ہے کہ اگر کسی ظاہری مروجہ تعلیم سے یا کسی کتاب سے، یا حفظ کے ذریعہ سے (جس میں محض کلام بغیر عبارت ہی کی احتیاج ہے) ہوتی، تو

Marfat.com

آج تمام بنی آدم کی زبان ایک ہونا چاہیے تھی۔ لیکن صورت حال اس کے برعکس ہے، اہل عرب کے لیے فارسی زبان بمنزلہ غیب کے ہے لیکن عربی لسان ان کے لیے ظاہر۔ اسی طرح ہر ایک ملک کی زبان مثلاً ہندی، پنجابی، سندھی، انگریزی، افریقی، امریکی، عبرانی وغیرہم سب ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ اور ہر ایک ملک کے لیے دوسرے ملک کی زبان بمنزلہ علم غیب کے ہے اور اس عزیز الحکیم نے اس اختلاف اَلسنہ کو اپنے نشانات سے تعبیر فرمایا ہے۔ کما قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اور نشانیوں اس کی سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ	اور زمین کا اور اختلاف زبانوں تمہاری کا اور
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝	رنگوں تمہارے کا۔ تحقیق بیچ اس کے البتہ نشانیاں
(۳۰:۲۲۔ پ ۲۱۔ ع ۶)	ہیں واسطے عالموں کے۔

خواہ انسان جہالت کے سبب سے انکار ہی کرے، اس میں کلام نہیں کہ انسان کے علم کی ابتدا مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا[1] سے ہوئی ہے۔ جیسے اوپر گزر چکا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بے بہا دولت سے (جس کو ذوالجلال والاکرام نے نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ[2] سے نامزد کیا ہے) سرفراز ہوتے ہی موجودات کے نام بتا دیے۔ یہ علم موجودات سے ہے جیسا کہ ہر فرد بشر مختلف زبانوں اور ناموں سے واقف اور عالم ہے۔ اور اس موجودات میں سے کسی چیز کی بھی علم غیب کی طرف نسبت نہیں اور وہ اس لیے کہ ان اشیاء کا غیب اس علم کے ذریعے جس کو مروجہ صورت میں مادۂ انسانی کہنا درست ہے ظاہر ہو چکا ہے۔

اس موجودات سے استعداد انسانی کے راستہ عقل کے میدان میں عالم محسوسات کا علم ہے

---

[1] اپنے پاس سے علم۔ [2] پھونکا میں نے اس میں اپنی روح سے۔

Marfat.com

جیسے گرمی سردی اور تمام اشیاء کے اثرات کا اخذ کرنا اور تجربہ کی بساط پر ان تاثیرات کے فعل کا معائنہ اور ان کی طاقت کا تجربہ اور عقلی تجربات سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ :

اَللّٰہُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَکُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ	اللہ وہ ذات پاک ہے جس نے مسخر کیا واسطے تمہارے
الْفُلْکُ فِیْہِ بِاَمْرِہٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ	دریا کو تاکہ چلیں کشتیاں بیچ اس کے ساتھ حکم اس کے
وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ٥ (۴۵: ۱۲۔ پ ۲۵۔ ۱۷)	کے اور تاکہ ڈھونڈو تم فضل اس کے سے اور تاکہ تم شکر کرو۔

پانی اور معدنیات کی رگڑ سے برقی طاقت کا عمل معروف ہے۔ بے تار برقی سے خبروں کا دور دراز سے تصرف فی زمانہ اظہر من الشمس ہے جس کی تفصیل اس کتاب میں لا حاصل ہے، سوائے اس کے کہ ان محسوسات اور تجربات سے ان کی تاثیرات وافعال کے علم سے معلومات کا حاصل ہونا ثابت ہے، جو محسوسات سے معلومات کا حفظ دماغ میں اخذ کرنا ہے۔ گویا موجودات سے محسوسات اور محسوسات سے معلومات تک کا علم سیکھنے سے حاصل ہو سکتا ہے اس لیے ایسے علوم کو کسبی کہنا روا اور درست ہے، بلکہ ان کی حقیقت ہی یہی ہے۔ لیکن معروفات کے میدان میں عقل کا ادراک مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

جن اشخاص کی سعی اور ہمت کی دوڑ ان عوالم تک محدود رہی اور اس طاقت اور استعداد کا فائدہ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا[1] ہی پر محدود رہا۔ وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا[2] کی غفلت اور جہالت نے ان کے عقلوں کو ڈھانپ لیا۔ عالم معروفات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے انہی کو انتہائے علم اور مقصود جان لیا، نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی[3] کی عادت الٰہی نے ان کو

---

[1] جن لوگوں کی کوشش زندگانی دنیا ہی کے حصول میں گم ہو گئی۔

[2] اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ [3] پھیرتے ہیں ہم اس کو جدھر وہ پھرتا ہے۔

Marfat.com

مَن کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ ۱؎ کا مرتکب کر دیا اور مَن کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِیۡ حَرۡثِهٖ ۲؎ (پ۲۵۔ ع۴) کی دولت سے محروم رہ گئے۔

اے بھائی! خدائے کریم تجھے نیک سمجھ عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡهُدٰی ۳؎ کی رحمت سے اصل مقصود کی طرف راستہ دے، اہل دنیا تو درکنار، اہل دین کا علم بھی جو ظاہر پر حکم رکھتا ہے، عالم معلومات سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ گو اجر کے لحاظ سے مغفرت اور عمل جارحہ کے رُو سے نعمت کا سبب ہے، مگر اسی کو معراج کمال سمجھ لینا اصل مقصود سے محجوب رہنے کے باعث ہے۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ جو لوگ اسی علم کو جو محض نظام دنیا اور ثواب الآخرہ تک محدود ہے، لَمۡ یُحِیۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ ۴؎ کی وجہ پر اس سے آگے کے منکر ہو رہے ہیں، جو سخت نقصان کا باعث اور اَلۡعِلۡمُ حِجَابُ الۡاَکۡبَرُ ۵؎ کا مصداق ہے۔

عزیزا، اس سے آگے عالم معرفات کا علم حجابات کے دور ہونے کے سوا نہیں ہے جس کا حصول دائمی فکر صحیح اور فضل ایزدی کے بغیر ناممکن ہے، اور جس کا توسل بموجب ارشاد ایزد متعال فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا ۶؎ کاملان و عارفان خدا کے خاکِ زیر پا ہونے اور صحیح اتباع کرنے کے سوا محال ہے ؎

علم انوار است اندر دل رجال | نے ز راہِ دفتر و نے قیل و قال
علم در سینہ بسینہ آمدہ! | علم بے کینہ خزینہ آمدہ

۱؎ جو کوئی دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے دیتے ہیں ہم کو اس سے اور نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں کچھ حصہ۔

۲؎ جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کی کھیتی میں اس کے لیے مزید زیادتی کرتے ہیں۔

۳؎ یقیناً ہمارے ذمے ہے ہدایت دینا۔ ۴؎ نہ گھیرتے وہ اس کے علم سے۔

۵؎ علم سب سے بڑا حجاب ہے۔ ۶؎ اس کے متعلق کسی خبر والے سے سوال کر۔

Marfat.com

"علم درسی نہ بود، در سینہ بود"

عالم معروفات کا علم سراسر رؤیت اور عالم معلومات کا علم محض ظن۔ تو اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا[1] کے مطابق جب رؤیت کا حصول ہو ظن باقی نہیں رہتا۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص نارنگی یعنی سنگترہ کے علم کا طالب ہے اور اس کا بالتفصیل علم حاصل کرتا ہے کہ سنگترہ ایک پھل ہے جس کا درخت درمیانہ، برگ درمیانہ لمبوترے پھول سفید، اور خام پھل سبز ہوتا ہے۔ جب پختہ ہوتا ہے تو گہرا زرد رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ چھال نرم سی اور اس کے اندر آٹھ نو پھانکیں زرد رنگ، رس بھریاں ایک دوسری سے ملحق ہوتی ہیں، جن کا ذائقہ ترش و شیریں ہوتا ہے، وغیرہ سب صفات سے عالم ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسرے شخص کو نارنگی کے درخت کے پاس لے جاتے ہیں اور ظاہری علم سے ایک سبق یا ایک لفظ بھی نہیں پڑھایا جاتا۔ صرف ایک سنگترہ درخت سے توڑ کر اس کو کھلا دیا جاتا ہے۔ اب وہ پہلا شخص عالم ہے اور یہ دوسرا عارف۔ عالم کے متعلق احتمال ہے کہ بجائے سنگترہ کے مالٹے کو سنگترہ سمجھ لے۔ لیکن دوسرا شخص جو سنگترہ سے عارف ہو چکا ہے، یہ غلطی نہیں کھا سکتا۔ اس لیے بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف عالم عارف نہیں ہوتا۔ لیکن عارف عالم ہوتا ہے۔

ہر علم کا حامل رُوح ہی ہے۔ جو حیاتی کا اصل، وجودی دائرے کا مرکز، ہر فرع کا اصل اور ہر فعل کا متصرّف ہے۔ گو یہ وجود اس کے علم کا مظہر ہے لیکن اس کے چہرے کا نقاب اور حجاب بھی ہے۔ یہ جس حجاب میں محجوب ہوتا ہے اسی کا حکم رکھتا ہے۔ مثلاً موجودات کا علم اس کے لیے حجاب اکبر ہے۔ اور عالم محسوسات جو موجودات سے بالاتر ہے، موجودات کے حجاب سے مبرّا

[1] بے شک ظن نہیں مستغنی کرتا حقیقت سے کچھ بھی۔

Marfat.com

ہے۔اسی طرح معلومات کے لیے محسوسات ایک حجاب ہے۔ باوجود ایک دوسرے سے متعلق ہونے کے ان عالموں کو آپس میں کوئی نسبت نہیں لیکن جب بفضل الٰہی معروفات کے میدان میں قدم زن ہوتا ہے تو موجودات، محسوسات اور معلومات کے حجابات سے خلاصی پانے والا ہوتا ہے۔تب مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ[1] کی رضا کے راستے عالم امر سے مطلع ہو کر اس عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ[2] سے اپنی ذات کو پہچاننے والا، مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ[3] کے راز کو پانے والا، وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ[4] کی بصارت سے بینا ہو جانا ہے۔چونکہ اس میدان یعنی عالم امر سے جو آمر کے امر سے وابستہ ہے، عارف ہوتا ہے۔گو اس حال اور کیفیت کا بیان از حد مشکل ہے تاہم اتنا کہ ایسے شخص کی نظر میں ہر مخلوق کا فعل فعل خداوندی ہی ہوتا ہے۔اور وہ اس لیے کہ جب حجابات دور ہو جاتے ہیں تو اس کی نظر میں مخلوقات کے حجاب بھی نہیں رہتے۔اور یہ عبارت حال کے غلبے کے رُو سے ہے۔اپنے حال کے مطابق نفی حجاب اور اثباتِ امر و فعل کا معائنہ کرنے والا ہوتا ہے اور ؎

حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

کے دریا میں مستغرق۔گو لاکھوں میں کا کوئی ایک اس مقام تک پہنچتا ہے لیکن یہاں تک پہنچنے والوں میں سے بھی اکثر اسی مقام ہی پر ڈیرہ ڈال دیتے ہیں، اور اسی کو معراج کمال سمجھ لیتے ہیں۔اور وہ اس لیے کہ ذاتِ معلیٰ نے اس فعل کو جو محض امر الٰہی یعنی عالم امر سے ہے، روح (جس کو مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ سے تعبیر کیا ہے) کی طرف معرفت کا اجرا رکھا ہے، عین فعل ذات بلکہ عین ذات ہی سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ یہ بھی ایک حجاب ہی ہے۔مشیتِ ایزدی اور فضل ربّانی

---

[1] تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ [2] علم کتاب میں سے۔

[3] جس نے پہچانا اپنے نفس کو پس بیشک پہچانا اپنے رب کو۔ [4] اور بیچ جانوں اپنی کے کیا تم دیکھتے نہیں۔

Marfat.com

سے جن کا یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے وہ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ[1] کے مطابق سعی اور ہمت کے قدموں سے محبت کی وادی میں سرگردان پھرنے والے اور محبوب کی طلب میں جان پر کھیلنے والے ہوتے ہیں۔ اگر مشیّتِ ایزدی ان کی یاوری کرے تو لقائے الٰہی کی دولت سے مشاہدہ کی روئت نصیب ہو جائے تو بعید از رحمت نہیں ہے اور یہی انسان کے علم و عرفان کی انتہا ہے۔ اس سے آگے اس کی رسائی نہیں۔

اب یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے جس کی سمجھ اور حل انسانی طاقت سے باہر ہے۔ کہ علم کا حصول موجودات سے شروع ہو کر لقائے الٰہی و مشاہدہ لا متناہی تک بس ہے، اور علم کے معنی کسی شے سے واقف ہونے اور اس کے جاننے کے سوا نہیں ہیں۔ تو قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر کے تحت بلقیس کا تخت لانے میں ارشاد مولیٰ کریم ہے:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ	کہا اس شخص نے کہ نزدیک اس کے تھا علم کتاب سے
اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ	میں لے آؤں گا تمہارے پاس اس کو پہلے اس سے
طَرْفُکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ	کہ پھر آوے طرف تمہاری نظر تمہاری، پس جب
قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ قف (۲۷: ۴۰	دیکھا اس کو ٹھیرا ہوا نزدیک اپنے کہا یہ ہے فضل
پ ۱۹ - ع ۱۸)	پروردگار میرے کے سے۔

اتنی مسافت سے عرشِ عظیم کی روئت تو ایک بڑے علم کشف سے ممکن ہے۔ لیکن اس کو آنکھ جھپکنے میں لا کر حاضر کرنا کسی علم کے عمل کا نتیجہ خلاف عقل و ادراک ہے۔ جس کا انحصار دو وجہ پر ہے۔ ایک تو اتنا بڑا کہ اس کو عرشِ عظیم فرمایا ہے، اُٹھانا اور آنا فاناً لے آنا اور دوسرا اس کا حفاظت اور حراست شاہی سے نکالنا۔

[1] پس دوڑو طرف اللہ تعالیٰ کی۔

Marfat.com

مَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ[1]، جواب اور حل اس کا اس طرح ہے کہ سب طاقتوں کا مرجع ذات باری تعالیٰ کی طرف ہے اور ان کا فعل اسی کی جانب سے رواہے۔ اور یہ بھی دو نوع پر منقسم ہیں۔ ایک تو وہ طاقت ہے جو انسان کی طرف اپنی عطا سے ودیعت فرمائی ہے جس میں اس کو کسی قدر اختیار دیا ہے۔ اور اس میں یہ حسنات وسیئات کے رُو سے مختار ہے، اور ان کی جزاو سزا کا مستحق اور حامل۔ مثلاً حیاتی جو محض عطائے الٰہی ہے لیکن ودیعت ہونے کے بعد انسان کے لیے ذاتی کا حکم رکھتی ہے جو اس سے کبھی منفک نہ ہوگی۔ خواہ یہ اس کے صرف کرنے میں کافر ہی کیوں نہ ہو جائے۔ دوسرا فعل جو ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے جس میں کسی فرو بشر کو طاقت نہیں ہے اور نہ ہی کسی قسم کے تصرّف کی مجال۔ اور وہ تصرّفات رُوحی کے متعلق ہے۔

گو ہر فعل نیک و بد کا مقتضی رُوح ہی ہے۔ لیکن بارشاد رب العالمین مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ[2] کی تقسیم لازم ہے۔ مِنْ بعد بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[3] کے باعث اور اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ[4] کی وجہ پر حسب ارشاد ذوالجلال والاکرام يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ[5] غضبی اور رحمی شان سے رُوح کی جانب متصرّف ہونا مطابق قرآن مجید سنت اللہ جاری ہے۔ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ[6] فی الدنیا۔ اور يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ[7] فی الآخرہ ہے۔ اور يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ[8] کا نتیجہ قرب خداوندی اور

---

[1] نہیں ہے توفیق مجھے مگر اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ۔

[2] جو پہنچے تجھ کو بھلائی پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھ کو برائی پس وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

[3] بسبب اس چیز کے کہ کماتے ہیں۔ [4] ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔

[5] گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ [6] پس دوری ہے واسطے قوم ظالموں کے

[7] اس دن یقیناً وہ حجاب میں ہوں گے۔ [8] ہدایت دیتا ہے طرف اپنی اُسے جو جھکتا ہے۔

Marfat.com

یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ[1] کے سایہ میں تخلقوا باخلاق اللہ[2] سے حجاب کا دور کرنا ہے جو اصل مقصود ہے۔ تو نے نہیں دیکھا کہ حدیث قدسی کس امر کی دلیل ہے:

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ	اور روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ	کہا کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تحقیق اللہ
اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا	تعالیٰ نے فرمایا جو شخص کہ ایذا دے میرے ولی کو پس بیشک
فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ	خبردار کرتا ہوں میں اس کو ساتھ لڑائی کے اور نہیں نزدیکی
اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا	حاصل کی طرف میری بندے میرے نے ساتھ کسی چیز کے
افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ	کہ بہت محبوب ہو طرف میری اس چیز سے کہ فرض کیا
یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی	میں نے اس پر اور ہمیشہ رہتا ہے بندہ میرا نزدیکی ڈھونڈتا
اَحْبَبْتُهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ فَكُنْتُ	طرف میری ساتھ نفلوں کے یہاں تک کہ دوست رکھتا
سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ	ہوں میں اس کو اور جس وقت کہ دوست رکھتا ہوں میں
الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ	اس کو پس ہوتا ہوں میں شنوائی اس کی کہ سنتا ہے ساتھ
یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ	اس کے اور ہوتا ہوں میں آنکھ اس کی کہ دیکھتا ہے ساتھ
بِهَا (فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَ	اس کے اور ہاتھ اس کا کہ پکڑتا ہے ساتھ اس کے اور
بِیْ یَبْطِشُ وَبِیْ یَمْشِیْ)[3] وَاِنْ	پاؤں اس کا کہ چلتا ہے ساتھ اس کے (پس میرے ساتھ
سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ	سنتا ہے اور میرے ساتھ دیکھتا ہے اور میرے ساتھ پکڑتا
لَاُعِیْذَنَّهٗ وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ	ہے اور میرے ساتھ چلتا ہے) اور اگر مانگتا ہے مجھ سے

[1] محبت کرتا ہے وہ ان سے اور محبت کرتے ہیں وہ اس سے۔ [2] اپنے اخلاق کو اللہ تعالیٰ کے اخلاق کی طرح بناؤ۔

[3] خطوط کے اندر کے کلمات ایک دوسری حدیث کے ہیں جو الگ سند سے مروی ہے۔

Marfat.com

شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ	یہ بندہ البتہ دیتا ہوں میں اس کو اور اگر پناہ پکڑتا ہے ساتھ
نَفْسِ الْمُؤْمِنِ یَکْرَهُ الْمَوْتَ	میرے البتہ پناہ دیتا ہوں میں اس کو اور نہیں توقف کرتا اور
وَاَنَا اَکْرَهُ مَسَاءَتَهٗ وَلَا بُدَّ	تردد کرتا میں کسی چیز سے کہ کرنے والا ہوں میں اس کو مانند تردد
لَهٗ مِنْهُ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ ۔	میرے کے قبض کرنے جان مومن کے سے، ناخوش رکھتا ہے

وہ موت کو اور حال یہ ہے کہ میں ناخوش رکھتا ہوں ناخوشی اس کی کو اور چارہ نہیں اس کو مرگ سے

روایت کی یہ بخاری نے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ اس ذات پاک کا ہاتھ پاؤں بننا یا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ کسی میں حلول کرنا تو درکنار ایسا گمان بھی کفر بلکہ شرک مطلق ہے۔ ہاں صوفیائے کرام کے نزدیک یہ فنا فی اللہ سے عبارت ہے۔ اور اس سے مقصود صفات انسانیہ کے فنا ہونے اور حجابات کے دور ہونے اور صفات خداوندی سے متصف ہونے کی رُو سے ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ	رنگ دیا ہے ہم کو اللہ نے، اور کون ہے بہتر خدا سے
اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○	رنگ میں۔ اور ہم اسی کے لیے عبادت کرنے
(۲:۱۳۸۔ پ ۱۔ ع ۱۶)	والے ہیں۔

بمصداق ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ! گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس مقام پر عبداللہ کی حقیقت اپنے رب کریم سے واحد ہو جاتی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات شریف[2] میں فرماتے ہیں کہ "اس مقام پر انسان صفات بشریت سے

---

[1] پناہ پکڑتا ہوں میں ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس سے۔

[2] دفتر سوم، مکتوب نمبر ۵۲۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے حاشیہ صفحہ نمبر

Marfat.com

نکل کر صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہو جاتا ہے" یعنی کہ انسان کا اختیار مطلق اُٹھ جاتا ہے۔ اس کے ارادے فنا ہو جاتے ہیں اور ماموُر من اللہ ہو جاتا ہے۔ ولی کے لیے یہ مقام محفوظات سے ہے اور مرسلین کے لیے معصومیت سے۔ حضرت امیر کبیر علی ہمدانی قدس سرّہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ "مولیٰ کریم کی صفات ذاتیہ سے انسانی صفات ذاتیہ کو ایسا اتحاد ہے جس میں تمیز دشوار ہے"۔

عزیزا! یہ ارشادات بندگانِ خدا تیری تسلّی کے لیے مرقوم ہیں، ورنہ ارشاد مولیٰ کریم فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا[1] اس بات کی دلیل ہے کہ مولیٰ کریم نے انسان کو اپنی صفت پر تخلیق کیا ہے اور صِبْغَةَ اللّٰهِ[2] اس پر شاہد ہے کہ انسان تزکیٰ حاصل ہونے کے بعد خدا کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ اب علم جو ذات باری تعالیٰ کی صفات ذاتیہ سے ایک صفت بالذات ہے، انسان کے علم کی تاریکی کو دور کرکے اپنے علم کا نور اس کے صدر ثبت کر دیتے ہیں۔ تب اس علم سے جو علم حقیقی ہے اور سب علوم اس اصل کے بمنزلہ ظل اور فرع کے ہیں، ایسا فعل ظہور میں آتا ہے۔

پہلے روح کے بیان میں گزر چکا ہے کہ ہر صفت ذاتیہ اپنی صفت کی بھی مقید نہیں ہے بلکہ واصفِ کُل لامحدود ہے، اس لیے یہ علم کسی علم کی مانند نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے صفات اور طاقت کا مخلوق کی طرف نسبت کرنا سراسر جہالت ہے۔ کیونکہ ان صفات کا فعل سب کا سب من اللہ ہے اور یہی صراط المستقیم ہے۔ لیکن یہ اصول نزول ہے کہ جب اصل فرع کی طرف فاعل ہو، اسی کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ کلام پاک میں قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ سے مرشد ہے، جیسا اوپر گزر چکا ہے۔ گو حقیقت فاعل حقیقی اور نسبت اصل

[1] بناوٹ خدا کی وہ ہے جس پر بنایا انسان کو۔ [2] رنگ ہے اللہ کا۔

Marfat.com

اور حق کی طرف ہے لیکن حکم اس مومن کی طرف منسوب ہے یہی وجہ ہے کہ جو حضرات حدث اور قدم کا فرق نہیں جانتے اور فرع سے اصل کو نہیں پہچانتے، صاف انکار کر دیتے ہیں۔ اسی بنا پر قرآن مجید جو کلام الٰہی اور صفات ذاتیہ سے ہے، جب اس کا حکم قطعۂ قرطاس پر حرفوں اور لفظوں کی طرف منسوب ہوا، مخلوق کے قائل ہوئے۔

اس راقم کے وقت میں بھی حلف بالقرآن پر علمائے دین میں تقاضا ہوا۔ مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے، الگ عنوان "حلف بالقرآن" کے تحت اس کتاب کے آخر میں کچھ تحریر کیا گیا ہے، تاکہ اس سے مقصود حاصل کرنے میں آسانی ہو۔

اے بھائی! مولیٰ کریم تجھے اپنے خاص علم سے بینا کرے، جس طرح علم کو کلام کے لباس سے ملبوس کرنے کے لیے اسباب مخلوق کو ملازم کیا ہے، اسی طرح اپنے علم کو قلوب انسانیہ کی طرف ودیعت فرمانے کے لیے ملفوف بنایا ہے۔ اب ذرا عدل و انصاف کے ترازو میں نور ایمانی سے موازنہ کرنا بعید از ہدایت نہ ہوگا کہ مرسلین کا حال اور تعلق اس ذوالجلال والاکرام کے ساتھ کیا ہوگا؟ اس میں کلام نہیں کہ مرسلین کے حال سے مومن تو درکنار خاص اولیاء اللہ کو بھی کوئی علم نہیں ہے اور اس کی مثال دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی سی ہے۔ عجب یہ ہے کہ باوجود نادانی کے برادران اسلام اس میں مناظرے بلکہ مجادلے کے لیے یہاں تک کمربستہ ہیں کہ الامان۔ کیا انہوں نے ارشاد مولیٰ کریم وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ[1] کو مطالعہ نہیں کیا ہے؟ یا حبط اعمال سے بے خوف ہو رہے ہیں، یا انہوں نے خداوند کریم سے اس کی صریح سند پکڑ لی ہے؟

اے بھائی! یہ معنی جو اوپر بیان ہو چکے ہیں، یہ نکتہ عجب پر بس ہیں اور یہی عقیدہ اس کے

[1] اور بعض لوگوں میں سے وہ ہے جو جھگڑا کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے۔

Marfat.com

لیے کافی ہے۔ اگر اس سے بڑھ کر کوئی عزیز مرتبہ ہوتا تو لازم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر فائز ہوتے۔ اس لیے اس سے بڑھ کر کوئی درجہ ہے ہی نہیں۔ فھم من فھم۔ دیکھو فرمان مولیٰ کریم:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ	تحقیق وہ لوگ کہ بیعت کرتے ہیں تجھ سے سوائے
اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ	اس کے نہیں کہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔ ہاتھ
(۴۸: ۱۰۔ پ ۲۶۔ ع ۹)	اللہ کا ہے اوپر ہاتھ ان کے کے

کی حقیقت کیسی واضح ہے جس کو اپنے عبد کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبارت فعل خداوندی کی طرف منسوب ہے جو غیر کے فعل کی نفی پر دلالت کرتی ہے جس طرح کہ عام مومنوں کے لیے فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ یعنی نہیں قتل کیا تم نے ان کو ولیکن اللہ نے قتل کیا ہے ان کو۔

جواب:

اس میں کلام نہیں کہ یہ واقعی فعل مومنین کی نفی ہے کہ یہ تمہارا فعل نہیں بلکہ یہ توفیق من اللہ ہے اور یہ خدا ہی کے حکم سے ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ اس سے وراء ہے اور یہ دو وجہ پر ہے۔ ایک تو یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یعنی یہ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ یعنی بظاہر اقرار و عہد جو تجھ سے کرتے ہیں دراصل وہ وعدہ اللہ سے ہے۔ گو دوسری صورت بھی اسی کے مترادف ہے۔ لیکن اس میں ایک بین فرق ہے جو اظہر من الشمس ہے کہ ان کے ہاتھ پر اللہ جل شانہ کا ہاتھ ہے۔ چاہیے تھا کہ اس جگہ بھی ایسا ہی ارشاد ہوتا کہ تیرا ہاتھ جو ان کے ہاتھ پر ہے وہ تیرا نہیں ہے، بلکہ اللہ کا ہاتھ ہے۔ لیکن فرمان یہ ہے کہ یہ ہاتھ اللہ کا ہے ان کے ہاتھوں پر۔ جس سے عبدہٗ کی نسبت خصوصیت

Marfat.com

کے ساتھ ثابت ہو رہی ہے۔ اور وہ اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ اعضاؤں سے پاک ہے، اور ایسا خیال کرنا شرک ظاہرہ ہے اور مطلق مکابرہ۔ مولیٰ کریم ایسے گمان سے محفوظ رکھیں۔ ہاں، یہ نسبت خاص ہے ذات باری تعالیٰ کی اپنے عبد کے ساتھ ــــ جس کی مختصر تشریح اوپر گزر چکی ہے۔

عِلمُ الانسان وعِلمُ الرَّحمٰن

یہ مسلمہ امر ہے کہ ہر علم کا اصل الاصول اور مرجع وہ ذات باری تعالیٰ ہے، اور ہر قسم کے علم کا حصول من اللہ ہی ہے۔ فرمان علیم حکیم ہے:

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ (۹۶: ۳تا۵۔ پ۳۰۔ ع۲۱)

پڑھ اور رب تیرا بہت کرم کرنے والا ہے جس نے علم دیا ساتھ قلم کے اعلم دیا انسان کو جو کچھ کہ نہیں جانتا تھا۔

کہا جاسکتا ہے کہ انسان کا علم رب العالمین کی طرف سے عطائی ہے اور مولیٰ کریم کا علم ذاتی۔ مولیٰ کریم کا علم کُل اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا[1] ۔ کی تعریف سے معروف ہے اور انسان کا علم جزوی اور محدود، اور یہ کسی حد تک درست ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ حصول من اللہ میں سے جو کچھ بھی انسان کو حاصل ہوا ہے وہ اس کے ضمیر میں ذاتیہ کا حکم رکھتا ہے۔ کیا اس علم اور حصول میں ذات معلیٰ اور انسان کی مساوات ہے یا نہیں؟ مثلاً کلام کی رُو سے قرآن المجید میں سے خالق موجودات اور رب العالمین نے کلام اور معانی کے

[1] بیشک اللہ تعالیٰ نے گھیر رکھا ہے ہر چیز کو علم سے۔

Marfat.com

لحاظ سے جس قدر علم انسان کو سمجھایا، بعد جاننے اور سمجھانے کے انسان اور رحمٰن کے علم میں کوئی فرق نہیں ہے ؟ لیکن یہ حقیقت کے خلاف، اصل معانی کے برعکس بلکہ ظاہر مکابرہ اور سراسر شرک ہے۔ اور یہ دو وجہ پہ ہے۔ ایک تو کسی حالت میں بھی پروردگار عالمیاں کے ساتھ کوئی مساوات رکھنا یا سمجھنا کسی غیر کے لیے روا نہیں ہے۔ بے مثل و بے مثال کے لیے مساوات و مماثلت کا ہونا ناممکن اور ممتنعات سے ہے۔ اور یہ اس لیے کہ اس رب العالمین کا علم ہر چیز کے ساتھ معیت کی رُو سے ہے، اور انسان خواہ ولی ہو خواہ نبی یا مرسل، اور کُل عُلُوم ظاہری و باطنی سے من اللہ عالم اور عارف بھی ہو، اسرار الٰہیہ میں پوری دسترس رکھتا ہو باوجود ان سب حقائق و معارف اور کمال انکشاف کے کسی چیز کا علم معیت کی رو سے روا نہیں ہو سکتا ہے۔ اور معیت کا ہونا انسان کے احاطہ سے باہر ہے اور ایسا گمان کرنا بھی جہالت اور ظاہرہ مکابرہ ہے۔ کیونکہ یہ اُس ایزد متعال ذوالجلال والاکرام ہی کی شان ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ	جانتا ہے جو کچھ کہ داخل ہوتا ہے بیچ زمین کے اور
مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا	جو کچھ کہ نکلتا ہے اس سے اور جو کچھ کہ اترتا ہے
يَعْرُجُ فِيهَا ۖ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا	آسمان سے اور جو کچھ چڑھتا ہے اس میں اور وہ
كُنْتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○	ساتھ تمہارے ہے جہاں ہو تم۔ اور اللہ ساتھ اس
(۵۷ : ۴ - پ ۲۷ - ع ۱۷)	چیز کے کہ کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے۔

سہ
ہیں تو نظروں میں میرے لا کن نظر آتے نہیں
مثل بُوئے گل ہیں پنہاں صاف دکھلاتے نہیں

گو یہ غیب ظاہر سے بڑھا ہوا ہے لیکن اس کا حکم ظاہر پہ محال ہے۔ تاہم دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ یعنی "تم جدھر بھی پھرو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا منہ ہے"

Marfat.com

اور معیت کی وجہ پر نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم اس کی طرف شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)، کا ارشاد اظہر من الشمس ہے اس لیے علم انسان اور علم رحمٰن میں مساوات کا اعتقاد رکھنا یا سمجھنا بلاشبہ شرک اور ظلم عظیم ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کا علم کسی جہل کے دفع ہونے اور حجاب کے رفع ہونے کے سوا نہیں ہے۔ اور مولیٰ کریم ان عیوب سے پاک ہیں۔ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ[1]۔ اور یہ اس لیے کہ انسان کا علم خارجی حصول سے ہے اور ذات پاک کا علم ذاتی۔ گو انسان کا علم بھی حصول کے بعد اس کی ذات میں ذاتیہ ہی کا حکم رکھتا ہے لیکن مولیٰ کریم کے ذاتی علم سے ہرگز کوئی نسبت نہیں ہو سکتی کیونکہ مطابق فرمان ایزد متعال ذوالجلال والاکرام اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا[2] کی تعریف اس عزیز الحکیم ہی کے لیے ہے جس میں غیر کو ہرگز دخل نہیں ہے۔

اور یہ احاطہ علم بالذات سے ہے۔ کیونکہ اگر احاطہ سوائے ذات کے سمجھا جائے تو احاطہ کی نسبت ذات سے برطرف ہو جاتی ہے اور یہ محال ہے ——— اور یہ احاطہ کسی غیر کی مانند نہیں ہے۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ[3] ہی کے مترادف ہے۔ گو مثالیں یہاں بیگانگی ہیں اور اس لم یزل ولایزال کے لیے کوئی مثال درست نہیں آسکتی تاہم فہمید کے لیے اس سے چارہ نہیں۔ اس کو یوں قیاس کرنا چاہیے کہ ہر چیز کا اصل روح ہے اور ظہور کے اسباب کے لیے جسد لازمی ہے۔ ہر جسد کی نشو و نما، بقا اور فنا روح کے تصرف

---

[1] پاک ہے اللہ ساتھ تعریف اپنی کے، اب بھی ہے جیسا کہ تھا۔

[2] بے شک اللہ تعالیٰ نے گھیر رکھا ہے ہر چیز کو اپنے علم سے۔

[3] وہ (اللہ تعالیٰ) ہی سب سے اول اور سب سے آخر ہے اور ظاہر بھی اور باطن بھی۔

Marfat.com

سے ہے اور رُوح کی آمد و رفت، نزول وعروج اس ربّ العالمین کے حکم کے سوا روا نہیں ہے
جب تمام مخلوقات عدم کی تاریکی میں پنہاں اور بے نام و نشاں تھی، اس عالم الغیب کی
ذاتِ معلّٰی میں متحقق تھی۔ ظہور کے لیے مرید ہونے کی صورت میں اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ
لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ[1] کا ارشاد ہوا۔ لَہٗ کی ضمیر متحقق بالذات ہونے کی دلیل ہے اور کُنْ امر کے
مترادف اور فَیَکُوْنُ ظہورِ عمل پر روشن ہے۔ تو اوّل بحکم خدا عالم امر کے میدان میں روحانیت
کا ظہور رہا۔ وہاں سے وجودِ عنصری کا ظہور میدان دنیا میں ہویدا ہوا۔

ان سب منازل و مدارج اور تغیر و تبدل میں اُس واجب الوجود کا علم یکساں ہے۔ خالق
کائنات، علّتِ ممکنات جس نے عدم سے ہر چیز کو ظہور کا لباس عطا فرمایا، اور اس کے معدوم
کر دینے پر قادر ہے۔ ہر چیز کے اصل اور فرع، ظاہر اور باطن، ہر حال اور تمام افعال میں اُس کا
علم ذاتی ہے۔ مخلوق میں سے کسی کے لیے ایسا علم تو درکنار اس قسم کا خیال کرنا بھی خطا ہے،
کیونکہ انسان کا علم خارجی صورت میں ماخوذ فی النفس کے سوا نہیں ہے۔ جس قدر اسفل
عالموں سے اعلیٰ کی طرف عُروج ہونے کی صورت میں حجابات کا کشف ہوتا ہے، اس سے
معلومات محسُوسات کے میدان میں نزول کرنے والے ہوتے ہیں۔ ہاں، عالمِ معرفات کے میدان
میں سے (جو محض فضل الٰہی سے وابستہ ہے) حصُول بشر کے لیے انتہائی درجہ ہے۔ اور اس سے
آگے یعنی عالم امر سے ورا محض ذاتِ قدس کا پرتو انسان کے لیے انسان کے ضمیر میں اس کے
اختیار سے باہر ہے۔ محض تصرّفِ حق اس کے محو کر دینے یا ثابت رکھنے پر قادر جس میں مطلق
اس کا اختیار نہیں رہتا۔ بالصحیح معنوں میں انسان اور اس کا اصل بالکل مفقود ہو جاتا ہے۔
ایسی حالت میں کسی فعل کا ظہور انسان کی طرف سے سمجھنا خطا ہوتا ہے۔

---

[1] جب ارادہ کرتا ہے کسی چیز کا تو کہتا ہے واسطے اس کے ہو جا تو ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

ان سب علوم کی رویت (جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے مثلاً علم تقدیر، علم قضا و قدر، علم غیب اور علم الانسان وعلم الرحمٰن میں فرق، جن کا ظاہر آیات بینات پر دال ہے) محض بطن انسانیہ پر منحصر ہے جس کو عالم برزخ کہنا ہی بجا و درست ہے۔ ہر علم اور اس کے ایقان کا اول مطابق یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ایمان بالغیب کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کا آخر رویت پر عیاں ہوتا ہے۔ اور اس کا حصول فی الدنیا انکشاف پر اور فی الآخرہ حقیقت پر۔ گو بعض اعلیٰ ہستیوں کی روشن ضمیری کے باعث یہ برزخ میدان دنیا ہی میں اُٹھ جاتا ہے تاہم انکشاف حقیقت کا انحصار میدان برزخ کے لیے کما حقہٗ متحقق ہے۔

ان تمام علوم کا حصول فی الدنیا اور عالم برزخ میں استمداد کی وجہ پر زندہ کو موتیٰ سے اور موتیٰ کو زندہ سے ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے ہر دو عالموں میں آپس کے تعلقات کی وجہ پر حصول کا اجرا اور مفاد اصح اور جائز ہے۔ دُنیوی تعلق کے انقطاع کے بعد حال کے تغیر و تبدل اور مفاد اعمال کے رو سے جس قدر انسان کے برزخ کا تعین اس کے ضمیر میں مؤثر ہوتا ہے۔ ہر نیک و بد، کفر ہو یا اسلام جو اس کے برزخ میں قرار پا چکا ہے، یا بصحیح معنوں میں جس رنگ میں رنگا جا چکا ہے، اس کی ترقی یوم القیٰمۃ تک ہوتی رہتی ہے، جس کی حقیقت اس دن کھل جائے گی۔

Marfat.com

باب چہارم

علقمہ عباسی

یوم القیامۃ

اب عالم برزخ کا زمانہ گزر چکا۔ بحکم خدا صور پھونکا گیا۔ جمیع انسان قبروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ احکم الحاکمین کے عدل کا ترازو قائم کیا گیا۔ ذرہ بھر نیکی اور برائی، خیر اور شر کا عمل ظاہر ہو گیا۔ تغیر حال جو اعمال کی وجہ سے مخفی تھا اس کی حقیقت عیاں ہو گئی۔ یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ[1] کا راز کھل گیا۔ اعمال نامہ کی کتاب ہر ایک کے گلے میں لٹکا دی گئی۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ[2] کا فرمان صادر ہو چکا۔ وجود انسان یعنی ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، بلکہ ہر ایک عضو جو کہ حیات دنیا میں اس کے حکم کا مسخر تھا، اس کے اشارے کا تابع تھا، برعکس ہو گیا

[1] جس دن کئی منہ سفید ہوں گے اور کئی منہ سیاہ [2] پڑھ اپنی کتاب

Marfat.com

یَوْمٌ عَسِیْرٌ[1] کی کیفیت نے انسانوں کو متوالا کر دیا۔ ہوش و حواس جاتے رہے۔ ایک کو دوسرے کی خبر تک نہ رہی۔ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[2] کا عمل ظاہر ہو چکا۔ تمام تعلقات منقطع ہو گئے کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ رہا۔ ماں بیٹے کو دیکھ کر بھاگ رہی ہے۔ نفسی نفسی کی صدائیں اٹھ رہی ہیں۔ عوام تو درکنار نبی اور مرسلین بھی سب کے سب نفسی نفسی ہی پکار رہے ہیں۔ ہاں صرف حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُمَّتِیْ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ کی دعا فرما رہے ہیں۔

دراصل ہر ایک شخص مطابق کُلُّ امْرِئٍ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ[3] اپنے حال میں بے اختیار مستغرق ہو گا۔ اہل دنیا دنیا کے حجاب ہیں، کافر کفر کے پردہ ہیں، منافق نفاق کے جال ہیں، علیٰ ہٰذا القیاس ہر ایک کا حجاب اس کے لیے بلائے جان ہو گا۔ کیونکہ یہ سب علائق باوجود منقطع ہونے کے تاثیر اور حجاب کے سوا کوئی اصل نہ رکھیں گے فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ[4] کے مطابق انسان پر حقیقت اشیاء منکشف ہو جائے گی۔ اصل مقصود کی طرف جانے کے لیے تڑپے گا۔ لیکن حجابات سدِ راہ ہو جائیں گے۔ کَمَا قَالَ اللہُ تَعَالیٰ

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ	ہرگز نہیں۔ یقیناً وہ اپنے پروردگار سے اس دن
لَّمَحْجُوْبُوْنَ ○ (۸۳: ۱۵۔ پ ۳۰۔ ع ۵)	البتہ حجاب میں ہوں گے۔

آج مولیٰ کریم یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ[5] اور لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ[6] و مثلہا ارشادات سے ان کی افسوسناک حالت بیان فرماتے ہیں کہ کاش! یہ جانتے۔ لیکن اس دن حق کو ظاہر کرنے کے لیے، حقیقت کے انکشاف کے لیے بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ کے مؤاخذہ کو عیاں کرنے کے

---

[1] سختی کا دن۔ [2] نہ اٹھانے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا۔

[3] ہر آدمی اپنی کمائی کے بدلے میں رہن ہے۔ [4] آج کے دن تیری آنکھیں لوہے کی سی ہیں۔

[5] افسوس ہے بندوں پر۔ [6] کاش کہ وہ جانتے ہوں۔

Marfat.com

واسطے بنی نوع انسان کو سجدہ کے لیے بُلایا جائے گا۔

کشفِ ساق

ارشادِ مولیٰ کریم ہے:

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ	جس دن کہ کھولا جائے گا پنڈلی سے اور بُلائے
اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝	جائیں گے طرف سجدے کی پس نہ کر سکیں گے۔
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ	نیچے ہوں گی آنکھیں ان کی۔ ڈھانکتی ہوگی
ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی	ان کو ذلّت اور تحقیق تھے بُلائے جاتے طرف
السُّجُوْدِ وَهُمْ سَالِمُوْنَ ۝	سجدے کے اور وہ سالم تھے۔

(۶۸: ۴۲ - پ ۲۹ - ع)

مفسّرین اس کی تفسیر میں مجبور رہی ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ انسانی علم کی وسعت عالم معروفات سے آگے پرواز نہیں کر سکتی۔ مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں:

"ایک گروہ نے نادانی سے بدوں سمجھے بُوجھے اس کام کی حقیقت کو گمراہی کے بھنور میں ڈالا یعنی تشبیہ ظاہری میں پڑ گئے اور ان حقیقتوں کو اعضاء اور جوارح پر قیاس کر کے حق تعالیٰ کی ذات پاک کی صورت اور شکل کے معتقد ہوئے، یعنی حق تعالیٰ کے جسم ہونے کے قائل ہوئے۔ تَعَالَی اللّٰهُ عَمَّا یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِیْرًا یعنی برتر ہے اللہ تعالیٰ اس چیز سے جو کہتے ہیں ظالم بہت بڑی اور برتری کر کے۔ اور ایک جماعت نے تنزیہ کے قاعدے کو ایسا گھم کے پکڑا کہ ان حقیقتوں کے ثابت کرنے کو

Marfat.com

اس قاعدے کے منافی سمجھ کے ایسی تاویل کی ہے جو مقصد سے بہت دور ہے۔ بلکہ نفی اور انکار کا حکم رکھتی ہے۔ تو گویا حقیقت میں ان حقائق کی دریافت اور سمجھ میں تشبیہ والوں کے شریک ہوئے۔ فرق ان دونوں میں اتنا ہوا کہ پہلے فرقے نے ثابت کیا ہے اور انہوں نے نفی کی ہے۔ تو ان کو بھی سوائے ان معنوں کے جو ان کے ظاہر لفظوں میں پائے جاتے ہیں، دوسرا مطلب کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ اور اہل سنت وجماعت کے محقق جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا مقصد کی حقیقت کو پہنچے اور کہا کہ ہر چیز کی ذات کو دریافت کرنے کے بعد اس کے اعضا کا حال معلوم ہوتا ہے۔"

آپ کا یہ فرمان بالکل اصح ہے کہ ایک گروہ کے نزدیک مولیٰ کریم کا بدووجہ یا آنکھ اور ساق وغیرہا یعنی کل اعضا جسم کی مثل سمجھنا کم فہمی بلکہ سراسر خطا ہے لیکن ایک گروہ نے اس کا بالکل انکار کیا ہے، اور یہ بھی خطا ہے۔ اور یہ بالکل بجا و درست ہے۔ کیونکہ ان کی مراد اس میں ذات اور حقائق کے برزخ میں کی ہے۔ اور اس کی توضیح ذات اور صفات میں عرف کے سوا نہیں ہے۔ کئی وجہ پر اوپر گزر چکا ہے کہ صفات بالذات محض تابع ذات ہیں اور صفات بالفعل تابع صفات بالذات۔ صفات بالفعل کا ظہور الی الخلق ہوا کرتا ہے اور صفات بالذات محض ذات سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اس جگہ اس کی تفصیل مقصود نہیں ہے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ کلام مجید کا اصولِ نزول ہمارے حال کی وجہ پر ہے اور شانِ نزول ہمارے اعمال کی وجہ پر۔ حال بمنزلہ اصول کے ہے اور اعمال بمنزلہ فرع کے۔ گو کئی ایک وجہ سے اعمال کا اثر تغیر حال کا موجب ہوا کرتا ہے لیکن اعمال کا مرید ہونا حال کے سوا نہیں ہوتا ہے۔ وہ ذاتِ پاک کسی اثر کی ماخذ نہیں اور نہ ہی یہ اس کی ذات پاک کے شایاں ہے لیکن انسان سوائے حال کے کماحقہ کسی فہمید کا حامل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے محض حقائق کو منکشف کرنے کے لیے استعارے

Marfat.com

کے طور پر اعضا کو ہمارے حال کے مطابق بیان میں لائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عطا و سخا کے لیے بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ[1] (پ ۔ ۶) فرمایا ہے۔ اور دید کو بصارت سے سماعت کو سمع سے اور مشاہدہ و لقا کو وَجْهُهٗ سے نسبت دی ہے۔ ورنہ ذات پاک کے لیے کسی عضو سے نسبت ظاہرہ نادانی اور جہالت ہے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا[2]۔ کسی صورت یا کسی وجہ پر اللہ جل وعلیٰ کے اعضا قیاس کرنا خواہ وہ مخلوق کے اعضا سے کوئی نسبت نہ رکھنے کا گمان ہی کیوں نہ ہو سراسر نادانی اور جہالت ہے ؎

جو کچھ کہ قیاس اور گماں وہم میں آئے

اس سے بھی ورا بلکہ ورا سے بھی ورا ہے

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ[3] کے مطابق آیات اللہ میں غور و تدبر کے سوا چارہ نہیں ہے۔ اور وہ یوں سمجھنا چاہیے کہ ہمارے نفوس میں سب طاقتیں روح ہی سے ہیں۔ اور قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ[4] کے مصداق تمام اعضا میں روح ہی کا تصرف ہے۔ آنکھ جو دیکھنے کا آلہ ہے اس میں بصارت کا کام دے رہی ہے' زبان میں بولنے کا، کان میں سننے کا، ہاتھ میں پکڑنے اور پاؤں میں چلنے کا۔ علیٰ ہٰذا القیاس ہر ایک سے اپنی شکل و صورت کے مطابق فعل عیاں ہے۔ اور ان سب میں تصرف روح ہی سے ہے۔ سوائے جوارح کے بگڑ جانے کی صورت میں یا منتقل ہو جانے کے بعد روحی طاقت جو بمنزلہ اصل کے ہے فرع سے جدا ہونے کی صورت میں اپنے کسی تصرف اور طاقت کے منافی ہونے کی مقتضی نہیں ہو سکتی۔ تو اب اس سے یہ فائدہ حاصل کرنا

---

[1] بلکہ اس کے دونوں ہاتھ فراخ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

[2] پاک ہے وہ اور بلند اس چیز سے کہ کہتے ہیں بہت بلند بہت بڑا

[3] اور بیچ جانوں اپنی کے کیا تم دیکھتے نہیں ؟ [4] کہہ ہر ایک اپنی شکل پر عمل کرتا ہے۔

Marfat.com

بعید از مقصود نہ ہوگا کہ وہ ذاتِ معلّٰی ان سب اسباب سے منزّہ اور مبرّا ہے۔ تو پھر اعضا کی مناسبت جو محض ہمارے حال کی وجہ پر بیان کی گئی ہے اس ذاتِ معلّٰی کی طرف کس طرح ہو سکتی ہے؟ اس لیے ساق اور اس سے پردہ کا اٹھایا جانا ہمارے ہی حال سے عبارت ہے۔ کیونکہ ید و عین اور وجہ ان سب کی نسبت مولیٰ کریم نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمائی ہے لیکن ساق کو اپنی ذات کی طرف نسبت نہیں دی۔ اس لیے اس کو مخلوق کی طرف جس میں بنی نوعِ انسان مختص ہیں نسبت ہونی چاہیے۔ اور سوائے اس کے نادانی ہے۔ جس طرح ہر اعضا کے بیان سے ہمارے حال کی وجہ پر بیان فرمایا ہے اسی طرح ساق بمنزلہ اسفل مخلوق سے نسبت کو ملحوظ رکھا ہے۔ چونکہ اس ذاتِ پاک کا کسی حجاب سے محجوب ہونا روا نہیں ہے۔ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ اس واجب الوجود کے لیے عیاں ہے یہ حجابات اور انکشافات مخلوق ہی کے لیے ہیں نہ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے۔ اور تمام مخلوق میں سے بنی نوعِ انسان اس محل میں اس لیے مخصوص ہیں کہ ہر قُرب اور بُعد کا مقام اسی کا حصّہ ہے۔ اس واسطے اس دن کافر، مومن، منافق، فاسق سب سے یکساں حجاب دُور کیے جائیں گے اور تجلّی باری تعالیٰ عیاں ہو جائے گی۔ حسبِ حال ہر ایک کی حالت مطابق فرمان:

یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝ (۸۶: ۹-۱۰ پ ۳۰)

جس دن آزمائی جائیں گی چھپی باتیں پس نہ ہوگی واسطے اس کے قوت اور نہ مدد دینے والا۔

ظاہر ہو جائے گی۔ ساجدین کے لیے راحت ہوگی اور منکرین جنہوں نے دنیا میں اعراض کر رکھا تھا اس نعمت سے محروم رہیں گے یعنی سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی پشتیں تختہ ہو جائیں گی۔ ہر ایک کو اسی حجاب میں جس میں وہ محجوب تھا چھوڑ دیا جائے گا تاکہ اس مشاہدہ اور لقائے الٰہی سے جو اس کو دکھایا جائے گا، حسرت کے میدان میں زیادہ عذاب کا موجب ہو، اور مطابق

Marfat.com

مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى - (پ ۱۵ - ۸) جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہے وہی آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔

ابدی اعمیت میں گرفتار ہو۔ مومن صاحب مشاہدہ محویت میں مستغرق اور شاد ہوں گے کما قال اللہ تعالیٰ:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۙ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۭ (پ ۲۹ - ۱۷ - سورہ قیامت) کتنے منہ اس دن تازے ہیں طرف پروردگار اپنے کی دیکھنے والے ہیں۔ اور کتنے منہ اس دن بُرے ہیں گمان کرتے ہیں یہ کہ کی جاوے گی ان سے کمر توڑنے والی یعنی معاملت۔

گو حالات از حد مختلف ہوں گے، اور یہ اختلاف ہر ایک کے حال کی رویت سے ہوگا تاہم ان آیات سے ظاہر ہے کہ محو دیدار ہشاش بشاش اور راحت سے مسرور ہوں گے اور دوسرے بَاسِرَةٌ کے مطابق اداس اور رنجور ہوں گے۔

مومن کو بقضائے تعالیٰ دنیا میں بھی لقاء اور مشاہدہ کے ساتھ حیات ابدی سے حصہ ہوتا ہے، اور عالم برزخ میں بھی اسی سے استغراق اور یوم القیامۃ میں خصوصیت کے ساتھ رحمتِ الٰہی اس کی یاوری کرے گی۔ اور برعکس اس کے کافر، مشرک، فاسق، منافق میدان دنیا میں اعمٰی اور عالم برزخ میں بھی ظلمات کے گڑھے میں مقید اور یوم القیامۃ میں حسرت کے دریا میں غرق اور عذاب ابدی میں گرفتار۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فی الدنیا والآخرہ مومن اور کافر کا حال کسی صورت میں مساوی نہیں ہو سکتا۔ لَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ (اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے) تو اس صورت حال کے مطابق مومن کے لیے خصوصًا اولیائے کرام کے لیے کوئی حجاب نہیں ہے چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرّہٗ فرماتے ہیں کہ "ہم کو اللہ تعالیٰ

Marfat.com

کے فضل سے دوام تجلی حاصل ہے۔" تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ[1] کفار کے لیے مخصوص ہے تاکہ انکشافِ حقائق ان کے لیے موجب عذاب ہو۔ اور وہ اس لیے کہ انسان کے لیے سوائے اس کے عذاب کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ کیونکہ مولیٰ کریم کا معاملہ انسان کے ساتھ محبت کا ہے، اور محبت میں حجاب اور فرقت سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے اور دیدار اور مشاہدہ اور قرب سے بڑھ کر کوئی راحت نہیں ہے۔ رُوح مِن امرِ ربی ہے یعنی امر الٰہی ہے جس سے مولیٰ کریم کو خاص تعلق ہے یعنی آمر کو امر سے ایسا تعلق اور اتحاد ہے جس کی تمیز محال ہے۔ اور یہ ایسا تعلق ہے جیسے مرکز کو دائرہ سے، اصل کو فرع سے، معنوں کو عبارت سے، روح کو وجود سے اور مرید کو ارادہ سے۔ انسان خواہ کافر ہو یا مومن، دشمن ہو یا دوست، مرحوم ہو یا مقہور، رب العالمین کا تعلق سب سے یکساں ہے ؎

یار نزدیک تر از من بہ من ست

ویں عجب تر کہ من از وے دورم

کوئی اس کے فضل و کرم سے مقرب ہے اور کوئی اس کے عدل و انصاف کے رو سے بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ[2] کی وجہ پر دور۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ کو روح اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ رحمۃ للعالمین کو محبوبیت سے مشرف فرمایا ہے۔ صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین۔ گویا ہر ایک کو جیسی نسبت ذات معلیٰ سے ہے ویسے ہی القاب سے نسبت دی ہے۔ جیسے فرمایا بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ[3]۔

جاننا چاہیے کہ یہ نسبت رحمی ہو یا غضبی، ہمارے حال کے رُو سے ہے۔ بُعد و قرب ہمارے

---

[1] کھولا جائے گا پنڈلی سے۔

[2] بسبب اس چیز کے کہ تھے کماتے۔

[3] دوری ہے واسطے قوم ظالموں کے۔

Marfat.com

اعمال سے ہے، اوران معنوں کی عبارت ہمارے حجابات کے حائل ہونے اور دور ہوکر حقائق کے منکشف ہونے کی روسے ہے، نہ کہ مولیٰ کریم کے حجاب اور کشف کی حقیقت، جو ذات پاک کے لیے مطلقاً روا نہیں ہے۔

اب اس سے یہ مفاد اور مقصود حاصل کرنا بعید از حقیقت نہ ہوگا کہ کُل کائنات ایک وجود کی مانند ہے جس میں انسان خاص ہے اور انبیائے کرام خاص الخاص۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا:

وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (پ۱۶۔ س۱۱) اور تاکہ پرورش پاؤ تم سامنے آنکھ میری کے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرمایا:

فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (پ۲۷۔ س۴) کہ بیشک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

جو مقربی اور محبوبی پہ دال ہیں۔ اور بعض کو دُوری اور محجُوبی سے نسبت دے رکھی ہے تو عزیز الحکیم نے وجود موجودات میں سے اسفل سافلین ہستیوں کو ساق سے تشبیہ دی ہے اس مالک الملک کا ارشاد مبارک لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ[1] ہمیں صورت اسی کے مترادف ہے۔ مطابق حدیث شریف کہ ساق موقف میں اور قدم دوزخ میں ہوگا۔ اور مالک حقیقی کا اس کے لیے فرمان ہوگا کہ کیا تو بھر گئی؟ کہے گی میرے رب، میں بھر چکی۔ مطابق فرمان ایزد متعال وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى[2] کہ کوئی صورت خواہ قدرت کی ساق ہی کیوں نہ ہو مذموم ہے۔ اور ایسا اعتقاد سراسر جہالت اور نادانی سے ہے، جو اُس ذات پاک کے لائق نہیں ہے۔

توجب یہ کشفِ ساق جس کی نسبت اسفل مخلوق کی طرف منسوب کی گئی ہے، ہو چکے گی تو جو

---

[1] اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ [2] اور واسطے اللہ کے ہے مثال بہت بلند۔

Marfat.com

...گوں نے دنیا میں رجوع الی اللہ نہ کیا اور نہ ہی حکم کے مطابق معبود حق کی عبادت اور سجدہ ...ر سکے، ان کی حالت نہایت ناگفتہ بہ ہوگی۔ دل میں رنج و قلق کی کوئی انتہا نہ ہوگی عبادت ...ور سجدہ کی حقیقت عیاں ہوجائے گی، اس رحمت و شفقت اور عنایات و انعامات سے جو ...سجدہ اور عبادت و فرماں برداری کی زحمت اور مشقت میں پنہاں تھی، آگاہی ہوجائے گی ...ب مارے ندامت کے سرنگوں ہونے کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ ہر ایک کے ہاتھ میں اس کا

نامۂ اعمال

...یا جائے گا۔ فرمانِ مولیٰ کریم ہے:

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ	پس جو کوئی دیا گیا عملنامہ اپنا بیچ داہنے ہاتھ اپنے
فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا کِتٰبِیَهْ ۚ اِنِّیْ	کے پس کہے گا لو پڑھو عملنامہ میرا۔ بیشک میں
ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ۚ فَهُوَ	جانتا تھا یہ کہ میں ملوں گا حساب اپنے سے پس وہ
فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ فِیْ جَنَّةٍ	زندگانی خوش میں ہے۔ بیچ بہشت بلند کے کہ
عَالِیَةٍ ۙ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ۝ کُلُوْا	میوے اس کے نزدیک ہیں۔ کھاؤ اور پیو سہتا،
وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی	بدلے اس کے جو کر چکے ہو تم بیچ دنوں گزرے
الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ۝ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ	ہوؤں کے۔ اور جو کوئی دیا گیا عمل نامہ اپنا بیچ
کِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ	بائیں ہاتھ اپنے کے، پس کہے گا اے کاش کہ میں
لَمْ اُوْتَ کِتٰبِیَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا	نہ دیا گیا ہوتا عملنامہ اپنا اور نہ جانتا میں کہ کیا
حِسَابِیَهْ ۝ یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝	ہے حساب میرا۔ اے کاش کہ یہ موت ہوتی تمام
مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ ۚ هَلَكَ	کرنے والی۔ نہ کفایت کیا مجھ سے مال میرے نے
عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۚ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ	جاتی رہی مجھ سے سلطنت میری۔ پکڑو اس کو پس

Marfat.com

ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ۝ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ	طوق پہناؤ اس کو، پھر دوزخ میں لے جاؤ اس کو
ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ۝	پھر بیچ زنجیر کے کہ پیمائش اس کی ستر ہاتھ ہے۔
إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ۝	پس داخل کرو اس کو تحقیق وہ تھا نہ ایمان لاتا ساتھ
وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝	اللہ کے جو بڑا ہے۔ اور نہ رغبت دلاتا تھا اوپر کھانے
فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ۝ وَ	فقیر کے پس نہیں واسطے اس کے آج اس جگہ کوئی
لَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ۝ لَّا يَأْكُلُهُ	دوست۔ اور نہ کھانا مگر دھوون دوزخیوں کے سے
إِلَّا الْخَاطِئُونَ ۝ (پ ۲۹ - ع ۵)	نہیں کھائیں گے اس کو مگر گنہ گار۔

سعیدوں کو دائیں ہاتھ میں اور بدبختوں کو بائیں ہاتھ میں۔ سعید خدا کے فضل سے خوش اور بدبخت موافق آیات اپنے حال میں مستغرق۔ اور ہر ایک کو حکم ہوگا کہ:

اِقْرَأْ كِتَابَكَ ۚ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ	پڑھ کتاب اپنی۔ کفایت ہے جان تیری آج اوپر
عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝ (پ ۱۵ - ع ۲)	تیرے حساب لینے والی۔

ہر اُمی اور اَن پڑھ بھی اپنے اعمال کا مطالعہ کرے گا۔ طوعاً او کرہاً و مجبوراً معائنہ کرنا ہی پڑے گا اور اس کے سوا کسی کو چارہ نہ ہوگا۔ کئی انواع واقسام پر حساب شروع ہو جائے گا۔ عدل و انصاف کا ترازو کھڑا کیا جائے گا۔ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ یعنی جس نے ذرہ بھر نیکی کمائی ہوگی وہ بھی پا لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی دیکھ لے گا۔

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ	اور عملوں کی کتاب کھول کر رکھی جاوے گی۔ تو تم
مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ	گنہ گاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے
يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ	اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے اے وائے

Marfat.com

صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اِلَّآ اَحْصٰہَا وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا o (۱۸ : ۴۹. پ۱۵ - ۱۸)

یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو۔ کوئی بات بھی نہیں مگر اس میں لکھ رکھا ہے اور جو عمل کیے گئے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

صرف لکھا ہوا نہیں ہوگا بلکہ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا کے مطابق مکان و زمان اور فعل و حرکات کا نقشہ کھنچا ہوا ہوگا۔

دوسری وجہ حساب جوارح کے ساتھ ہوگی:

حَتّٰٓی اِذَا مَا جَآءُوْہَا شَہِدَ عَلَیْہِمْ سَمْعُہُمْ وَاَبْصَارُہُمْ وَجُلُوْدُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ o (پ۲۴ - ۱۸)

یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو ان کے کان اور آنکھیں اور چمڑے ان کے برخلاف ان کے تمام اعمال کی شہادت دیں گے۔

تیسری وجہ نیت کے خلوص پر ہوگی۔ جس سے نہ تو کراماً کاتبین کو خبر ہوگی، نہ کسی انسان کو اور نہ جن کو۔ اس سے علم اس علیمٌ بذاتِ الصدور ہی کو ہوگا۔ اور ان معنوں کی عبارت دل کے ثواب اور گناہ کے رو سے ہوگی۔ گناہ ہو یا ثواب، نیکی ہو یا برائی، ریا ہو یا اخلاص، نفاق ہو یا ایمان، کفر ہو یا اسلام، اس کا حساب عنداللہ ہی ہوگا۔ مصداق ؎

میان عاشق و معشوق رمزیست

کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

بعض انسان اس حساب و کتاب سے مبرا ہی ہوں گے۔ اور وہ اس لیے کہ ایسے شخصوں کی سعی (جو دو نوع پر منقسم ہے، باطناً ہمت کی رو سے اور ظاہراً اطاعت کی وجہ پر) مطابق فرمان ایزد متعال اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (جن لوگوں کی تمام تر سعی حصول دنیا میں گم ہوگئی) سب کی سب

Marfat.com

اسی کے حصول پر خرچ ہو گئی، اور وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا[1] کی سخت ترین خطا کی وجہ سے خوش رب، اور نشانات بینات کی طرف سے منکر اور لقائے الٰہی سے غافل رہے۔ اس لیے بوجہ یکسوئی فی الحیٰوۃ الدنیا کے فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا[2] کے مطابق حساب سے مبرا رہے۔

ایسے ہی جن اشخاص کی سعی ہمہ تن آخرت یا رضائے مولیٰ کریم کی طرف مصروف رہی، ان کے لیے بھی وزن قائم نہ ہوگا۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خطاب فرمایا کہ "مجھ سے میرے پروردگار نے وعدہ فرمایا کہ تیری اُمت سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل کروں گا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رب کریم، اور بڑھا دیجیے۔ فرمایا کہ ستر دفعہ ستر ہزار۔ عرض کیا کہ اور، فرمایا کہ ستر ہزار مرتبہ ستر ہزار" یعنی چار ارب نوّے کروڑ۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا الَّذِيْنَ لَا يَتَدَاوُوْنَ وَلَا يَتَدَاعُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (یعنی جو لوگ تنگی اور بیماری کے وقت نہ دوا کرتے ہیں نہ دعا بلکہ صرف اپنے رب پر توکل کرتے ہیں)۔ اور بھی کئی قسم کے لوگ آپ نے بیان فرمائے جو سب صاحبِ تسلیم و رضا ہیں۔ مثلاً شاکرین، صابرین، ذاکرین، خاشعین اور خائفین وغیرہم۔

اس زمانۂ حساب میں کوئی کسی کی یاوری نہ کرے گا اور نہ ہی کوئی کسی کا بوجھ اُٹھا سکے گا۔ بمصداق لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى[3]۔ اور:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۝ وَاُمِّهٖ — اس دن بھاگے گا آدمی بھائی اپنے سے اور ماں اپنی

---

[1] اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔

[2] پس نہ قائم کریں گے ہم واسطے ان کے دن قیامت کے تول۔

[3] نہ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا۔

Marfat.com

وَاَبِيْهِ ۝ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ۝ (پ ۳۰ ۔ سورۂ ۸۰: ۳۴ تا ۳۶) سے اور باپ اپنے سے اور جورو اپنی سے اور بیٹوں اپنے سے۔

اور نہ ہی کوئی کسی کی سفارش کر سکے گا۔ اور وہ اس لیے کہ یہ میدان عدل وانصاف ہر ایک شخص کے حال کے موافق موازنہ کرنے والا ہوگا۔ اور یہ روا نہیں ہے کہ ایک کے گناہ دوسرا شخص اُٹھائے۔ اور یہ محال ہے۔ کیونکہ یہ بوجھ کسی مادّی چیز کے بوجھ کی مانند نہیں ہے جو ایک کے سر سے دوسرا کچھ حصّہ لے کر ہلکا کر دے۔ یہ اس عزیز الحکیم کی حکمت کے اندازہ پر بوجھ کی کیفیت ہے۔ بعض اس قدر دبے پڑے ہوں گے کہ پہاڑ کے نیچے پس جانے سے بھی زیادہ سخت حال رکھنے والے ہوں گے۔ لیکن یہ بار مثل حجر کے ہرگز نہیں ہوگا بلکہ گناہ کا دباؤ حجاب کی صورت میں دل پر اور اس کے اثرات بدن پر ہوں گے۔

ہاں جن لوگوں کے اعمال نیک وبد خلط ہوں گے اور مومن بھی ہوں گے ان کے اعمال مثل ترازو کے موازنہ کیے جائیں گے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝ (پ ۸ ۔ سورۂ ۷: ۸ ۔ ۹)

اور تولنا اس دن حق ہے۔ پس جو شخص کہ بھاری ہوئی تول اس کی پس یہ لوگ وہی ہیں فلاح پانے والے اور جو کوئی کہ ہلکی ہوئی تول اس کی پس یہ لوگ ہیں جنھوں نے خسارہ دیا جانوں اپنی کو بسبب اس کے کہ تھے ساتھ نشانیوں ہماری کے ظلم کرتے۔

جن کے اعمال صالح وزن میں بھاری ہوں گے وہ من مانی عیش میں ہوں گے اور جن کے ہلکے ہوں گے وہ مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔

جب حساب کا کام تمام ہو جائے گا تو حسب تعلق تمام لوگ گروہ گروہ ہو جائیں گے۔

Marfat.com

جس جس کے ساتھ دنیا میں مطابقت اور مناسبت رکھتے ہوں گے، کشاں کشاں خود بخود جمع ہو جائیں گے۔ ان میں کا ہر ایک سردار مثل پیشوا و امام ہوگا:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۚ (پ ۱۵ - ۸) جس دن بلائیں گے ہم ہر ایک انسان کو اس کے پیشوا کے ساتھ۔

فرعون اپنی آل یعنی اپنے متبعین کا رہنما ہوگا، نمرود اپنے لشکر کا سردار ہوگا، اور ابولہب اپنے ہم خیالوں کا پیشوا۔ علیٰ ھذا القیاس تمام انبیاء اور رسول اپنی اپنی امت کے رہنما ہوں گے، اور سب مرسلین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبع ہوں گے، اور آپ

لِوَاءُ الْحَمْدِ

کو تھامے تمام انبیاء و مرسلین کے لیے سردار ہوں گے۔ ہر ایک نبی اور رسول اپنے اپنے مدارج و مقامات سے مزین ہونے کے باوجود سیّد المرسلین، رحمۃ للعالمین، آخر آمد بود فخر الاولین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت محمدی یعنی محبوبیت کی طرف آرزو و التجا کرنے والے ہوں گے اور مثل ستاروں کے ماہتاب کے ظل میں محبوب محض کے نور کے سایہ میں محو ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کُل انبیاء نفسی نفسی کہیں گے، اور چونکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبودیت کے مقام میں محبوبیت کے لباس سے مزین ہوں گے، جس سے بڑھ کر کوئی مدارج نہیں ہے، اس لیے انتہائی باب اور حصول کے بعد آپ سے اُمتی اُمتی کی صدا ہی ظہور پذیر ہوگی۔

اوپر گزر چکا ہے کہ ہر ایک رسل کو مولیٰ کریم نے کسی نہ کسی صفت سے خاص کیا ہے اور جو کچھ من اللہ ان کو خاصہ عطا ہوا اسی نسبت سے معروف ہوئے۔ مثلاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت

Marfat.com

موسیٰ کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہم السلام۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرمایا ہے:

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ	اے نبی! بیشک بھیجا ہے ہم نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری
مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ	دینے والا اور ڈرانے والا اور بلانے والا طرف اللہ
وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝ (پ۲۲۔ ع۳)	کی ساتھ حکم اس کے کے اور سورج روشن کرنے والا۔

اور ساتھ ہی مومنین کو بشارت دینے کے لیے اور منکرین کو مطلع کرنے کے لیے سوءِ اعتقادی کو حق کے دریا میں غرق کرنے کے واسطے کیا ہی صاف اور بین فیصلہ فرما دیا ہے:

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ	اور خوشخبری دو ایمان والوں کو کہ یقیناً یہ ان کے لیے
اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا ۝ (پ۲۲۔ ع۳)	اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔

دونوں آیات مقدسہ کے درمیان اور کوئی آیت نہیں جس سے بے تعلق مضمون اور معانی کا احتمال ہو سکے۔ بلکہ دونوں آیات کا ایک دوسری سے الحاق ہے جن کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے حبیب! ان صفات سے جو میں نے تجھے مزین فرما کر مرسل کیا ہے یہ مومنوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا فضل ہے۔ اور:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا	وہی ذات پاک ہے جس نے بھیجا بیچ ان پڑھوں
مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ	کے پیغمبر ان ہی میں سے۔ پڑھتا ہے اوپر ان کے
وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۝	آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے
(پ۲۸۔ ع۱۱۔ سورہ جمعہ)	ان کو کتاب اور حکمت۔

کا نزول اسی کے مترادف ہے۔ اس لیے یہ صفات محض اس رحمۃ للعالمین کا صرف خاصہ ہی نہیں بلکہ ان خصوصیات کا مفاد او رمِنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا مومنین کے لیے بھی ہے تاکہ

Marfat.com

اس نسبت سے جو رب العالمین نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی ہے، فائدہ حاصل کریں۔ نعمتِ عظمیٰ سے اور بے بہا دولت سے مالا مال ہوں۔

اے عزیز! جاننا چاہیے کہ ہر ایک انسان کا حال فی الدنیا ہی آخرت میں مکاشف ہوگا اور ہر ایک مناسبت کی وجہ سے بلا اختیار اپنی نسبت سے منسوب ہوگا۔ تو آج میدان دنیا میں جونسی نسبت سے اعتقاد رکھنے والا ہوگا، اسی سے فیوض اور تعلق اور حصول کے اجرا کی اُمید ہوگی کیونکہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی وجہ پر قاعدہ کلیہ ہے کہ جس چیز سے اعتقاد نہ ہو اس سے حصول محال ہے ــــــ تو حقیقت منکشف ہونے کے بعد مطابق:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ	اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا ظالم اپنے دونوں
يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝	ہاتھوں اپنے کیے گا اے کاش کہ پکڑتا میں ساتھ
يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِي لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝	رسول کے راہ۔ اے وائے ہے مجھ کو کاش کہ نہ پکڑتا
لَقَدْ اَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ	میں فلانے کو دوست البتہ بیشک گمراہ کیا مجھ کو
جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ	ذکر سے پیچھے اس کے کہ آیا میرے پاس۔ اور ہے
خَذُوْلًا ۝ (پ ۱۹ - س ۱)	شیطان آدمی کو ہلاکی میں سونپنے والا۔

ظالم اُس دن اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کہ کاش میں (مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ یعنی) معیتِ حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم نہ رہتا۔

اسی معیت کے معنوں کو پائے ہوئے، اسی نسبت محمدی سے دل کو سجائے ہوئے اور اصل توحید یعنی توحید رسالت کے میدان میں پوری استقامت سے قدموں کو جمائے ہوئے حضرت شیخ احمد سرہندی عرف حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ اپنے مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ:

Marfat.com

"من آں خدائے را پرستادم کہ ربِّ محمد است"

کیا ہی پُر معانی کلمات ہیں جن کی مراد ربوبیت کی صفت میں سے مخصوص ہے۔ وہ لم یزل و لایزال بے مثل و بے مثال کل موجودات کا مالک اور تمام عالمین کا رب ہے، ربّ العالمین کی صفت اسی کے لیے ہے۔ کل موجودات بشری، روحانی، ملکی، وجودی، بلکہ حیوانات، نباتات و جمادات اور تمام درند، چرند، پرند کا رب، باقی صفات کی رو سے کافر، مسلم، مشرک، مومن منافق، فاسق، سب کا پروردگار ہے یعنی ربوبیت کا تعلق کل مخلوقات سے یکساں ہے۔ لیکن اوصاف بالکل مختلف ہیں۔ ہر ایک کو جس صفت پر تخلیق کیا ہے اس سے وہی فعل صادر ہوتا ہے۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (کہہ ہر کوئی اپنی شکل پر عمل کرتا ہے) کے مطابق ہر ایک اپنی سرشت پر عمل کرتا ہے لیکن انسان تمام مخلوق میں سے خاص ہے، اشرف المخلوقات ہے، تمام صفات کا جامع ہے۔ اس کی صفات کا تغیر و تبدّل گو کسی حد تک بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

لہ یاد رہے کہ قرآن حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کے مقابلہ کے قصہ میں اسی نسبتِ رسالت کا اظہار کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب جادوگروں نے مقابلہ میں دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پھینکا ہوا عصا واقعی اژدہا بن کر ہمارے خیالی سانپوں کو بیچ کھا گیا ہے تو حق ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے فرعون کے وعدۂ تقرب کو بالائے طاق رکھ کر اور تمام نفسانی ہوا و ہوس سے پاک ہو کر برملا کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، اور سجدہ میں گر گئے۔ یہ حق گوئی اور حق جوئی درگاہِ رب العزت میں اس قدر مقبول ہوئی کہ فوراً اسی میدان میں انہیں نسبتِ رسالت کی طرف ہدایت دی اور انہوں نے کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى یعنی ہم ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے رب پر ایمان لائے پھر جب فرعون نے صلیب پر چڑھانے کی دھمکی اور انہوں نے اسے بھی خندہ پیشانی سے قبول کیا اور ایمان و رشد معیتِ رسالت کے مقابلے میں اس حیات الدنیا کو ہیچ جانا تو کہا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ (تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرلے۔ تو جو کچھ کریگا اسی دنیا میں کریگا) بس دنیا سے قدم اٹھ گئے اور منتہی ہو گئے تو فرمایا

اٰمَنَّا بِرَبِّنَا الاٰیۃ یعنی ہم اپنے رب پر ایمان لائے ۱۲

Marfat.com

(بسبب اس چیز کے کہ کماتے تھے) کے اسباب سے وابستہ ہے۔ لیکن نعمت عظمت اور ہدایت محض فضل الٰہی پر منحصر ہے۔ انبیائے کرام کا معاملہ عوام کے حال سے وراء ہے۔ اور سید المرسلین تمام انبیائے کرام میں سے مختص ہیں اور نص اس پر شاہد ہے۔ اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ رسالت کسب سے نہ کبھی حاصل ہوئی اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔ یہ محض فضل الٰہی ہے جس کے دو رُخ ہیں۔ ایک تو خود مرسلین کی ذات کی طرف كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (آپ پر آپ کے رب کا بہت بڑا فضل ہے) کی وجہ پر، اور دوسرا مخلوق کی طرف رسالت کے توسل اور انعام ہدایت من اللہ کی رُو سے۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ بشارت ہے ایمان لانے والوں کے لیے فی الدنیا ہدایت کے رُو سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا فضل ہے حصولِ آخرت کی وجہ پر۔ دنیا عمل کا میدان ہے اور آخرت اجر کا۔ تو جس کسی نے فی الدنیا جس نسبت سے تعلق پیدا کیا ہوگا، وہ آخرت میں اسی کے ساتھ ہوگا اور اس کی معیت اسی سے ملحق ہوگی۔ تو مطابق آیات بینات جن کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھتا ہوگا، وہ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا کی دولت سے مالا مال ہوں گے۔

ان صفات سے جن کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، میدان دنیا میں نسبت رکھنے والے میدان قیامت میں لواء الحمد کے نیچے سایۂ رسالت سے معمور ہوں گے، اور باوجود مسلمان ہونے کے آج جن کا اعتقاد ان آیات پر حصول کے رُو سے نہیں ہے، اور اس فیض و برکت کو اثبات توحید کے منافی سمجھتے ہیں مطلق بے نصیب اور محروم ہوں گے۔ رب کریم نے صاف طور پر توضیح فرما دی ہے کہ میرے حبیب! ان اوصاف سے متصف کرکے تیرا مرسل کرنا مومنین کے لیے بشارت اور میری طرف سے بڑا فضل ہے۔ تاکہ وہ حصول توحید اور محبت نسبت رسالت سے حاصل کریں اور

۱؎ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ راہ و رسم (رابطہ و تعلق)

Marfat.com

قیامت کو نعمتِ عظمیٰ سے مسرور ہوں اور منکر حسرت کے میدان میں ذلیل وخوار ہوں۔

اے بھائی! مومنین تو:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ	اور جو کوئی فرماں برداری کرے اللہ کی اور رسول کی
مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ	پس یہ لوگ ساتھ ان لوگوں کے ہیں کہ انعام کیا ہے
النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ	اللہ نے اوپر ان کے پیغمبروں سے اور صدیقوں سے
وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ	اور شہیدوں سے اور صالحوں سے اور اچھے ہیں
رَفِيْقًا ۝ (پ۵۔ ع۶)	یہ لوگ رفیق۔

کے مطابق نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صٰلحین کے ہمراہ ہی ہوں گے۔ اور جن کے اعتقاد تو درست ہوں گے، لیکن اعمال میں باوجود ایمان کے کوتاہی کے باعث گنہ گار اور فاسق ہوں گے ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باذن اللہ شفیع ہوں گے، اور بفضلہ تعالیٰ ان حجابات سے جن کی وجہ سے وہ نورِ رسالت اور دیدارِ الٰہی سے محجوب ہوں گے خلاصی پا جائیں گے لیکن جن کو آج سوءِ اعتقادی کی ظلمات نے ڈھانپ رکھا ہے اور وہ اس تعلیم سے جس کو خداوندِ کریم نے عینِ ہدایت کا سبب بنایا ہے، اور اس آفتابِ رسالت سے جس سے نشو ونما اور روئیدگیِ ایمان کو مستلزم کیا ہے منکر ہو رہے ہیں، اور ان فیوض کو شرک خیال کرتے ہیں شیطان نے ان کو دھوکا دیا ہے اور اپنی زعمی توحید کے دریا میں ایسے غرق ہوئے ہیں کہ اس سے سر نکالنا دشوار ہو گیا ہے۔ اور اصل توحید یعنی توحیدِ رسالت سے جو نورِ محمدی سے مزین ہے فیض یاب ہونا ناممکن ہو چکا ہے۔ دراصل ایسے شخص اقرار کے رنگ میں انکار کرنے والے ہیں جو ہرگز ہدایت نہیں پا سکتے۔ کیونکہ وہ کلامِ الٰہی سے منکر ہو رہے ہیں اور وہ اس لیے کہ اگر وہ اس بات پر یقین کریں کہ یہ مومنین کو فضلِ کبیر کی بشارت اور صاف

Marfat.com

رحمۃ للعالمین مومنوں کے لیے اجرائے ہدایت اور سبیل کے رُو سے ہے، تو اُن کو حیات النبی اور آپ کا ہر مومن سے علم اور قرب کا یقین کرنا پڑتا ہے اور ان کے نزدیک یہ شرک اور کفر ہے لیکن اس کا انکار بھی کفر سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی ناسخ ان آیات بینات کا نہیں ہے اور نہ ہی کوئی زمانہ اس کے تصرف کے منافی ہونے کا مقتضی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت سے قیامت تک مومنین کے لیے اس کا حکم جاری ہے، ہر زمانہ ماضی اور حال میں جاری رہا اور تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ یہ سنت اور مشیت ایزدی ہے جس کو کوئی اسباب منقطع کرنے والا نہیں ہے۔

جس طرح آج مطابقت اور مناسبت کی وجہ سے بنی نوع انسان گروہ گروہ ہو رہے ہیں قیامت کے میدان میں بھی اسی کے مطابق، موافق نسبت و حال گروہ گروہ ہو جائیں گے۔ فاسقوں کا گروہ الگ ہوگا، منافقین کا الگ، کفار الگ اور مومن الگ ہو جائیں گے۔ ہر ایک پر حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔ مطابق فرمان فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ[1] سے ہر ایک دانا و بینا ہو جائے گا۔ فاسق دنیا میں لوٹنے کی آرزو کرے گا:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا	اور کاش کہ دیکھے تو جس وقت گنہ گار نیچے ڈالے ہوں گے
رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا	سر اپنے نزدیک رب اپنے کے (کہیں گے) اے رب
وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا	ہمارے، دیکھا ہم نے اور سنا ہم نے پس پھیر ہم کو کہ
مُوْقِنُوْنَ ۝ (۳۲:۱۲۔ پ ۲۱۔ س ۱۵)	عمل کریں اچھے تحقیق ہم یقین لانے والے ہیں۔

منافق اپنی عادت کے موافق قسمیں اُٹھائے گا اور خیال کرے گا کہ شاید اسی طرح جس طرح دنیا میں کاربرآری کر لیا کرتا تھا آج بھی کام لے نکلے گا مگر بے سود۔ کیونکہ حقیقت ظاہر ہونے کے بعد

[1] آج تیری آنکھیں بڑی تیز ہیں۔

Marfat.com

جھوٹ اور فریب کام نہیں دیتا۔ آخر جب اہل ایمان کو اپنے مقام پر پہنچنے کے لیے

صراط

پر سے گزرنے کا حکم ملے گا تو اس پُر خطر اور پُر ظلمات راستہ کو طے کرنے کے لیے حسب مدارج اور موافق حال ان کا نور ایمانی مشعل راہ ہوگا۔ منافق یہاں بھی اپنے حال کے موافق وہی سعی کریگا اور دنیا میں کی اپنی عادت کی طرح مومنین سے سوال کرے گا کہ کیا میں تمہارے ساتھ نہ تھا؟ کما قال اللہ تعالیٰ:

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ	اس دن کہ کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں
لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ	واسطے ان لوگوں کے کہ ایمان لائے ہیں انتظار کرو
نُّوْرِكُمْ ۚ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ	ہمارا ہم بھی روشنی لیں نور تمہارے سے۔ کہا جائیگا
فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَیْنَهُمْ	پھر جاؤ پیچھے اپنے پس ڈھونڈلاؤ نور پس مارا جائیگا
بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِیْهِ	درمیان ان کے کوٹ واسطے اس کے دروازہ ہے
الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ	اندر کی طرف جو ہے بیچ اس کے رحمت ہے اور
الْعَذَابُ ؕ یُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ	باہر کی طرف جو ہے اس کی اس طرف سے ہے عذاب
مَّعَكُمْ ؕ (پ ۲۷۔ ۱۷/۱۶)	پکاریں گے ان کو کیا نہ تھے ہم ساتھ تمہارے

جواب میں مومن مطلع کرے گا:

قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ	کہیں گے ہاں تھے تم، ولیکن فتنے میں ڈالا تھا تم نے
وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ	جانوں اپنی کو اور منتظر تھے تم یعنی واسطے برائی کے ہمارے
الْاَمَانِیُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ	اور شک میں تھے تم اور فریب دیا تھا تم کو آرزوؤں

Marfat.com

بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ ہ (پ ۲۷ - ۱۸)
(۵۷ : ۱۳ - ۱۴)

نے یہاں تک کہ آیا حکم خدا کا اور فریب میں دیا تھا تم کو ساتھ اللہ کے فریب دینے والے۔

متعدد صحیح حدیثوں میں صراحت ہے کہ یہ صراط میدانِ حشر اور جنت کے درمیان دوزخ پر کھینچی جائے گی جو بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے۔ دس ہزار سال کی مسافت چڑھائی، دس ہزار سال کی راہ ہموار اور اُترنے کے لیے بھی دس ہزار سال کی مدت درکار ہے۔ یاد رہے کہ یوم القیامۃ کی کُل مُدت پچاس ہزار سال کے مقدار ہے، جیسا کہ فرمایا ہے:

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (پ ۲۹ - ۷)

چڑھیں گے فرشتے اور روح طرف اس کی بیچ اس دن کے کہ ہے مقدار اس کی برابر پچاس ہزار سال کے۔

لیکن جیسے کہ حسب مدارج بعض پر یہ دن آسانی اور قلیل مدت میں گزر جائے گا۔ حتیٰ کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ بعض کو اتنا ہی عرصہ معلوم ہو گا جتنا کہ دو نمازوں کے درمیان وقفہ ہوتا ہے۔ اسی طرح گو اس پُل صراط سے گزرنا ہر انسان کا ضروری اور ناگزیر ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۔ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۔ سورۂ مریم (پ ۱۶ - ۸)

اور نہیں کوئی تم میں سے مگر گزرنے والا ہے اوپر اس کے سے۔ ہے اوپر پروردگار تیرے کے لازم فیصلہ کیا گیا۔ پھر نجات دیں گے ہم ان کو جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور چھوڑیں گے ہم ظالموں کو بیچ اس کے گرے ہوئے۔

لیکن گزرنے والے حسب مدارج گزریں گے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بعض تو اس پر سے بجلی کی سی تیزی سے گزر جائیں گے۔ بعض ہوا کی طرح اور بعض سرپٹ گھوڑے کی طرح۔ پھر

Marfat.com

شتر سوار کی مانند، پھر دوڑتے آدمی کی طرح، پھر پیدل چلنے کی طرح، بعض آہستگی سے اور بعض لڑکھڑاتے اور ڈگمگاتے۔ اسی طرح حسب حال با وجود بال سے باریک ہونے کے مومنین کے لیے یہ صراط حسب مراتب و مدارج وسعت رکھے گی، تا آنکہ حدِ نگاہ تک فراخ ہوگی اور بجلی کی سی تیزی یا ہوا کی طرح گذرنے والے منزل مقصود پر پہنچ کر تعجب کریں گے کہ نہ صراط دیکھی نہ دوزخ، تو جواب ملے گا کہ تمہارے گزرتے وقت صراط کو وسیع اور دوزخ کو سرد کر دیا گیا۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی قدس سرہ نے فتوح الغیب میں ایک حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ دوزخ مومن کو گزرتے وقت کہے گی کہ "اے مومن، جلدی سے گزر جا کہ تیرے نور نے میرے شعلے کو سرد کر دیا"

علیٰ ہٰذا القیاس نور بھی حسب مدارج و حسب مراتب ہی مرتب ہو کر ظہور میں آئیگا چنانچہ حدیث شریف میں اس کی تفصیل موجود ہے کہ بعض مومنوں کا نور اس قدر روشن ہوگا کہ مدینہ طیبہ سے عدن تک کی مسافت کو روشن اور منور کر دے گا۔ بعض کا اس سے کم، بعض کا کھجور کے درخت کے برابر اور بعض کا اپنے قد کے مطابق۔ بعض کا صرف اتنا کہ قدموں کی جگہ کو روشن کرے گا۔ یہاں تک کہ انگوٹھے کے ناخن پر ہوگا جو جگنو کی طرح کبھی چمکے گا اور کبھی بجھ جائیگا۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سَمِّنُوْا ضَحَایَاکُمْ فَاِنَّھَا عَلَی الصِّرَاطِ مَطَایَاکُمْ۔ یعنی خوب موٹی تازی قربانیاں کیا کرو کیونکہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہوں گی۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صراط دراصل صراط المستقیم پر چلنے کی مثالی صورت ہے یعنی میدانِ دنیا میں انسان احکام شریعت اور صراط المستقیم پر جس قدر ثابت قدمی

Marfat.com

اور پامردی سے گامزن ہوگا اسی قدر یہ صراط اس کے لیے آسان ہوگی۔ اور جس قدر نسبتِ محمدی سے نور حاصل کرے گا اسی قدر وہ فی الدنیا و فی الآخرہ ہر میدان میں اس کے لیے مشعلِ راہ ہوگی۔ جیساکہ فرمایا:

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا	کیا جو شخص کہ تھا مُردہ پس جلایا ہم نے اس کو اور کیا
لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ	ہم نے واسطے اس کے نور چلتا ہے ساتھ اس کے
مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ	بیچ لوگوں کے مانند اس شخص کے کہ صفت اس کی
مِّنْهَا ۝ (پ-۸)	یہ ہے کہ بیچ اندھیروں کے نہیں نکلنے والا اس سے۔

اسی نور کا بہ ظہورِ تام ہے اور یہی ظلمت کفر و نفاق جو اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئی۔ آخر دونوں کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی جس کے اندر کی طرف اہلِ ایمان اور باہر کی جانب منافق مطابق نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا[1] جہنم کی تہ میں پہنچ جائیں گے۔ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ[2]

دوزخ اور جنّت

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ	اور ہانکے جائیں گے وہ لوگ کہ کافر ہوئے تھے طرف
زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ	دوزخ کی گروہ گروہ۔ یہاں تک کہ جب آئیں گے
اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ	اس کے پاس کھولے جائیں گے دروازے اس کے اور

[1] چھوڑیں گے ہم ظالموں کو بیچ اس کے گرے ہوئے۔

[2] اے رب ہمارے نہ کر ہمیں ساتھ قوم ظالموں کے اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے

یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ	کہیں گے واسطے ان کے چوکیدار اس کے کیا نہ آئے تھے
اٰیٰتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ	تمہارے پاس پیغمبر تم ہیں سے پڑھتے تھے اوپر تمہارے
یَوْمِکُمْ ھٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنْ	نشانیاں پروردگار تمہارے کی اور ڈراتے تھے تم کو
حَقَّتْ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۝	ملاقات اس دن تمہارے کی سے کہیں گے نہیں، بلکہ
قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ	آئے تھے۔ ولیکن ثابت ہوئی بات عذاب کی اوپر
فِیْھَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ۝	کافروں کے۔ کہا جائے گا داخل ہو دروازوں میں
وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ اِلَی	دوزخ کے ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے پس بری ہے
الْجَنَّۃِ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْھَا	جگہ تکبر کرنے والوں کی۔ اور ہانکے جائیں گے وہ لوگ کہ
وَفُتِحَتْ اَبْوَابُھَا وَقَالَ لَھُمْ	ڈرتے تھے رب اپنے سے طرف بہشت کی گروہ گروہ
خَزَنَتُھَا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ	یہاں تک کہ جب آئیں گے اس کے پاس اور کھولے
فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ ۝ (۳۹: ۷۱	جائیں گے دروازے اس کے اور کہیں گے واسطے
تا ۷۳۔ پ ۲۴۔ ع ۵)	ان کے چوکیدار اس کے سلامتی ہو تم پر، خوشحال

ہوئے تم۔ پس داخل ہو اس میں ہمیشہ رہنے والے۔

مطابق فرمان اصحاب النار و اصحاب الجنۃ کی تفریق ہو جائے گی اور دونوں کو اپنے اپنے مقام کی طرف چلنے کا حکم دیا جائے گا۔ ہر ایک دوزخی اور جنتی کے مدارج مختلف ہوں گے اور وہ بھی حال کے موافق ہی ظہور ہوگا۔

دوزخ

کے سات درکے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں مطلع فرمایا ہے:

Marfat.com

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ	اور تحقیق دوزخ جگہ وعدے ان کے کی ہے سب
لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ	کی۔ واسطے اس کے سات دروازے ہیں۔
مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝	واسطے ہر ایک دروازے کے ان میں سے ایک
(پ۱۴ - ۳)	حصہ ہے تقسیم کیا گیا۔

ان ساتوں کے نام قرآن مجید اور حدیث شریف میں واضح ہیں۔ چنانچہ پہلے کا نام جہنم ہے اور دوسرے کا لظیٰ، تیسرا حطمہ، چوتھا سعیر، پانچواں سقر، چھٹا جحیم اور ساتواں ہاویہ۔ ان کے علاوہ اور بھی نام مذکور ہیں جو انہی میں کے بعض خاص گوشے اور حصے ہیں۔ مثلاً ویل، غی اور زمہریر وغیرہ۔ لیکن یہاں ان کی تفصیل مطلوب نہیں۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں ہر قسم کی توضیح وتفصیل موجود ہے اور انواع واقسام کے عذاب کا ذکر ہے مختلف قسم کے بد سے بدتر کھانے پینے کی چیزوں کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جیسے کہ ضریع وزقوم اور حمیم وغساق اور غسلین وقطران وغیرہ۔

یہاں تو صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ہر ایک دوزخی کا عذاب اپنے ہی حال اور حجاب کے موافق ظہور میں آئے گا۔ مثلاً کفار کے لیے عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور عَذَابُ الْحَرِيْقِ (بہت بڑا عذاب اور جلنے کا عذاب) کے الفاظ فرمائے ہیں۔ منافقین کے لیے عَذَابٌ اَلِيْمٌ (دردناک عذاب) اور گندے کام کرنے والوں کے لیے عَذَابٌ غَلِيْظٌ (گندا عذاب) کی وعید فرمائی ہے۔ سود خوار کے متعلق فرمایا:

لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ	نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسا کھڑا ہوتا ہے وہ شخص
يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ	کہ باؤلا کرتا ہے اس کو شیطان آسیب سے۔ یہ اس واسطے
بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ	ہے کہ انہوں نے کہا سوائے اس کے نہیں کہ بیع بھی

Marfat.com

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ (۲: ۲۷۵ - پ۳ - ع۶) — مثل سود کے ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام

پاگلوں اور خبطیوں کی طرح کھڑا ہوگا۔ کیونکہ وہ خداوند جل وعلا کے صریح احکام میں نفس کی شرارت سے تاویل کرتا ہے۔

یتیموں کا مال کھانے والے کے متعلق فرمایا کہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس جس نوعیت کے حجاب میں محجوب ہوا، اسی کیفیت سے عذاب کا ظہور ہوگا اور ان میں کا جس قدر زیادہ سخت ہوگا اسی قدر زیادہ اسفل اور سخت عذاب میں گرفتار ہوگا۔ حتیٰ کہ منافق سب سے نیچے ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (پ۵ - ع۱۳) — یقیناً منافق سب سے نچلے درکے آگ کے میں ہوگا۔

مومنین نور ایمانی کی بدولت فسق و فجور کے اندازہ پر عذاب کی سختی اٹھا کر خلاصی پا جائیں گے اور کفار و مشرکین اور منافقین ابدی عذاب میں مستغرق رہیں گے۔

یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ ۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّشَهِیْقٌ ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا

جس دن آوے گا نہ بولے گا کوئی جی مگر ساتھ حکم اس کے کے پس بعضے ان میں سے بدبخت ہیں اور بعضے نیک بخت ہیں۔ پس جو لوگ کہ بدبخت ہوئے پس بیچ آگ کے ہیں، واسطے ان کے چلانا ہے بیچ اس کے آواز باریک سے اور آواز موٹی سے۔ ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے جب تک کہ رہیں آسمان اور زمین مگر جو چاہے پروردگار تیرا۔ تحقیق پروردگار تیرا کر نے والا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ اور جو لوگ

Marfat.com

فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (پ ۱۲)

کہ نیک بخت کیے گئے ہیں پس بیچ بہشت کے ہیں ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے جب تک کہ رہیں آسمان اور زمین مگر جو چاہے پروردگار تیرا بخشش ہے نہ کاٹی گئی۔

جنّت

جنت باغ اور ہر قسم کے انتہائی آرام و آسائش اور تعیش کی جگہ کا نام ہے اور اس کے بھی سات بلکہ آٹھ درجے ہیں، اسی وجہ سے اسے بہشت بھی کہتے ہیں۔ جو جنّت ماویٰ، دار المقام، دار السلام، جنت خلد، جنت نعیم، جنت عدن کے نام سے مشہور ہیں اور آٹھواں فردوس ہے۔ کسی کے محلات چاندی سے بنے ہیں، کسی کے سونے سے۔ کوئی موتی سے تیار ہوا ہے اور کوئی صرف نور سے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف میں ان کے نعمات وغیرہ ہر قسم کی کافی تفصیل موجود ہے۔ بہرکیف یہ بھی اہل جنت کے حال کے معنوں کی عبارت کے مطابق ہی ظہور پذیر ہوگا۔ میدان دنیا میں ہر ایک مومن کا حال مختلف ہے اور اسی کے موافق عمل۔ اور ہر عمل کا نتیجہ اس کی نیت سے وابستہ ہے۔

پہلا طبقہ مومنین کا مجاہدین سے ہے، اور دوسرا مشاہدین و مقربین سے۔ پہلا طبقہ باوجود ایمان و ایقان رکھنے کے صفات بشریت کے مطابق تمام شہوات حیوانیہ کا حامل تمام خواہشات انسانیہ کا طالب، ہر فخر و ستائش کا شیدا اور تمام حظوظ و لذات کا فریفتہ، گویا نفس امارہ بالسوء کا مرید ہوتا ہے۔ لیکن بایں ہمہ خوف خدا سے ڈر کر ان سب صفات سے نفور اور ان کی برائی سے دانا اور مغرور ہوتا ہے۔ مطابق شریعت غرا و فرمان ذوالجلال والاکرام:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى

اور اہر جو کوئی ڈرا کھڑے ہونے سے آگے پروردگار

Marfat.com

النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (پ۳۰-ع۴)

اپنے کے اور روکا نفس اپنے کو خواہش سے پس بیشک جنت وہی ہے جگہ رہنے کی۔

کے ان صفات میں مجاہد ہوتا ہے۔ اگر وہ اسی مقام اور اسی حال میں مر جائے تو اس کے لیے جنت حلال کر دی جاتی ہے چونکہ فرمان عزیز الحکیم ہے:

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (پ۲۵-ع۱۳)

لیے پھریں گے اوپر ان کے طباق سونے کے، اور آبخورے۔ اور بیچ اس کے جو کچھ چاہیں اس کو نفس اور لذت پکڑیں آنکھیں۔ اور تم اس کے بیچ ہمیشہ رہنے والے ہو۔

کہ جنتی نفس کی اشتہا کے مطابق جو کچھ چاہے گا پائے گا اور ہر طرح کی من مانی عیش میں ہوگا یعنی موافق حال طلب اور خواہش کرنے والا اور اسی کے مطابق حصول اور مقصود کو پانے والا ہوگا۔ ہاں وہ چیزیں جو اس کے نفس میں بذاتہٖ دکھ دینے والی مثلاً حسد، کینہ وغیرہ باقی ہوں گی وہ عین نوازش اور رحمت سے دور فرما دیں گے چنانچہ فرمایا ہے:

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ (پ۱۴-ع۴)

اور نکال ڈالا ہم نے جو کچھ بیچ سینوں ان کے کے تھا ناخوشی سے۔ بھائی ہو جائیں گے اوپر تختوں کے آمنے سامنے۔

اللہ ایسے شخصوں کو اصحاب الیمین کا نام دیا یعنی جن کے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال ہوگا:

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝

اور داہنی طرف والے، کیا ہیں داہنی طرف والے بیچ بیریوں کانٹے دور کیے ہوئے، اور کیلے تہ بتہ، اور سایہ لمبا، اور پانی گرتا ہوا، اور میوے بہت

Marfat.com

وَّ فَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا مَقْطُوْعَةٍ	نہیں کاٹا گیا اور نہ منع کیا گیا، اور بچھونے بلند
وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ؕ	تحقیق ہم نے پیدا کیا عورتوں ان کی کو پیدا کرنا
اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰهُنَّ	پس کیا ہم نے ان کو کنواری، سہاگ والیاں
اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا اَتْرَابًا ۙ لِّاَصْحٰبِ	ہم عمر، واسطے داہنی طرف والوں کے جماعت
الْيَمِيْنِ ؕ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ	کثیر پہلوں میں سے اور جماعت کثیر ہے پچھلوں
وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ؕ (پ۲۷ ـ ۱۴)	میں سے۔

دوسرے طبقہ کے لوگ بھی کسی قدر انہی سے مطابقت رکھنے والے ہوں گے لیکن یہ ان سے سبقت کرنے والے یعنی آگے نکل جانے کی وجہ سے ان سے مقرب ہوں گے۔ اور یہ اس لیے کہ وہ میدان دنیا میں صرف مجاہد ہی نہ رہے بلکہ اس مجاہدہ کے حصول کو پائے ہوئے یعنی تغیر حال کے مقاد کو حاصل کر چکے ہوں گے۔ ان کا حال نفس لوامہ کے موافق ہوگا۔ گاہے لینت قلب سے حظ اٹھانے والے اور گاہے اس سے بیگانگی کو پانے والے یعنی کبھی تو دنیا و مافیہا سے اعراض اور اس کے عیوب سے نفور اور کبھی اس کے فکر میں مشغول۔ بمصداق ؎

گاہے ور دوزخ روی سازی مقام
گاہے در جنت روی لے خوش خرام

بموجب فرمان ایزد متعال ذوالجلال والاکرام:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ؕ	اور واسطے اس شخص کے کہ ڈرتا ہے کھڑے ہونے
(پ۲۷ ـ س ۱۳)	سے آگے رب اپنے کے دو باغ ہیں۔

دو جنتوں کے صاحب ہیں۔ اور وہ اس لیے کہ ایسے شخص دو بلا میں مبتلا ہوتے ہیں۔ باوجود اپنے حال سے علم رکھنے کے استقامت سے عاجز ہوتے ہیں۔ معصیت اور ثواب کو پہچاننے

Marfat.com

والے، ہر نشیب و فراز کو جاننے والے، نفس کی حرکات سے بیزار اور یادِ الٰہی میں قرار پانے والے ہوتے ہیں۔ جنت نعیم کے فدا، نعمتِ عظمیٰ کے شیدا، اپنے اعمال میں بے ریا، اپنی کشتی ہستی کے ناخدا، طالب رضا، اپنے اعمال کی وجہ سے اپنے حال سے دو وجہ پر متحیر اور مبتلا، ایک تو پرہیز اور اتقا کے کامل ہونے سے خائف، دوسرے اعمال کو محل قبولیت میں مشرف ہونے سے ترساں اور اپنے آپ سے نالاں، بمصداق ؎

گرنیفتادم نہ دیدم کعبۂ مقصود را
درمیانِ ما ہمیں اِستادگی دیوار بود

ایسے لوگوں کو اصحاب المیمنہ کا نام دیا ہے یعنی داہنی طرف والے اور ان کے حق میں فرمایا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ اُولٰٓئِكَ	اور آگے نکل جانے والے آگے ہیں سب سے۔ یہ لوگ
الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ	مقرب ہیں بیچ بہشتوں نعمت کے۔ بڑی جماعت
مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۗ	ہے پہلوں میں سے اور تھوڑی پچھلوں میں سے اوپر
عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۙ مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا	چارپائیوں سونے کی تاروں سے بنی ہوئی کے ہیں۔
مُتَقٰبِلِيْنَ ۝ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ	تکیہ کیے ہوئے اوپر ان کے آمنے سامنے۔ پھریں گے
مُّخَلَّدُوْنَ ۝ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ	اوپر ان کے لڑکے ہمیشہ رہنے والے ساتھ آبخوروں کے
وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۙ لَّا يُصَدَّعُوْنَ	اور آفتابوں کے اور پیالوں کے شراب صاف سے۔
عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ ۙ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا	نہیں سر دکھائے جائیں گے اس سے اور نہ بیجا بولیں گے
يَتَخَيَّرُوْنَ ۙ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۗ	اور میوے اس قسم کے کہ پسند کریں۔ اور گوشت پرندوں
وَحُوْرٌ عِيْنٌ ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۚ	کے اس قسم سے کہ چاہیں گے۔ اور عورتیں ہیں بڑی
جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ	آنکھوں والیاں مانند موتیوں چھپائے ہوئے کے۔ بدلہ

Marfat.com

فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝ (پ ۲۷ - ۱۳۴)

اس چیز کا کہ تھے وہ کرتے نہیں سنیں گے بیچ اس کے بیہودہ اور نہ گناہ کی باتیں مگر کہنا سلام ہے سلام ہے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید میں جگہ جگہ پر ان دونوں گروہوں کے لیے مولیٰ کریم نے مجمل اور مفصل تعریف سے جنت کے وعدے فرمائے ہیں۔ اور کہیں ان کے اہل کو ابرار کے نام سے ذکر کیا ہے کہیں متقین کے نام سے کہیں صابرین اور شاکرین وغیرہ۔ اور جنت کے یہ ساتوں درجے مطابق اعمال و اخلاص ہر ایک کے حسب حال عنایت فرمائیں گے۔

تیسرا طبقہ:

یہ وہ بزرگ ہستیاں ہیں جن کی مناسبت نبیوں اور رسولوں کے حال سے ہے۔ ان کا جینا، ان کا مرنا، بلکہ کھانا، پینا، سونا اور چلنا پھرنا، تمام حرکات و سکنات لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن کا مصداق ہوتی ہیں۔ ان کا بیان نہ تقریر سے ہو سکتا ہے نہ تحریر سے۔ دنیا و مافیہا سے دور، ذکر الدار سے مسرور، طالب خدا۔ رغبت کی گئی چیزوں سے دل کو ہٹائے ہوئے، ان کے اثرات سے خلاصی پائے ہوئے، اپنے قلب اور اس کی محبت کو خدا سے لگائے ہوئے، مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى کے معنوں کو پائے ہوئے، فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ کے سبق سے راستہ کے خس و خاشاک کو ہٹائے ہوئے، ولایت کے میدان میں، قدم ثبات کو جمائے ہوئے، مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے اعراض، دارین کی اغراض سے اجتناب، يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ کی دولت کو پائے ہوئے، طلب خدا اور اس کی رضا میں جان پر کھیلنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا حال فرمان مولیٰ کریم:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (پ ۱۸ - ۱)

یہ لوگ وہی ہیں وارث جو ورثہ لیں گے جنت فردوس۔ وہ بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

کے موافق ہے۔ اور یہ جنت کا سب سے اعلیٰ اور بلند ترین مقام ہے جو عرش الٰہی کے نیچے ہے۔

Marfat.com

اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو فردوس مانگو چنانچہ مشکوٰۃ شریف کے باب صفۃ الجنۃ میں حدیث ہے :

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ	اور روایت ہے عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى	سے کہا کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ مِائَةُ	بہشت میں سو درجے ہیں۔ درمیان ہر دو درجوں
دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ	کے اتنا فرق ہے جیسا کہ درمیان آسمان اور
السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ اَعْلَاهَا	زمین کے ہے اور فردوس سب جنتوں سے بلند تر
دَرَجَةً مِنْهَا تَفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْاَرْبَعَةُ	ہے از روئے درجے کے۔ اسی سے رواں کی جاتی
وَمِنْ فَوْقِهَا يَكُوْنُ الْعَرْشُ فَاِذَا سَاَلْتُمُ	ہیں چاروں نہریں بہشت کی اور اوپر فردوس کے
اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ۔ رَوَاهُ	عرش ہے پس جب مانگو تم اللہ تعالیٰ سے تو مانگو اس
التِّرْمِذِيُّ	فردوس۔ روایت کی یہ ترمذی نے۔

اور ایک حدیث شریف میں اس کے مفاد کی اس طرح صراحت فرمائی ہے :

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا	روایت ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	کہا کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تحقیق
وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِنَّ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ	ادنیٰ بہشتیوں کا از روئے مرتبہ کے البتہ وہ شخص ہے
مَنْزِلَةً لَمَنْ يَنْظُرُ اِلٰى جِنَانِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ	کہ دیکھے گا طرف اپنے باغوں کے اور اپنی عورتوں کے
وَنَعِيْمِهٖ وَخَدَمِهٖ وَسُرُرِهٖ مَسِيْرَةَ	اور اپنی نعمتوں کے اور اپنے خدمت گاروں کے اور اپنے
اَلْفِ سَنَةٍ وَاَكْرَمُهُمْ عَلَى اللّٰهِ مَنْ يَنْظُرُ	تختوں کے بمقدار مسافت ہزار برس کے اور گرامی تر
اِلٰى وَجْهِهٖ غُدْوَةً وَّعَشِيَّةً ثُمَّ قَرَاَ	ان کا نزدیک اللہ تعالیٰ کے وہ شخص ہوگا کہ دیکھے گا طرف

Marfat.com

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ	منہ مبارک اس ذات پاک کے صبح اور شام۔ پھر پڑھی حضرت
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ۔ (مشکوٰۃ	نے یہ آیت: کتنے منہ اس دن تروتازہ اور خوش وخرم
بَابِ فی رؤیۃ اللہ تعالیٰ۔	ہوں گے طرف رب اپنے کے دیکھنے والے۔

اسلام وایمان اور دین الحق کا مقا و اصل الاصول مقصود کا حصول منعم حقیقی کے سوا نہیں ہے کیونکہ کُل نعمات دینی ہوں یا دنیوی منعم حقیقی کے مقابلہ میں بیگانگی کا حکم رکھتی ہیں۔ تو جب تک تمام حصول دنیا والآخرہ سے بیگانگی نہ ہو، مولیٰ کریم کے ساتھ محبت اور وفا میں یگانگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ بمصداق ؎

سب سے بیگانہ ہے اے یار شناسا تیرا
حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا

اور یہ اس لیے کہ محبت میں ہر غرض حجاب ہوا کرتی ہے۔ ایسے شخصوں کے لیے دونوں جہان راستہ کا حجاب ہی ہوتے ہیں۔ ان کا آرام واطمینان سوائے ذات پاک کے کسی حصول سے نہیں ہو سکتا ؎

مپندار ایں کہ مہرت از دلِ عاشق رود ہرگز
چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

مطابق فرمان ایزد متعال اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا اپنے رب ہی کی طرف ان کی انتہا ہے اور اسی ذات کے ساتھ وہ مطمئن۔ اسی لیے ان کے موافق حال فرمان ذوالجلال والاکرام ہے:

یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ	اے نفس مطمئنہ! پھر جا طرف پروردگار اپنے کے کہ خوش
اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ	ہے تو پسند کی گئی پس داخل ہو تو بیچ بندوں میرے
فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (پ ۳۰۔ ۱۴)	کے اور داخل ہو بیچ جنت میری کے۔

Marfat.com

ضمیمہ

الٰھیّات

توحید

توحید وحدانیت پر حکم کے سوا نہیں ہے۔ یعنی کسی غیر کے حکم کے سوا اپنی وحدانیت پر حاکم ہونا اور واحدیت میں ثابت بلا اثبت ماسوائے کا کمال رکھنا اور اپنی ذات سے ہر قدرت کے ساتھ قادر ہونا ہوتا ہے۔ اور یہ سب تعریف اس لم یزل ولایزال بے مثل و بے مثال ذوالجلال والاکرام ہی کے لیے ہے۔ گو توحید میں سوائے حال کے کلام کرنا جہالت ہے اور اس کے ادراک میں عقل محض عاجز، اور اس پر ایمان رکھنا صحت کے ساتھ فرض ہے ازیں سبب اس کی معرفت میں بندوں کے لیے جس قدر تنگی واقع ہوئی ہے اور کسی علم و یافت میں نہیں ہوئی۔ اور یہ اس لیے کہ عقل کی دوڑ عالم معلومات تک محدود ہے اور معرفت کا حصول میدان معروفات کے سوا نہیں ہے۔ اسی وجہ پر تحریر و قال بغیر حال کے سوائے خطا کے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ تاہم توحید کا بیان تین نوع پر منقسم ہے:

(۱) توحید فی الذات

(۲) توحید فی السّر

Marfat.com

(۳) توحید فی الخلق

توحید فی الذات:

الآن کما کان جس کا نہ اوّل نہ آخر، نہ ابتدا نہ انتہا، نہ کمی نہ بیشی تغیر و تبدل سے منزّہ عروج و نزول سے مبرّا، ظہور و بیان سے ورا، ذاتِ معلّٰی کے بغیر نہ کسی علم، نہ کوئی لوح نہ قلم۔ نہ کوئی ملک نہ جن، نہ زمین نہ آسمان، سوائے متحقق بالذات کے نہ کسی کا علم نہ کسی کا نشان محض اپنی واحدیت میں تنہا۔ عبادت کے میدان میں نہ کوئی عابد نہ معبود، نہ ساجد نہ مسجود، نہ واجد نہ موجود، نہ خالق نہ مخلوق، نہ سابق نہ مسبوق، نہ مردود نہ مقبول، نہ اللہ نہ رسول، نہ نزدیک نہ دور، اپنی ذاتِ معلّٰی میں صفت بالذات بلاظہور کے ساتھ اَحد، نہ کوئی حصر نہ حد، کما قال اللہ تعالیٰ قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ[1] بمصداق ؎

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا ہم کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

توحید فی السّر:

جب اس خالقِ کائنات نے ذات کا ظہور چاہا تو اوّل لوحِ محفوظ اور قلم کی طرف مرید ہوئے اور وَکَانَ اَمْرُ اللہِ مَفْعُوْلًا[2] کی قادریت نے کلمۂ طیبہ سے نقش و نگار توحید کا ظہور فرمایا یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ[3] کا حکم نوری تخلیق میں رونق افروز ہوا۔

---

[1] کہہ وہ اللہ ایک ہے۔ [2] ہے حکم اللہ کا کیا گیا

[3] نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

Marfat.com

اب یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب لوح محفوظ پر سوائے کلمہ طیبہ کے کوئی نوشت نہ تھی، یا صاف معنوں میں سوائے ذاتِ احد کے کوئی شے نہ تھی تو لا کس کی نفی پر دال تھا؟ نحو کے قاعدے کے لحاظ سے لا نفی جنس کا ہوتا ہے۔ جب غیر تھا ہی نہیں تو پھر یہ نفی کس اِللہ کے لیے ہوئی؟

جواب اس کا یہ ہے کہ نحو کے لحاظ سے نفی کی نفی اثبات پر دال ہے جو اثبات کی تصدیق کے سوا کوئی مفاد نہیں رکھتی۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ یہ لا محض اثبات کا ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص ایک مکان میں تنہا کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ نہیں کوئی میرے سوا اس مکان میں۔ تو اس کی یہ نفی اس کی تنہائی اور اَحَدیّت کے لیے اثبات کا حکم رکھے گی۔

توحید فی الخلق

اس کے دو رُخ ہیں۔ ایک تو مولیٰ کریم سے مخلوق کی طرف، اور دوسرا مخلوق سے اللہ تعالیٰ کی طرف۔ ذاتِ معلّٰی کی طرف سے مخلوق کی جانب قادریت اور معیت کی رُو سے توحید کا ظہور ہے جس کا علم سوائے حال اور عرفان کے محال ہے۔ تاہم اصل الاصول توحید اور اس کی حقیقت اس کے سوا مطلق نہیں ہے۔

دوسری بنی نوعِ انسان سے ذاتِ معلّٰی کی طرف منسوب ہے جس کا حصول حجابات کے دور ہونے کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کئی وجہ پر ہے جن میں سے دو نوع معروف ہیں۔ ایک تو دلیل اور علم الیقین کی رُو سے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے مطابق غیب پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ اور دوسرے عین الیقین کی رویت سے حق الیقین تک پہنچنے والے ہوتے ہیں لیکن صرف دلیل سے توحید میں کلام سوائے دلیلِ عینی کے رویت پر جہالت ہے۔ اور رویت سے

Marfat.com

توحید میں کلام حسب الحال صحیح۔ بمصداق ؎

ہر کہ نادیدہ نام او گوید
مشرک ست وفضول و ناہموار

اور یہ اس لیے کہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ ایقان کے میدان میں محض تخیّل، ظن اور تصور زعمی کے سوا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اور وہ لم یزل ولایزال، بے مثل و بے مثال ان تمام اوہام سے منزہ اور مبرا ہے۔ گو ذات معلّٰی پر مع صفات کے ایمان رکھنا اور مطابق احکام اسلام اور شریعت پر عمل کرنا باعثِ نجات اور حصول نعمات کا مقتضی ہے لیکن اصل مقصود اور حقیقت فی الدنیا و فی الآخرہ مفقود، اور صحتِ حقیقت اس سے ورا خصوصاً توحید میں کلام اور تعریف حقیقت کے خلاف اور اس پر حکم لاحاصل۔ یہی وجہ ہے کہ معاملہ اصل کے خلاف ہو گیا ہے اور ہر جائز سبیل کرنا دانی کی وجہ سے شرک قرار دیا ہے۔ حالانکہ بغیر سبیل کے کوئی فعل بھی درست نہیں ہو سکتا۔ سنت اللہ اسی طرح جاری اور ساری ہے اور اسی طرح رہے گی۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا[1] کے مطابق تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مولیٰ کریم نے اپنی ذاتِ معلّٰی کے ظہور کے لیے اسباب تخلیق کو ملازم کیا ہے۔ یعنی جب کچھ نہ تھا تو وہ ذاتِ معلّٰی مع اپنی صفات ذاتیہ کے وحدانیت میں واحد تھی تو ظہور ذات کے لیے عالم ارواح کی طرف مرید ہوئے۔ پھر اس کے ظہور کے لیے اسباب حدث کی طرف ارادہ فرمایا تو کل موجودات میں اپنی وحدانیت کا ظہور صفت بالفعل کی صورت میں ہویدا کیا۔ ان سب منازل میں حدث کے سوا قدم کی حقیقت پر توحید واجب الوجود کے رُو سے فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ[2] کے مترادف اپنی تعریف میں معروف ہوئے مطابق هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ اپنے کمالِ علم سے اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا کی قدرت

---

[1] ہرگز نہ پائے گا تو اللہ تعالیٰ کے طریقے میں تبدیلی۔ [2] تم جدھر بھی پھرو ادھر ہی منہ اللہ تعالیٰ کا۔

Marfat.com

کاملہ سے محاط ہوئے۔ مطابق کلامِ عارفاں "جو حدث سے قدم کو نہیں پہچانتا اپنی گفتار میں جاہل ہوتا ہے"۔ یہ مفاد حاصل کرنا حقیقت سے بعید نہ ہوگا کہ اس ذاتِ پاک کی توحیدِ ذاتیہ کا انحصار محض ذات سے ہے۔ اور ظہورِ توحید سرّی ہو یا ظاہری صفت بالذات کے تصرّف سے صفت بالفعل کی طرف منسوب ہے۔

گو بے مثال کے لیے ہر مثال بیگانگی ہے تاہم فہمید کے لیے یوں قیاس کرنا چاہیے کہ کوئی اصل تغیر کا محل نہیں ہے، اور فرع کے لیے تغیر روا ہوتا ہے۔ اصل فرع کے سوا اپنی صحتِ حال پر استقلال رکھتا ہے اور فرع سوائے اصل کے کوئی شئے نہیں ہے۔

لیکن اس مثال سے یہ مفاد حاصل کرنا چاہیے کہ اس اصل اور فرع اور اس کی مثال سے وہ ذاتِ معلّٰی پاک ہے۔ کیونکہ ہر صفت ذاتیہ کے تصرف سے صفت بالفعل اس کے فعل کے سوا ذات سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی ہے۔ ہر آن، ہر زمان، ہر صورت وحقیقت میں خداوندِ کریم اپنی احدیت میں الآن کما کان ہی ہیں۔ محض ذات کو مخلوق سے خالقیت کی نسبت ہے۔ جیسے رب کو ربوبیت سے، قدرت کو قادریت سے، ارادہ کو مرید سے اور حیاتی کو حی سے مناسبت ہے۔ یہ تمام صفت بالفعل کا ظہور ہے۔ اور صفت بالفعل کا تعلق صفت بالذات سے ہے، اور صفت بالذات کا ذات سے۔ ان سب صفاتِ فعلیہ و ذاتیہ کا اصل الاصول ذاتِ محض ہے، اس لیے ہر حدث اور تخلیق منازل کے نشیب و فراز سے نزول اور عروج کے رُو سے تعلق واحد ہے۔ تعلق ذاتیہ کے لیے یہ منازل سرّی یا ظاہری، ذات کے لیے قُرب اور بُعد کا باعث نہیں۔ یہ ہمارے عارضہ کی وجہ سے ہے۔ اور وہ اس طرح کہ ہر ایک اپنے حال کی وجہ سے ایک مقام کا مقیم ہے۔ نزول ہو یا عروج، کفر ہو یا اسلام بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ کی

لہ بسبب اس چیز کے کہ کماتے تھے۔

Marfat.com

وجہ پر اپنی سرشت کے مطابق تقدیر معلق کے روسے، یا حد سے گزر جانے کے بعد صفات فعلیہ کے تصرف سے کسی نہ کسی صفت رحمی یا غضبی، نوری یا ناری، محبی یا عدوی، ہر مقام و محل میں خداوندی صفات غفاری یا جباری سے ہر ایک تعلق رکھتا ہے۔ بدیں وجہ وحدانیت کا تصرف اس کے حال کے مطابق من اللہ ہوا کرتا ہے۔ اس لم یزل کی احدیت کے قرب میں کسی صفت یا فعل کی وجہ سے دوری کا مقتضی نہیں ہو سکتا ہے

یار نزدیک تر از من بہ من ست

ویں عجب تر کہ من از وے دورم

کیونکہ حجابات کا حائل ہونا ہماری ہی طرف سے اور ہمارے ہی لیے ہے۔ خداوند جل و علا کی ذات اور اَحدیّت کے لیے نہ کوئی حجاب ہے اور نہ کوئی بُعد، اور نہ ہی روا ہو سکتا ہے ہر ایک کا مقام اپنے حال کے رو سے میدان اُحدیّت میں معلق ہے۔ مثلاً کافر کو کفر کی وجہ سے ذات کے ساتھ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ لَّا يُؤْمِنُونَ[1] کی نسبت ہے۔ اور منافق کو اپنے نفاق کی وجہ سے اور فاسق کو اپنے فسق کی وجہ سے۔ مومن باعمل کو اپنے ایمان سے، ابرار کو اپنے نیک اعمال سے اور مقرب کو قرب سے، اور ولی کو دوستی کے رُو سے، صدیق کو صدق کی وجہ سے، نبی کو نبوت اور مرسل کو رسالت کی وجہ پر ذات اور اُحدیّت سے نسبت ہے۔ گو من جانب اللہ جل شانہٗ احدیّت کی رُو سے کوئی فرق نہیں ہے مگر تعلق ذاتی کے سوا صفاتی کا از حد اختلاف ہے اسی لیے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے ہمارے ہی عارضہ کی وجہ پر تفصیل ہے۔ ہمارا ہر وصف خداوند تعالیٰ کی صفات فعلیہ کا نتیجہ ہے اور اللہ جل شانہٗ کی شان ربوبیت کا فعل ہمارے ظاہر و باطن میں متصرف ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک توفیق سرشتی کی وجہ پر، دوسرا

---

[1] پس دوری ہے واسطے اس قوم کے جو ایمان نہیں لاتے۔

Marfat.com

اضافیہ۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ج (پ۔ ۸)	ہم روزی دیتے ہیں تم کو اور ان کو۔
نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ٥	ہم نے پیدا کیا ہے تم کو پس کیوں نہیں مانتے تم۔
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ٥ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗ	کیا پس دیکھا تم نے جو منی ڈالتے ہو تم، کیا تم پیدا
اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ٥ (پ۲۷۔ ۱۵)	کرتے ہو اس کو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ٥ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ	کیا پس دیکھا تم نے جو بوتے ہو، کیا تم کھیتی کرتے ہو
اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ٥ (پ۲۷۔ ۱۵)	اس کو یا ہم کھیتی کر دیتے ہیں؟

ان آیات بینات سے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ظہور ثابت ہوتا ہے جو اس کے فعل کے مترادف ہے۔ صفت بالفعل کا ظہور الی الخلق ہے جو محدث اور تغیر کا محل ہے اور باوجود اسفل اور مذموم ہونے کے قابلِ ستائش بھی ہے۔ کیونکہ ہر تقسیم، ہر نوع علم، ہر ظہور بلکہ معرفت کا سبب ہے اور مولیٰ کریم کا مقتضیٰ اس حدث سے حصول علم اور عرفان ہے تاکہ اس حدث اور نزول سے عروج کی طرف فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ[1] کا سبق حاصل کرے اور حدث سے قدم کو پہچاننے کے لیے توفیق من اللہ کے راستہ مقصود کو پہنچے، بندہ اور اللہ جل شانہٗ کے درمیانی علم کا عرفان حاصل کرے۔

اسفل سے لے کر اعلیٰ تک اور اعلیٰ سے ذات پاک تک جس مقام یا جس محل میں بفضلہ تعالیٰ مقیم ہوگا اس کی توحید فی الذات کی حقیقت اس پر عیاں اور منکشف ہوتی جائیگی۔

یاد رہے کہ عالم موجودات سے عالم محسوسات اور عالم محسوسات سے عالم معلومات اور عالم معلومات سے عالم معروفات تک مشیتِ ایزدی اور اس کے فضل سے رسائی

---

[1] پس دوڑو طرف اللہ کی۔

Marfat.com

ہوتی جاتی ہے، اس سے آگے انسان کی رسائی نہیں ہے۔ ہاں جس کو چاہے اپنی کمال عنایت سے عالم قدس کے پرتو سے محو کر دے۔ ایسے شخص کی نظر میں ادنیٰ مقام سے اعلیٰ تک، اسفل سے ارفع تک کا کوئی حجاب نہیں رہتا۔ اس کے علم و دانش میں توحید باری تعالیٰ کا عرف فی الخلق، فی السر اور فی الذات ہو جاتا ہے، اور صفات کا فرق ذات سے اور حدث کا قدم سے اور فعل کا فاعل سے فرق کا متمیز ہو جاتا ہے۔ تب عارف اور توحید کا تاجرا ہوتا ہے۔ پس ایسا شخص معلم التوحید، صاحب طریقت اور قابل ارشاد ہوتا ہے۔

توحید میں تعلیم

توحید میں تعلیم دو وجہ پر ہے: ایک منقولی اور دوسری حالی۔ منقولی توجیسا اوپر گزر چکا ہے محض توحید پر ظن ہوا کرتا ہے، جو عوام الناس کے لیے سوائے سادگی کے کچھ وقعت نہیں رکھتی ہے۔ اور اس علم الیقین کے میدان میں علم و دانش کی دوڑ سوائے خطا کے کوئی اصل نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس میں جو کچھ بھی ہم کہیں گے یا کریں گے وہ ہم خود ہی ہوں گے۔ اور یہ توحید کے راستہ میں کا بہت بڑا حجاب ہے۔ بمصداق ؎

تا نیفتادم ندیدم کعبۂ مقصود را
درمیان ما ہمیں استادگی دیوار بود

یہی وجہ ہے کہ فرمان مولیٰ کریم ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ[1] کی توضیح کو اپنے علم و عقل کے ڈھانچہ میں ایسا ڈھالا ہے کہ معانی اصل کے خلاف ہو گئے ہیں۔ یعنی کہ "خداوند تعالیٰ کرسی پر بیٹھے ہیں

---

[1] پھر عرش پر استویٰ فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔

Marfat.com

اور کرسی چرچر کرتی ہے' اور وہاں سے ہر جگہ ناظر ہیں' اور اپنے علم کی قدرت سے سوائے ذات کے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہیں" گویا ہر نشیب و فراز نشست و برخاست، نزول عروج فراغت وشغل، بلکہ تغیر وتبدل کو اس بے مثال کے لیے اپنی مثل روا رکھا ہے۔ اور یہ محال ہے کیونکہ اگر اسی طرح مان لیا جائے تو ایمان کے راستہ میں ایسی مشکل واقع ہو گی جس سے عبور کرنا ناممکن ہو جائے گا اور بت پرستی و خدا پرستی میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْاِعْتِقَادِ السُّوْءِ۔ اور وہ اس طرح کہ لامکان کے لیے مکان وجہت، حرکات و سکنات اور مثل خلق کے جسم تصور کرنا پڑے گا۔ حالانکہ وہ ذات پاک ان عوارضات سے بلند و برتر ہے اور یہ صفات اس لایزال کے لائق نہیں ہیں۔ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا۔

دوسری تعلیم حالی۔ بخاری شریف میں ہے:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ	روایت ہے ابوہریرہ رض سے کہا یاد رکھے میں نے
رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو باسن (علم کے)
وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہٗ	پس ایک ان میں سے تو پھیلایا میں نے اس کو
فِیْکُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہٗ قُطِعَ	بیچ تمہارے اور دوسرا پس اگر پھیلاؤں میں اس کو
ھٰذَا الْبُلْعُوْمُ یَعْنِیْ مَجْرَی الطَّعَامِ	تو کاٹا جاوے یہ گلا یعنی جگہ جاری ہوتے طعام
رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم)	کی۔ روایت کی یہ بخاری نے۔

گویا یہ علم اظہار کے قابل نہیں ہے اور اس کی تعلیم حالی طور پر روا ہے نہ کہ قالی۔ اور اس کا حاصل کرنا فرض عین ہے۔ بمصداق اقوال بزرگاں کہ "حال کی تقلید حرام ہے"۔ کیونکہ سوائے حال کے حال کی تقلید تصنع ہوتی ہے اور اپنے اقوال اور خیال میں کذب۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

لہ پاک ہے وہ (اللہ) اور بلند اس چیز سے کہ وہ کہتے ہیں بہت بلند بہت بڑا۔

Marfat.com

فرمان ہے کہ یہ علم حجت ختم کرنے والا ہے۔ اور جو علم نفع دینے والا ہے وہ انسان کے قلب سے وابستہ ہے۔ "علم درسی نہ بود، در سینہ بود۔" ؎

علم انوار است در جان رجال　　نے زراہ دفتر و نے قیل و قال

علم در سینہ بسینہ آمدہ !　　علم بے کیفیت خزینہ آمدہ

بہ من اللہ صدر مبارک نبی اُمّی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں تفویض کیا گیا جو سلسلہ وار سینہ بسینہ چلا آتا ہے اور تا قیامت اسی طرح سینہ بسینہ چلا جائے گا۔ اس سے نسبت رکھنے والے کم و بیش حصول سے مسرور ہیں، اور دوسرے بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهٖ[1] کی وجہ پر جھٹلانے والے، اور اَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ[2] کے مطابق انکار کرنے والے محروم۔

اے عزیز! حصول اس کا محض فضل ایزد متعال پر منحصر ہے لیکن اس پر اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ ورنہ دارین میں رسوائی کا باعث ہے۔ بمصداق ؎

اگر حاصل نباشد ہم یقیں را!　　مدہ از دست ورنہ از جحودے

نداری گر یقیں انکار حق است　　یقیں داں بر دلت ظلمت فزودے

جاننا چاہیے کہ جس طرح ظاہری علوم کے لیے اُستاد کی ضرورت ہے اسی طرح اس علم و دانش کے لیے بھی استاد کی ضرورت اور حاجت ہے۔ ظاہری علم کی ابتدا، ا۔ ب۔ ت سے شروع ہوتی ہے جس کی انتہا معقول و منقول تک کا حصول ہے، لیکن اس علم و دانش کے لیے حروف و الفاظ اور عبارت کی احتیاج نہیں ہوتی ہے۔ ہر علم کا حصول من اللہ

[1] بلکہ جس چیز کو ان کا علم احاطہ نہ کر سکا اُسے جھٹلا دیا۔

[2] کیا نہیں پہچانا انہوں نے رسول اپنے کو پس وہ واسطے اس کے انکار کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

ہے لیکن اس علم کا حصول ہی اللہ جل شانہٗ ہے جس سے مقصود معرفت الٰہی اور مشاہدہ لامتناہی ہے اس لیے عارف عالم ہوتا ہے اور عالم عارف نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کلام الٰہی اور ذات معلّٰی کی صفت بالذات ہے جس کا ظہور کاغذ حروف اور الفاظ کی صورت میں عیاں ہے۔ قراءت کے لحاظ سے یہ سب اسباب کلام ہیں لیکن معانی انوار کے مصداق ہیں۔ اور یہ اختلاف بمصداق قول بزرگے ؎

علم گر بر تن زنی مارت کند

علم گر بر دل زنی یارت کند

کے موافق ہے جو ہمارے عارضہ کی وجہ پر ہے۔ ورنہ ظاہری و باطنی معنوں سے پر اسرار قرآن حکیم اظہر من الشمس ہے۔ صاحب حال ظاہری اور باطنی معنوں سے حسب استعداد واقف ہوتے ہیں اور ظاہری علماء صرف ظاہر پر رہ جاتے ہیں اس لیے حقائق الٰہیہ اور معانی کی حقیقت میں خطا کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس علم و عرف کے حصول کے لیے عارف باللہ کی ضرورت ہے جس کے سوا یہ حل ناممکن ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا	جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ
بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی	درمیان ان دونوں کے ہے بیچ چھ دن کے پھر
عَلَی الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ ۚ فَسْـَٔلْ بِهٖ	قرار پکڑا اوپر عرش کے۔ وہ رحمٰن ہے۔ پس سوال
خَبِیْرًا ۝ (پ ۱۹ - س ۱)	کر اس کا کسی باخبر سے۔

اس عقدہ کو حل کرنے کے لیے اور اختلاف کو مٹانے کے لیے کیا ہی بہتر فیصلہ فرمایا ہے کہ اگر اس مالک حقیقی کے عرف سے کچھ حاصل چاہتے ہو تو کسی خبر والے سے دریافت کرو۔

یوں تو کئی دفعہ مختلف مقامات پر ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا ذکر آچکا ہے لیکن اس

Marfat.com

جگہ ایسی تفصیل سے ارشاد واضح ہے کہ کوئی دقیقہ فروگزاشت ہی نہیں رہا۔ یعنی زمین و آسمان وما بینہما کا بنانا اور پھر اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا ذکر فرما کر اَلرَّحْمٰنُ کے ارشاد کے بعد فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا کا حکم کرنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ علم وحصول اور یہ عرفان و دانش کسی باخبر سے دریافت کرو۔ صرف دلیل منقولی سے یہ علم حاصل نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ یہ معرفتِ الٰہی ہے جو حال کے سوا سراسر نادانی اور جہالت ہے۔ نیز یہ روشن امر ہے کہ قرآن شریف خبر ہے نہ کہ خبیر۔ اس علیم وخبیر کی طرف سے امر ہے جس کا جاننا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے۔ یہ عبارت سوال کرنے کا محل نہیں ہے۔ اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ان حقائق الٰہیہ کے علم کے لیے صرف یہ تحریری کلام کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے عینی دلیل کی ضرورت ہے جو خدائی معلموں کے بغیر محال ہے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ ظاہری دلیل معرفت الٰہی میں خطا کے سوا نہیں ہے۔ اور یہی اس غلطی کا سبب ہے کہ عرش معلیٰ کو اپنے قیاس و تصور کے ڈھانچے میں ایک تخت اور اس پر ذاتِ باری تعالیٰ کا قیام، اور وہاں سے زمین و آسمان کا ناظر ہونا قرار دے رکھا ہے۔ جس سے جہت اور مکان لازم آتا ہے۔ تحت اور فوق کے ثبت کی اونچ نیچ میں پڑ گئے ہیں جو اس ذات پاک کے لائق نہیں ہے۔ شاید انہوں نے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ[1] کو غور سے تلاوت نہیں کیا ہے۔ کیونکہ جب کرسی مقدس کی وسعت زمینوں آسمانوں سے زیادہ ہے اور عرش معلیٰ اس سے بھی وسیع تر، تو پھر مکان اور جہت و قیام کس بنا پر اور کہاں درست ہو سکتا ہے؟

کرسی کا بیان تفسیر دُرِّ منثور میں ہے کہ: "فریابی اور عبد بن حمید اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم

---

[1] سما لیا ہے کرسی اس کی نے آسمانوں اور زمین کو۔

Marfat.com

اور دار قطنی اور طبرانی اور ابوالشیخ اور بیہقی اور خطیب نے نکالا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ انہوں نے کہا کرسی وضع قدمین ہے اور عرش کا اندازہ کوئی نہیں جانتا۔ اس کو حاکم نے بھی نکالا اور صحیح بتایا۔"

اور روایت کیا ابن جریر اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ اور بیہقی نے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے نہیں ہیں ساتوں آسمان بہ نسبت کرسی کے مگر جیسا کہ ایک چھلا پڑا ہوا بیچ زمین بیابان کے۔"

بایں ہمہ ان کے لیے ان کا علم ہی حجاب ہو گیا ہے اور اسی اپنے زعم کو معراج کمال سمجھ بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے ان کی سعی کے قدم کٹ چکے ہیں اور میدان معرفت میں حصول سے محروم ہو چکے ہیں۔ ورنہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰیؔ[1] کی دولت انسان کے لیے مولیٰ کریم کی طرف سے جاری ہے اور تا قیامت جاری و ساری رہے گی +

توحید پر عمل

اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ یعنی معبود تمہارا معبود واحد ہے۔ اس ذات پاک کی عبادت کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔

انسان کے لیے عبد کے نقطہ سے بڑھ کر کوئی مدارج نہیں ہے۔ کیونکہ جب تک انسان کا کُل فنا نہ ہو جائے، نسبت عبودیت جو عبد کو معبود کے ساتھ مخصوص ہے صحیح نہیں ہو سکتی۔

دریائے دجلہ میں ایک اللہ کا بندہ یعنی "عبداللہ" بے کس و بے بس غرق ہوا جا رہا تھا۔ کنارہ پر سے کسی شخص نے اس کو پکارا کہ "اے بندۂ خدا! تو چاہتا ہے کہ میں تجھ کو کنارہ پر کھینچ لاؤں؟

---

[1] نہیں ہے واسطے انسان کے مگر جو کچھ کوشش کرے۔

Marfat.com

فرمایا نہیں۔ پوچھا کیا تو ڈوبنا چاہتا ہے؟ کہا نہیں۔ بولا کیا اسی حال میں بہا جانا چاہتا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ آخر اس شخص نے ان کو باہر نکال لیا اور پوچھا کہ یہ تیرا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ میں اللہ جل شانہ' معبود یکتا کا بندہ ہوں اور بندہ کو چاہنے سے کیا واسطہ"؟ ؎

ہر چہ رود بر سرم چوں تو پسندی رواست
بندہ چہ دعویٰ کند حکم خداوند راست

اے بھائی! عوام کے نزدیک عبادت اطاعت ہے جو کسی حد تک درست ہے لیکن اطاعت کئی نوع پر منقسم ہے۔ جو عبودیت کے میدان میں سوائے فرماں برداری کے کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور وہ اس لیے کہ عبدیت سے اطاعت کا ہونا لازمی امر ہے۔ اور اطاعت سے عبد کا ہونا ضروری نہیں۔ اطاعت میں کسی حد تک اختیار رہتا ہے لیکن عبدیت میں مشیت ایزدی کے تصرف سے اختیار محو ہو جاتا ہے اور فاعل حقیقی کا فعل ایسے شخص کے ضمیر میں اضافیہ کا حکم رکھتا ہے اور اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ یعنی معبود حقیقی کی حقیقت عبد کے لیے واحد ہو جاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ طوعاً اور کرہاً سب کی سب مخلوق بندہ ہونے کی حیثیت سے بے اختیار ہے لیکن انسان کا معاملہ مولیٰ کریم کے ساتھ خاص ہے۔ عوارضات کی وجہ سے حالات کے رو پر سخت اختلاف ہے۔ عوام کا حال اور طرح پر ہے، صاحب قال کا اور طرح پر اور صاحب حال کا اور طرح۔ عوام کا ایمان باوجود نادانی کے نہایت مضبوط، بلا دلیل اور بحث و تنقید سے پاک، اعلیٰ فوقیت رکھنے والا، بے باک، مائل بمشاہدہ صنعت اور عمل کے لحاظ سے رجا اور خوف کے پردوں میں پرورش پانے والا ہوتا ہے۔

دوسرے صاحب قال۔ قال اللہ و قال الرسول کو دلیل پکڑنے والے اور علم و دانش ظاہری سے توحید اور احکام شریعت پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس میدان دلیل میں دو گروہ

Marfat.com

مختلف ہیں۔ ایک تو جواز سبیل اور وسائل یعنی اسباب من اللہ کے قائل ہیں۔ اور دوسرے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سبیل و وسیلہ اور اسباب کے قائل نہیں ہیں۔ اور یہ خطا پر ہیں۔ کیونکہ یہ سنت اللہ کے خلاف ہے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ ظہور ذات سبحانہٗ بھی سوائے اسباب کے نہیں ہوا ہے۔ بلکہ ظہور کے لیے اس عزیز الحکیم نے اسباب کو لازم کیا ہے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر مقام میں اسی مقام کے مطابق تعلیم ہوا کرتی ہے۔ صاحب اسباب کو مسبب کی طرف سوائے اسباب کے چارہ نہیں ہے گو ہر فعل کو اس فاعل حقیقی نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے لیکن اسباب کو دلیل یعنی رہنما کے لقب سے نامزد کیا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ج	بھلا تم نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا کہ وہ سایہ کو
وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ج ثُمَّ جَعَلْنَا	کس طرح دراز کر کے پھیلاتا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو
الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ○ (پ ۱۹۔ س۳)	اس کو ٹھیرا رکھتا۔ پھر ہم نے اس پر سورج کو راہنما بنایا۔

اسی طرح سورۂ فیل میں فعل تو اپنا فرمایا لیکن ابابیلوں کو ملازم اور دلیل ٹھیرایا۔ اور اس قسم کی بہت سی آیات کلام مجید میں مذکور ہیں لیکن باوجود ان دلائل فصیح و بلیغ اور آیات بینات کے منکرین کے سر پر توحید کا ایسا بھوت سوار ہے کہ سرسام توحید نے ہوش و حواس کو باقی رہنے ہی نہیں دیا ہے اور بلا سوچے سمجھے حق و ناحق دونوں کا انکار کر دیا ہے۔ مثلاً شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنی تصنیف "تقویۃ الایمان" میں رقم طراز ہیں:

"...... یعنی اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا محض شرک ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔"

اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا یا خود بخود ان کاموں کی طاقت سمجھنا تو واقعی شرک ہے۔ کلام

Marfat.com

توصرف اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت کے انکار میں ہے۔ خدا جانے نص قطعی کو غور سے مطالعہ نہیں کیا ہے، یا اس کے معانی میں تدبر و تعمق کو کام میں نہیں لائے ہیں۔ ورنہ یہ عبارت اور اس کا حکم سراسر فرقان الحمید کے خلاف وارد ہو رہا ہے، جو سراسر جہالت پر دال ہے۔

حضرت جمال الدین صاحب کیلانی قدس سرہٗ اپنے بیاض شریف میں فرماتے ہیں کہ:

"ابلیس لعین نے دو گروہوں کو جدھران کے نفس کا میلان پایا ہے دھوکا دیا ہے۔ حضرات شیعہ کو محبت اہل بیت اور آلِ اطہار کا دھوکا دیا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ محبت کیا ہے اور اس کا عمل کس طرح ہوا کرتا ہے۔ اور محبت کے اصل اور حقیقت کو نہیں جانتے۔ اور حضرات وہابیہ نجدیہ کو توحید کا دھوکا دیا ہے، اور وہ نہیں جانتے کہ توحید کس کو کہتے ہیں اور اس کی حقیقت سے ناشناسا اور اعمیٰ ہو رہے ہیں۔"

حدث اور قدم کا فرق نہیں کر سکتے، ذات اور صفات کو نہیں جانتے اور اس کے اصل اور فرع کو نہیں پہچانتے۔ ورنہ معاملہ کی صحت کے اسباب اور انکشاف حقیقت کی سندات اظہر من الشمس ہیں جو صاحب حال کے عمل کے مترادف ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ (پ ۔ ۵ ۔ ۷)	اور جب تو مٹی سے پرندکی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتی۔ اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے شفا دیتا۔ اور جب تو میرے حکم سے مُردوں کو زندہ نکالتا۔

اب نورِ ایمانی کے ترازو میں وزن کرنا بعید از تحقیق نہ ہوگا کہ مُردے کو زندہ کرنا، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو بحکم خدا اچھا بھلا کر دینا اور خصوصاً مٹی کا جانور یعنی بُت بنا کر اس میں پھونک مارنا، جو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بُت بنانے اور اس میں نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ

Marfat.com

شہودی فاعل حقیقی کے فعل کے مترادف ہے۔ بلکہ بالکل مماثلت معلوم ہوتی ہے جو قطعاً ناممکن اور حرام ہے۔ ظاہری صورتِ حال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مولیٰ کریم کا حضرت آدم علیہ السلام کا مٹی سے بت بنا کر اس میں رُوح پھونکنے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بھی اسی طرح مٹی سے بُت بنا کر اس میں نفخ رُوح کرنے میں مماثلت واقع ہوتی ہے لیکن حقیقتاً ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بُت بنانا اور رُوح کا پھونکنا باذن اللہ تعالیٰ تھا۔ اور دراصل عیسٰی علیہ السلام کا فعل فعل خداوندی تھا، جس سے مماثلت کو کوئی نسبت نہیں۔ مماثلت تب ہو سکتی ہے کہ خداوند کریم ذوالجلال والاکرام کی مثل حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اذن بھی کسی شخص کی طرف وارد ہو، اور یہ محال ہے۔

اس تصرف یا طاقت کو حضرت عیسٰی بن مریم (علیہما السلام) کی طاقت کا نتیجہ خیال کریں یا خداوند تعالیٰ کی دی ہوئی ہمت کا مظہر سمجھیں؟ یا دونوں صورتوں کو کفر اور شرک جانیں؟ جیسا کہ تصرف فی التوحید منکرین کی زبان سے اوپر گزر چکا ہے، کس چیز پر اعتقاد رکھیں؟ شخصی تقلید کو حرام سمجھتے ہوئے ایک شخص کی رائے کو مقدم رکھیں، یا فرمانِ الٰہی کو ترجیح دیں جو قرآن مجید میں بالکل عیاں اور لَا رَیْبَ فِیْهِ[1] کا تاج سر پر لیے کھڑا ہے؟ اور صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰی رُوح اللہ علیہ السلام باذن اللہ تعالیٰ یہ کام کرتے تھے۔ اور ہر ایک کلمے کے ساتھ اپنے امر یا اذن کو (جو فاعل حقیقی کے فعل کی شہادت پر دال ہے) لازم رکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ذات پاک نے اپنے کمال لطف سے اپنے بندہ کے ضمیر میں اپنی قدرت اجازت کو جاری رکھا ہے، اور قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[2] کے مترادف رُوح اللہ کے خطاب سے مزین فرمایا ہے۔

---

[1] اس میں کوئی شک نہیں ہے [2] کہ رُوح میرے رب کے امر سے ہے۔

Marfat.com

شرک کی تشریح :

اس میں کلام نہیں کہ شرک ایک ناقابلِ عفو جرم اور ظلم عظیم ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ	بیشک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ شریک لایا جائے ساتھ
مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج	اس کے اور بخشتا ہے سوائے اس کے واسطے
(پ ۵ - ۴)	جس کے چاہتا ہے۔

یوں تو شرک کی بہت سی شاخیں ہیں لیکن قرآن شریف کے رُو اصل الاصول کے لحاظ سے تین وجہ پر بیان ہے: (۱) شرک فی الذات (۲) شرک فی الصفات اور (۳) شرک فی العبادت۔

شرک فی الذات :

یہ کہ اُس ذات اَحد و صَمد کے لیے کوئی اوپر، نیچے یا برابر کا رشتہ روا رکھنا۔ جیسے ماں باپ اور بیٹا بیٹی یا بھائی بہن وغیرہم۔ جیسا کہ یہودیوں نے حضرت عُزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا اور حضرت مریم علیہا السلام کو اس کی بیوی قرار دیا :

قَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُنِ ابْنُ اللّٰہِ وَ	یہودیوں نے کہا کہ عُزیر اللہ کا بیٹا ہے اور
قَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ	نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

تو فرمایا کہ سُبْحٰنَہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ۔ اور فرمایا اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ۔ یعنی کہ "پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کے لیے بیٹا" اور "کیسے ہو اس کے لیے بیٹا حالانکہ وہ بلند و برتر بیوی سے بھی منزہ ہے"۔ بلکہ اس قسم کے تمام فاسد اور باطل عقائد سے پاک کرنے کے لیے اپنے کلام پاک میں نہایت جامع کلمات سے یوں تعلیم فرمائی :

Marfat.com

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝	کہو (اے میرے حبیبؐ) وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ
لَمْ یَلِدْ ۝ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ	بے احتیاج ہے۔ نہیں جنا اس نے اور نہ جنا گیا۔
کُفُوًا اَحَدٌ ۝ (پ۳۰ - س ۳۷)	اور نہیں ہے واسطے اس کے برابری کرنے والا کوئی۔

شرک فی الصفات :

(۱) اس خالق یکتا کی صفات میں کسی مخلوق کو اس کے برابر سمجھنا - یا

(۲) کسی مخلوق میں بغیر اس معطی کی عطا کے از خود ذاتی طور پر کوئی تھوڑی یا بہت طاقت جاننا

(۳) یا اس بے مثل و بے مثال، لم یزل ولا یزال کی کسی ایک صفت میں کسی مخلوق کے لیے اس سے مماثلت روا رکھنا۔ جیسا کہ فرمایا:

لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ۚ وَھُوَ السَّمِیْعُ	نہیں ہے مثل اس کی کوئی چیز۔ اور وہ خوب
الْبَصِیْرُ ۝	سننے دیکھنے والا ہے۔

شرک فی العبادت :

یعنی سوائے اس رب العالمین اور الٰہ واحد کے کسی اور کی عبادت کرنا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّہٖ اَحَدًا ۝	اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو۔

اس کے سوا ہر قسم کی استمداد اور نصرت کا جواز ہے جس کا اثبات تعلیماً اور عملاً قرآن مجید میں موجود ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	اور تم کو کیا ہوا ہے کہ (موذی اور ظالم لوگوں سے)
وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ	خدا کی راہ میں اور ان بے چارے مردوں اور عورتوں
النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ	اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کرتے ہیں کہ

Marfat.com

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ (پ۵ - ۸)

اے خدا! ہم کو اس شہر سے نکال کر کہیں اور جگہ لے جا کہ یہاں کے لوگ بڑے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا، اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا کر بھیج۔

قابل غور امر یہ ہے کہ وہ بے کس اور بے یار و مددگار قادر مطلق سے امداد و نصرت کے لیے کسی حامی و مددگار کو طلب کرتے ہیں۔ چاہیے تھا کہ وہ غیر خدا کی مدد مانگنے کے سبب سے خطاوار ٹھیرائے جاتے، اور ان کو وعید کی رو سے تنبیہ کی جاتی اور ان کی مدد بھی نہ کی جاتی، اور نہ ہی کسی کو ان کی حمایت و نصرت کے لیے حکم صادر کیا جاتا لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔

ان بے کس ولاچار مرد عورتوں اور بچوں کی التجا تو کئی معنوں پر محمول کی جا سکتی ہے لیکن نبی مرسل، پیغمبر اولوالعزم، صاحب اعجاز، تمام مخلوق سے برتر، تمام بنی نوع انسان سے برگزیدہ، اسرار الہیہ کے حامل، صاحب معارج و مدارج، خلقت کے حامی و رہنما، دین و اسلام کے پیشوا تو ان عوارضات سے مبرا و منزہ تھے۔ با ایں ہمہ جب مخالفین کے غلبہ سے مجبور ہوئے اور ان کے مقابلہ میں نصرت چاہی تو یوں پکار اٹھے:

مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ (پ۳ - ۱۳) کوئی ہے اللہ کی طرف سے جو میری مدد کرے؟

تو ان کے حواریوں نے جواب میں عرض کیا:

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ (پ۳ - ۱۳) ہم مددگار ہیں اللہ کے۔

تو ایسا فعل جو شرک کا مقتضی ہو، ایک اولوالعزم مرسل سے صادر ہونا محال ہے۔ بلکہ مرسلین کی نسبت ایسا گمان کرنا بھی سُوءِ اعتقادی اور جرم ہے۔ لہٰذا ماننا ہی پڑے گا کہ یہ سنت اللہ جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گی۔

Marfat.com

اے عزیز! خداوند کریم اپنے فضل سے تجھے نیک سمجھ عطا فرمائیں صحت حال اس امر میں اس طرح پر ہے کہ مِنْ دُوْنِ اللہ سرتاپا شرک ہے۔ اور فِیْ سَبِیْلِ اللہ جائز بلکہ دین ہے یعنی اللہ کے راستہ میں یا صاف معنوں میں اللہ جل شانہٗ کے لیے ہر سعی اور کوشش سے مستعد ہونا ہے۔ اور من دون اللہ سے مقصود اللہ جل شانہٗ کے سوا کسی غیر سے استمداد یا کسی بُت سے استعانت ہے۔ اور یہ شرک اور حرام ہے۔ اور فی سبیل اللہ مطابق فرمان مولیٰ کریم:

یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور
ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا	ڈھونڈو طرف اس کے وسیلہ اور جہاد کرو بیچ
فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (پ ۔ ع)	راہ اس کے کے تو کہ تم فلاح پاؤ

اور یہ بہر حال دو وجہ پر منقسم ہے۔ اعلیٰ ہستیوں کو ادنیٰ کی طرف اور ادنیٰ کو اعلیٰ کی طرف سبیل الی اللہ ہوا کرتی ہے یعنی اُمت کو انبیا و مرسلین کی طرف خدمت کی رو سے مال و جان کے ساتھ جہاد کی وجہ پر اور مرسلین کو تعلیم احکام اور فیض و روحانیت کی رو سے مشاہدہ ولقا اور قرب خداوندی کی وجہ پر۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ بظاہر حفاظت کے لیے حواریوں سے حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا فرمانا مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ یعنی کوئی ہے جو مدد کرے میری فی سبیل اللہ؟ اور ان کا حسب توفیق جواب دینا کہ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ یعنی ہم مددگار ہیں فی سبیل اللہ۔ جیسا کہ خداوند کریم ذوالجلال والاکرام فرماتے ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر مدد کرو گے تم اللہ کی
یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (پ ۔ ع)	مدد کریگا وہ تمہاری اور ثابت رکھے گا قدموں تمہارے کو

اور یہ مسلمہ امر ہے کہ خداوند کریم کسی کی مدد سے مستغنی ہیں۔ اور خدا کی مدد کسی وجہ سے روا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے یہ مدد فی سبیل اللہ ہی ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو اسلام اور دین

Marfat.com

ہیں انبیاء و مرسلین کی مدد کرتا ہے درحقیقت وہ خدا کی مدد کرتا ہے۔ اور جو کچھ اس کو انبیاء و مرسلین سے فیض و برکت کی وجہ پر پہنچتا ہے دراصل اللہ کریم ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا فیض' وہی روحانیت کے کرشمے' اندھے مادرزاد اور کوڑھی وغیرہ کو اچھا بھلا کر دینا اور تعلیم روحانیت اظہر من الشمس ہے۔

اب قابل غور امر یہ ہے کہ نص صریح سے اعلیٰ کو ادنیٰ سے بظاہر طاقت سے' اور ادنیٰ کو اعلیٰ سے بباطن ہمت سے استمداد و اعانت عمل کے میدان میں ثابت ہو چکی ہے۔ ہر طاقت بظاہر اور ہمت بباطن من اللہ ہی ہے' اور اس کے سوا سمجھنا انکار حق ہے۔ خواہ آزمائش کے میدان میں سرشتی توفیق سے جس کو اپنے زعم میں اپنی طاقت خیال کریں یا بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ کی وجہ سے اضافیہ تصرّف خداوندی کا مظہر سمجھیں' سب کا سب من الحق ہی ہے جو فاعل حقیقی کے فعل کا نتیجہ ہے۔ بعض کو اپنے بندوں میں سے ایسا خاص کیا ہے کہ ان کے ارادے ان کے ضمیر میں باقی ہی نہیں رہتے۔ کوئی فعل سوائے امرِ الٰہی کے ان سے سرزد نہیں ہو سکتا۔ ان کا کُل فنا ہو چکا ہوتا ہے اور ان کی بشریت صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہو جاتی ہے۔ مولیٰ کریم نے ان کو اپنے کام کے لیے تنہا کیا ہے۔

اے بھائی! مولیٰ کریم تجھے اپنے علم سے بہرہ ور کرے' جب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سا کوئی علم نہیں رکھتا۔ بعض نے کہا ہے کہ صرف دل میں یہ خیال ہی گزرا تھا تو حکم ہوا کہ جاؤ میرے ایک بندے سے جا کر ملو اور علم سیکھو۔ قرآن مجید کی سورۂ کہف میں اس کا مفصل ذکر موجود ہے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت سا سفر طے کرنے کے بعد مجمع البحرین پر پہنچے اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کر کے اپنا مدعا ظاہر کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ یہ معاملہ آپ کے حیطۂ علم سے باہر ہے

Marfat.com

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اپنے صبر کا یقین دلایا اور دونوں چل پڑے۔

حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝ (۱۸: ۷۱-۷۲ - پ ۱۵ - ع ۲)

حتیٰ کہ جب دونوں ایک کشتی میں سوار ہوئے (تو خضر نے) اس کو پھاڑ دیا۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا کیا تو نے اس کو اس لیے پھاڑ دیا کہ اس کے سواروں کو غرق کر دے؟ تو نے یہ ایک بھاری کام کیا۔ (خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھول کا عذر کیا تو پھر دونوں چل پڑے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

فَانْطَلَقَا ٙ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝ (۱۸: ۷۴-۷۵ - پ ۱۶ - ع ۱)

پھر چلے دونوں یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے پس مار ڈالا اس کو۔ کہا کیا مار ڈالا تو نے ایک جان پاک کو بغیر بدلے جان کے۔ البتہ تحقیق لایا تو چیز بری۔ کہا (خضر نے) کیا نہ کہا تھا میں نے تجھ کو یقیناً تو نہیں کر سکے گا میرے ساتھ صبر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اچھا اگر اب بھی میں صبر نہ کر سکا اور آپ سے کچھ پوچھ بیٹھا تو بے شک آپ مجھے ساتھ نہ رکھیے گا۔ کیونکہ میری طرف سے عذر پورا ہو جائے گا۔

فَانْطَلَقَا ٙ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ۣ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝

پھر دونوں چلے۔ حتیٰ کہ ایک گاؤں کے لوگوں کے پاس آئے اور ان سے کھانا مانگا۔ انہوں نے ان کی مہمانی سے انکار کیا۔ پھر پائی ان دونوں نے اس (گاؤں) میں ایک دیوار کہ گرا چاہتی تھی پس (خضر علیہ السلام نے) سیدھا کھڑا کر دیا اس کو۔ (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا اگر چاہتا

Marfat.com

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ (۱۸: ۷۷-۷۸۔ پ۱۶ ۔ ۱؍) تو البتہ لیتا اس کام پر مزدوری۔ کہا خضر علیہ السلام نے یہ جدائی ہے میرے اور تیرے درمیان۔

مدعا اس بیان سے یہ ہے کہ ناحق کشتی کا پھاڑنا اور بے گناہ لڑکے کا قتل کرنا اور بلاوجہ ایک دیوار کا کھڑا کرنا سب بظاہر شرع شریف کے خلاف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام صبر نہ کر سکے۔ اور کرتے بھی کیسے جب تک اُن کو ان اسرار سے مطلع نہ کیا جاتا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قانون شریعت کے رو سے سراسر حق پر تھے۔ لیکن ایسے شخصوں کے لیے بظاہر شریعت کی قید نہیں رہتی ہے۔ شریعت دراصل ہمارے لیے کسی حد کی پابندی کا نام ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کو لمحوظ رکھتے ہوئے نظام عالم کی درستی کے لیے من اللہ مقرر کی گئی ہے۔ مگر ایسے شخصوں کے لیے شریعت بھی الگ ہوا کرتی ہے۔ شریعت ہر چند اوامر و نواہی یعنی احکام خداوندی کی ادائیگی اور پابندی کے سوا نہیں ہے۔ اور ایسے شخصوں کا کوئی فعل بھی اپنے ارادہ سے نہیں ہوا کرتا ہے۔ یہ ماموؔر من اللہ ہوتے ہیں۔

۱؎ تعریف مأمور: جاننا چاہیے کہ مامور کا ترجمہ ہے امر کیا گیا۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ ایسے عباد اللہ کا کوئی کام شریعت غرا کے خلاف نہیں ہوا کرتا۔ فرق صرف اتنا ہوا کرتا ہے کہ عوام شریعت سرشتی توفیق (جس کے دو رُخ خیر و شر کے متقضی ہیں) ضروریات نفسانی و روحانی کے پورا کرنے کے لیے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے واسطے حدود مقررہ ہوتی ہیں۔ جس پر انسان عمل کر سکے اور کسی امر میں تنگی واقع نہ ہو۔ لیکن مامور کے لیے امرِ الٰہی کے بغیر کوئی اختیار ہی نہیں رہتا۔ نفسانیت کو جڑ سے اُکھیڑ کر روحانیت کا شجر ان کے وجود با جود میں نشو و نما پاتا ہوا ثمر سے بار آور ہو جاتا ہے۔ جیسا قرآن مجید میں صاف ذکر ہے کہ مَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي یعنی میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کیے ہیں بلکہ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے اس لم یزل ولا یزال کی طرف ہی سے ہے۔ ایسی ہستیوں کو مولیٰ کریم نے اپنے کام کے لیے تنہا کیا ہے اور اس سے مقصود سنت اللہ کا اجرا ہے ۱۲ منہ رحمۃ اللہ علیہ۔

Marfat.com

جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان تینوں امور کی علت وتاویل بیان کرنے کے بعد فرمایا وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ (اور یہ کچھ میں نے اپنے حکم سے نہیں کیا)۔ یہ سنت اللہ جاری ہے اور تاقیامت جاری اور ساری رہے گی کہ ہر کام میں اس کا رہنما اور پیشوا بنایا جائے اور ہر محل ومقام میں اسی کے موافق تصرف من اللہ ہو۔ ورنہ دست غیب سے کشتی کا پھاڑنا اور بلا وجہ لڑکے کی روح اپنے حکم سے قبض کر لینا اور ایسے ہی بغیر اسباب کے دیوار کا کھڑا کر دینا بعید از قدرت نہ تھا۔ اور یہ سراسر حال ہے جس کی تقلید قطعاً حرام ہے۔

طبقۂ جہلا جو حال سے قطعاً کچھ نسبت نہیں رکھتے اور اسرار الہیہ سے ان کو کچھ نصیب نہیں ہوتا، شریعت غرا کے خلاف (جو بلا شبہ اس عمارت کی بنیاد ہے) اپنے زعم میں مدارج ومعارج کے بالاخانے میں جاگزیں ہوتے کے مدعی وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ[1] کے مطابق محض اپنی خواہشات سے مامور بن بیٹھتے ہیں۔ ماموریت کا حال تو در کنار اس کے معانی تک کے واقف نہیں ہوتے محض میدان شریعت اور فرماں برداری کی حد سے تجاوز کرنے کو معیار عشق الٰہی قرار دے رکھا ہوتا ہے۔ حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش قدس سرہٗ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ "جو شریعت کے حکموں کو فنا کرے لوگوں کے نزدیک ولی ہوتا ہے لیکن میرے نزدیک وہ شیطان ہے"۔ اس زمانہ میں حضرتنا ومولینا شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مطابق حال یوں ارشاد فرمایا ہے کہ "آج کل تو مطابق فرمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخیر زمانہ آئے گا، اندھا اندھیر پڑ جائے گا" معاملہ بالکل اصل کے خلاف ہو گیا ہے"۔ نہ صرف نافرمان، بدعتی اور مخالفین احکام اللہ ورسول ہی حق سے انکار کرنے والے ہیں، بلکہ میدان شریعت میں عمل کے لحاظ سے اس قدر تفاوت ہو چکا ہے کہ معانی اصل کے خلاف ہو گئے ہیں۔ اور

---

[1] اور پیروی کی اپنی خواہش کی تو مثال اس کی مانند مثال کتے کی ہے۔

Marfat.com

وہ اس طرح کہ فقہ کا انکار کرنے والے "اہل حدیث" ہونے کے دعوی دار ہیں، اور حدیث شریف کے منکر اہل قرآن کہلاتے ہیں، اور قرآن مجید سے برطرف جانے والے "مومن"۔ اور اللہ و رسول کے برخلاف چلنے والے اور تمام حدود شرعی کو توڑنے والے "ولی"۔ الامان۔

مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ مامور من اللہ شریعت غرا کے خلاف نہیں ہوتے بلکہ ان کا ہر فعل دراصل شریعت یعنی امر الٰہی کے موافق ہوا کرتا ہے۔ ان کے ارادے ان ہی سے اٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی فعل بھی امر خداوندی کے سوا نہیں ہوتا ہے۔ جیسا اوپر گزر چکا ہے۔

اعتقاد فی التوحید

اعتقاد دراصل کسی چیز پر ایقان یعنی ایمان رکھنا ہوتا ہے۔ اور اس جگہ اعتقاد فی التوحید سے مراد اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت پر ایمان کے سوا نہیں ہے، جو دو حصوں پر منقسم ہے۔ اوّل "ظن"، دوسرا "رویت"۔ ظن کا مثبت دلیل تک ہے اور رویت کا انحصار حقیقت پر۔ شرع شریف کے حکم سے اس لم یزل و لایزال، بے مثل و بے مثال، قادر ذوالجلال و الاکرام کی ذات پر مع صفات تامہ کے ایمان یعنی ایقان رکھنا اعتقاد فی التوحید کی دلیل ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ توحید فی الذات بلاظہور اَلآنَ کَمَا کَانَ کی مقتضی ہے جس کے علم و حال سے نہ کوئی واقف ہوا اور نہ ہی ہو گا۔ کیونکہ یہ تصدیق بالحال ہے جو الی الخلق مردود ہے۔ جیسا کہ تصدیقات کے بیان میں پہلے مفصل ذکر کیا جا چکا ہے۔ دوسرا توحید فی السر ہے، جو روحانیت یعنی عالم ارواح کے میدان میں ظہور اسرار رکھتی ہے۔ تیسری توحید فی الخلق ہے جس کا ظہور تام موجود ہے۔

Marfat.com

یاد رکھنا چاہیے کہ مولیٰ کریم کی صفات دو وجہ پر عیاں ہیں:
اوّل صفات بالذات۔ جیسے حَیّ۔ قَدِیر۔ سَمِیع۔ بَصِیر۔ عَلِیم۔ کَلِیم۔ مُرِید۔
یہ صفات بالذات ہیں جن کو ذات معلّٰی سے ایسا اتحاد ہے جو کبھی منفک نہیں ہو سکتا۔
عقائد نسفی والوں نے ذات اور صفات میں تعدد کے خوف کو ملحوظ رکھتے ہوئے بلا وجود
برزخ کو روا رکھا ہے۔ ورنہ دراصل یہ صفات تابع ذات محض ذات ہی ہیں۔
دوسری صفات بالفعل ہیں جن کا ظہور الی الخلق ہے۔ جیسے خَالِق۔ رَازِق۔
رَحمٰن۔ رَحِیم۔ کَرِیم۔ حَکِیم۔ غَفُور۔ سَتَّار۔ جَبَّار۔ قَہَّار وغیرہم۔
گو مخلوق میں سے حضرت انسان کو خداوند کریم نے مطابق فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ
عَلَیْہَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ [1] الآیۃ اپنی صفت یعنی سرشت پر تخلیق کیا ہے۔ اور صفات
ذاتیہ سے اس کو ایسا اتحاد ہے جس کی تمیز محال ہے۔ تاہم تخلیق کے میدان میں اپنے مقام
محل کے رو سے صفت بالفعل ہی کے مترادف ہے۔
مخلوق حدث کا محل ہے اور ذات باری تعالیٰ قدیم۔ اس عزیز الحکیم کی قدرت کاملہ
کا ظہور اور علم و تعلیم اسی اسباب حدث سے وابستہ ہے۔ کیونکہ قبل ازیں عالم امر کے میدان
میں سوائے انبیائے کرام کے کوئی علم نہیں رکھتا تھا۔ اور اس علیم خبیر کی خبر کے بغیر آج بھی
اس سے جاہل ہے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جو اپنے سے جاہل ہو وہ اپنے غیر سے اجہل
ہوا کرتا ہے۔ اس لیے اعتقاد فی التوحید میں اسلام کے احاطہ میں دو گروہ ہو رہے ہیں
ایک صاحب حال ہیں جن کو بفضلہ تعالیٰ حسب استعداد رویت نصیب ہے اور وہ
عارف باللہ ہیں۔ دوسرے محض ظن کے ٹٹو پر سوار تنقید کے دریا میں ظاہری دلیل

---

[1] بناوٹ خدا کی وہ ہے کہ بنایا اس پر آدمیوں کو نہیں بدلنا واسطے پیدائش خدا کے۔

Marfat.com

کے بھنور میں غوطہ زن ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ دلیل ظاہری محکمات سے ہے جو عوام و خواص کے لیے نہایت ضروری ہے اور اسی پر مذہب کا انحصار ہے۔ صاحب حال اس دلیل سے عینی دلیل کے مشاہدہ سے تقویت حاصل کرکے مسرور ہونے والے ہوتے ہیں۔ اور محض ظاہری دلیل سے اس لم یزل ولایزال کی ذات معلیٰ میں کلام کرنے والے اکثر خطا کار ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خُلف وعید کے مسئلہ میں علمائے دین متین سخت اختلاف میں پڑ گئے اور بجائے

ردّ امکانِ کذب

کرنے کے امکان کذب باری تعالیٰ کے قائل ہو گئے۔ معانی اصل کے خلاف کے معتقد ہوئے اور اس بیان میں کتابیں لکھ دیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ	اور بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہے کہ جھگڑا کرتا
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ	ہے بیچ خدا کے بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے
مُّنِيْرٍ ۝ (پ ۲۱ - ۱۳)	اور بغیر کتاب روشن کے۔

اے بھائی، مولیٰ کریم تجھے نیک سمجھ عطا فرمائیں! فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ کے میدان میں انسان کی دوڑ عمل کے رُو سے عالم امر تک ہے۔ اور یہ عروج اور منازل و مدارج حجاب کے دُور ہونے کے سوا نہیں ہے۔ ہر مقام و حال میں ہر انسان ما فی الضمیر کا معائنہ و مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے۔ گو آفتاب حقیقت کی شعاعیں اس کے آئینۂ قلب کو منور کرتی ہیں تاہم وہ اپنے حال کے میدان سے قدم باہر نہیں رکھ سکتا۔ اس کی مثال اس طرح پر ہے کہ آنکھ

لے قبل ازیں معرفت الٰہی کے ضمن میں یہ بیان گزر چکا ہے۔ لہٰذا دوبارہ تحریر کرنا تحصیل حاصل کے مترادف ہے۔

Marfat.com

باوجود صحیح وسالم ہونے کے سوائے آفتاب کی ضیاء کے روشن نہیں ہو سکتی اور اندھیرے کے سوا کچھ نہیں دیکھتی۔ یا یوں سمجھیے کہ باوجود روشنی حاصل کرنے کے جس طرح کی عینک سے آنکھ معائنہ کرے گی ویسی ہی ہر چیز کی رنگت پائے گی۔ جن اصحاب کو بصارت قلبی سے حصہ نہیں ہے اور صرف ظاہری دلیل ہی پر ان کا انحصار ہے، اور محض ظن جو معرفت کے میدان میں مطابق کلام الٰہی اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا[1] کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ان صاحبان کی غلطی کا سبب یہی ہے۔ وہ موافق وسعت انسانی مافی الضمیر ہی کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کا ایقان اس کے سوا نہیں ہے۔ ایسے انسان جو کچھ بھی کہتے ہیں اپنی ہی تعریف کرتے ہیں، اور خدائی صفات ذاتیہ اور فعلیہ کو اپنے ہی معیار پر دلیل پکڑتے ہیں، جو سراسر نادانی اور جہالت ہے۔ اور یہ اس لیے کہ حدث کے سوائے صفات فعلیہ مولیٰ کریم کے کوئی نسبت نہیں ہے یعنی حدث کو قدم سے کوئی مماثلت نہیں ہے۔ گو تعلق ذات باری تعالیٰ کسی محل ومقام سے بُعد وقرب کا مقتضی نہیں ہے۔ یہ محل ومقام بعد وقرب ہمارے ہی عارضہ کی وجہ سے ہے تاہم انسان کو اپنے علم وحال کے سوائے (جو کچھ ماخوذ فی الضمیر رکھتا ہے) کوئی ادراک نہیں ہے معرفتِ الٰہی اور اس میں کلام تو درکنار، مخلوق میں سے ایک کو دوسرے کے حال سے کما حقہٗ علم محال ہے۔ اس کو یوں سمجھنا باعث تصدیق ہوگا کہ ایک شخص کو بخار یا درد سر ہے، اور وہ اس میں بے قرار ہے۔ تو معائنہ کرنے والا جو کبھی خود بخار میں مبتلا ہوا ہوگا یا اس کو درد سر ہوا ہوگا اس پر بیمار کی تکلیف کا قیاس کرے گا۔ لیکن کیفیت درد یا بخار اس بیمار کی سے کچھ علم حاصل نہ کر سکے گا۔

مولیٰ کریم کی کسی صفت (فعلیہ ہو یا ذاتیہ) کے علم کا حصول قطعاً ممکن نہیں ہے۔ اور اس پر حکم کرنا جہالت بلکہ ظاہرا مکابرہ ہے۔ دیکھیے! حدث تغیر کا محل ہے، اور اس ذات پاک

[1] بیشک ظن حقیقت سے کچھ بھی مستغنی نہیں کرتا۔

Marfat.com

کے لیے تغیر روا نہیں ہے۔ گو اس بے مثل و بے مثال کے لیے کوئی مثال درست نہیں آسکتی تاہم فہمید کے لیے چارہ نہیں کہ اصل میں تغیر روا نہیں ہے لیکن فرع سراسر تغیر کا محل ہے۔ مولیٰ کریم نے اپنے کلام پاک میں ہماری دانش کے لیے ارشاد فرمایا ہے:

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ (پ ۲۶ ع ۱۸) اور بیچ جانوں تمہاری کے کیا پس تم دیکھتے نہیں؟

تو جاننا چاہیے کہ ہمارے نفوس اور روح کی مثال اظہر من الشمس ہے جس کو قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ[1] کے ارشاد سے مزین فرمایا ہے۔ وجود تغیر کا محل ہے اور روح اصل الاصول۔ تمام صفات (سماعت و بصارت اور تکلم وغیرہ) کا موصوف روح ہی ہے اور وجود میں کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ[2] کی سنت پر کام کر رہا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ روح امر الٰہی سے عالم امر کے میدان میں روحی تخلیق کے سوا نہیں ہے جس میں ادراک عاجز ہے۔ تو اس لم یزل ولایزال کی ذات میں کسی وجہ سے حکم کرنا خطا کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟ رہا دلیل اور نص سے تصور کے میدان میں ذات پاک اور اس کی کسی صفت کو متصور کرنا، سو تخیل اور ظن کے سوا نہ ہوگا جو حقیقت سے کوسوں دور ہی رہے گا۔ اسی بنا پر قادریت ذوالجلال والاکرام کے ثبوت پر خلعت وعید کے امکان اور اس کے ضمن میں امکان کذب باری تعالیٰ کا اطلاق جائز رکھا ہے ——— ہیہات! قادریت کے ثبوت کے لیے نص قطعی:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ۔ (پ ۵ ع ۸) اور کون بہت سچا ہے اللہ سے بات میں

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ۔ (پ ۵ ع ۱۸) اور کون بہت سچا ہے اللہ سے کلام میں

اور اپنے فرمان:

---

[1] کہہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔ [2] ہر کوئی اپنی شکل پر عمل کرتا ہے۔

Marfat.com

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ہ (پ۳۔ ع۹)   یقیناً اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

کے خلاف خُلفِ وعید اور امکانِ کذب کے قائل ہوئے ہیں جو اس ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کے قطعاً لائق نہیں ہے۔ کیا ان کو قادریت کے اثبات کے لیے اور کوئی وسائل نہیں مل سکے؟ اگر آریہ یا نصرانی اس قسم کا کلام کرتے تو زیبا تھا۔ اب خلافِ اسلام گروہ اس اعتقادِ سوء سے مفاد اور سند حاصل کریں گے۔

اس امر کو تو یہ گروہ تسلیم کرتا ہے کہ نہ کبھی اس ذات پاک نے وعدہ کا خلاف کیا ہے اور نہ ہی کرے گا۔ نہ کبھی معاذ اللہ جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی کبھی بولے گا۔ صرف عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے" کی زبردست صفت اور تصرف کے اجرا کو روا رکھتے ہوئے دائرۂ امکان میں قدم زن ہوئے ہیں۔

اس میں کلام نہیں کہ مخلوق اس قادرِ مطلق کے تصرف میں سرتاپا محو اور بے اختیار ہے۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ[1] اور یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ[2] کی قدرتِ کاملہ کا احاطہ اس قدر وسیع ہے جس کی کوئی حد و حصر نہیں۔ فرمان مولیٰ کریم:

اِنْ یَّشَاْ یُذْھِبْکُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ   اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور کوئی نئی مخلوق لے

جَدِیْدٍ ہ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ ہ   آئے اور یہ اللہ تعالیٰ پر کچھ مشکل نہیں (پ۲۲۔ ع۱۵)

اور یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (یعنی گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے) اور ایسی آیات شریفہ تقدیر کے مترادف ہیں (جن کا بیان تقدیر کے عنوان کے تحت میں گزر چکا ہے)۔ لیکن بلاوجہ سارے قرآن مجید میں ایک آیت بلکہ ایک لفظ بھی نہیں پایا جاتا۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ اور لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ

---

[1] کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔   [2] حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے

Marfat.com

یحزنون مومن اور ولی کے لیے وعدہ، اور منکرین کو بما کانوا یکسبون کی وجہ پر سخت وعید فرمائی ہے۔ اور بمصداق اُملی لھم اِنّ کیدی متین کی تاخیر فی الدنیا، اور آخرت میں اَشَدِّ العذاب یعنی نہایت سخت عذاب کا حکم ہو رہا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رحیم بھی ہیں اور قہار بھی، رحمٰن بھی ہیں جبار بھی، غفور بھی ہیں غفار بھی، عزیز ذوانتقام بھی ہیں ستار بھی۔ لیکن یہ سب کی سب صفات ہمارے حال و افعال کی وجہ پر ہیں ورنہ مطابق کلام اللہ:

کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ (پ۔۷)	لازم کیا ہے اس نے اپنی ذات پر مہربانی کو۔
وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا	اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ساتھ اس چیز کے کہ کماتے
کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَا مِنْ دَآبَّۃٍ	ہیں نہ چھوڑے اوپر پشت زمین کے کوئی چلنے والا
وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُھُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی	ولیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو ایک وقت مقرر تک
فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ	پس جب آئے گا وقت مقرر ان کا پس تحقیق اللہ
بِعِبَادِہٖ بَصِیْرًا ۰ (پ۲۲۔۱۶)	ہے ساتھ بندوں اپنے کے دیکھنے والا۔
وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا ۰ (پ۱۵۔۱۸)	تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔
وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰہُ وَلٰکِنْ	اور نہ ظلم کیا ان کو اللہ نے ولیکن اپنی جانوں پر
اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ ۰ (پ۔۳)	ظلم کرتے ہیں

مولیٰ کریم کسی پر ظلم نہیں کرتے، اس لیے ثابت ہوا کہ یہ جو کچھ تغیر و تبدل کی صورت ہے

۱؎ اللہ سرپرست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے طرف نور کی۔ اور نہیں خوف ہے اوپر ان کے اور نہ وہ غم کھائیں گے۔

۲؎ بسبب اس چیز کے کہ کماتے تھے۔ ۳؎ مہلت دیتا ہوں میں اُن کو یقیناً میری تدبیر درست ہے۔

Marfat.com

ہمارے حال کی وجہ پر ہی نازل ہوئی ہے۔

باوجود ان امور کے ایک عجیب بات ہے کہ جن قوموں پر ان کی کرتوتوں کی وجہ سے عذاب نازل ہوا اور ہلاک کر دیے گئے، بعد از سزا بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ کا حکم ہوا ہے یعنی میرے قرب کے بدلے وہ دُور کیے گئے، رد کیے گئے۔ مولیٰ کریم کا معاملہ انسان کے ساتھ محبت کا ہے، اور قرب خداوندی انسان کے لیے سب سے اعلیٰ مرتبہ اور اصل مقصود ہے اسی طرح بُعد خداوندی اسفلیت اور محرومیت ہے۔ چنانچہ دوزخیوں کے حق میں اِنَّھُمْ عَنْ رَّبِّھِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ[1] کا ارشاد اظہر من الشمس ہے جو حقیقت دوزخ پر دال ہے۔ تو یہ قرب و بعد اور رحمت و زحمت ہمارے لیے ہے۔ اس ذات پاک کے لیے (جیسا توحید فی الخلق کے ضمن میں گزر چکا ہے) روا نہیں ہے۔ ہاں مخلوق کے لیے اس کی رضامندی اور ناراضی ہے۔ اگر تمام مخلوق فرماں بردار ہو جائے یا دوسری صورت میں نافرمان ہو جائے تو اس ذات معلیٰ میں کمی بیشی کا سبب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ تمام اسباب نقائص سے پاک ہے اور ہر طرح کے تغیر و تبدل سے مبرا ہے۔

اس سے یہ مفاد حاصل کرنا بعید از تحقیق نہ ہوگا کہ جس طرح مولیٰ کریم کی ذات پاک کسی تغیر کا محل نہیں ہے۔ اسی طرح اس کی صفات میں بھی کوئی خلل واقع نہیں ہو سکتا۔ صفت فعلیہ ہو یا ذاتیہ، اپنی صفت کی ضد نہیں رکھتی۔ صفت بالفعل جیسے "رحیم" ہیں اور "ظالم" نہیں ہیں، اور نہ ہی کبھی ہوں گے۔ علیٰ ھذا القیاس۔

قضیہ اوّل عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی وجہ پر ہے۔

تو ہر چیز قبل از ظہور متحقق بالذات تھی۔ جب قدرت کاملہ نے یَشَآءُ کو ارادہ کے سپرد

---

[1] یقیناً وہ اپنے رب سے اس دن حجاب میں ہوں گے۔

Marfat.com

کرتے ہوئے امر یعنی کُن کا ایما فرمایا تو شَیْکُون کی صورت ظہور پذیر ہو گئی۔ اور ہر چیز کا وجود (جو شئے کے مترادف ہے) عیاں ہو گیا۔ تب ارشاد فرمایا:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ ط (پ۔ ع)	اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے مگر ساتھ حق کے۔

یعنی تحقق بالذات سے عالم امر اور عالم امر سے تخلیق موجودات کو حق سے حق پر پیدا کیا گیا۔ تو حق سے کذب کی نسبت مولیٰ کریم کی طرف تو درکنار مخلوق کی طرف بھی روا نہیں ہے مطابق کلام اللہ جل شانہٗ:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط (پ۔ ع)	جو کچھ پہنچتا ہے تمہیں بھلائی سے پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو پہنچتا ہے برائی سے تو وہ تمہارے نفسوں کی طرف سے ہے۔

فضیلۂ دوم: اگر قادریت کے میدان ثبت میں ان کے مسلمات کو مان لیا جائے تو تین امور کو تسلیم کرنا پڑے گا: (۱) قادریت (۲) امکان (۳) احتمال۔

اگر قادریت میں امکان کی نفی قادریت کی نفی قرار دی جائے تو ذات مولیٰ کریم کی قدرت یا کھلے لفظوں میں عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کا مفاد اٹھ جاتا ہے، اور یہ محال ہے۔ اس لیے باوجود خُلفِ وعید اور کذب کے عدم وجود کے مقر ہونے کی صورت میں بھی امکان کی قید لازم آتی ہے اور وہ اس طرح پر کہ گو یہ امر مسلمہ ہے کہ باری تعالیٰ نے نہ تو کبھی وعدہ کے خلاف کیا ہے اور نہ ہی کرے گا، نہ کبھی جھوٹ بولا ہے اور نہ ہی کبھی بولے گا۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کسی فعل کے کرنے پر قادر ہی نہ ہو۔ یا دوسرے لفظوں میں وہ کسی فعل کو کر ہی نہ سکتا ہو۔ اگر معاذ اللہ ایسا کہیں تو قادریت کُل کی نفی جز کی نفی کے ساتھ منتفی ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

اگر یہ امر معقول اور دلیل درست ہے کہ ذاتِ مولیٰ کریم ہر نیک و بد فعل پر قادر ہیں تو لازم آئے گا اور کہنا پڑے گا کہ ہر فعل خواہ اس سبحانہٗ و تعالیٰ کے لائق ہو یا نہ ہو، اس کا صدور ممکن ہو۔ اگر قادریت کی صفت میں امکان کا اُٹھ جانا عجز کی دلیل سے وابستہ ہو تو قرآن شریف پر بھی احتمال لازم آئے گا کہ اگر کذب کا امکان اس باری تعالیٰ کے لیے ہے تو کلامِ الٰہی میں (جس میں جھوٹ کا دخل ہرگز نہیں ہے اور نص اس پر شاہد ہے) امکان کی وسعت میں جھوٹ کا احتمال ہو۔[1] قرآن حکیم میں فرمانِ مولیٰ کریم ہے:

تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ وَ — قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں اس سے اور زمین
تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا — شق ہو جائے اور پہاڑ گر پڑیں کانپ کر اس سے
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا یَنْبَغِیْ — کہ دعویٰ کیا انھوں نے واسطے اللہ کے اولاد کا اور
لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ۞ (پ۱۶۔ ۸) — نہیں لائق واسطے رحمٰن کے یہ کہ پکڑے اولاد۔
اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ — کس طرح ہو واسطے اس کے اولاد نہیں
لَّہٗ صَاحِبَۃٌ ؕ (پ۷۔ ۹) — واسطے اس کے جورو۔

[1] امکانِ کذب اور خلفِ وعید کی بحث بڑی بسط کے ساتھ صفحہ نمبر ۴۳۴ تک چلی گئی ہے۔ بعض احباب کا خیال تھا کہ تائید اً متکلمین کی کتب سے کچھ عبارتیں ساتھ ساتھ درج ہوتی چلی جائیں لیکن ایک تو چونکہ وہ عربی میں ہیں اور عربی سے ناواقف حضرات کے لیے ان کا کچھ فائدہ نہیں اور اہلِ علم حضرات ان سے بخوبی واقف ہیں۔ دوسرے خود صاحب "الانسان فی القرآن" نے قرآن مجید کے علاوہ اور منقولات سے حتی الامکان عمداً اجتناب کیا ہے اس لیے ان کا اندراج غیر ضروری سمجھ کر ترک کیا گیا ہے۔ البتہ جنہیں کچھ تردد ہو وہ کتاب المسامرہ ص۳۱ پر ممکنات اور ممتنعات کی بحث اور ص۸۳ پر کذب باری کی بحث دیکھ لیں۔ بلکہ تفصیل سے ساری بحث کا مطالعہ کریں۔ ہاں ایک بات قابلِ غور ہے کہ باوجود مفہوم ایک ہونے کے متکلمین کی اصطلاحیں الگ ہیں اور آپ کی الگ۔ یہ اس بات کی بین دلیل ہے کہ آپ نے ان سے استفادہ نہیں فرمایا اور نہ ہی آپ نے کبھی کوئی کتب بغرض مطالعہ رکھی (جیسا کہ دیباچہ میں ذکر کیا گیا ہے) بلکہ یہ جو کچھ ہے عنایتِ الٰہی سے علمِ لدنی اور القائے ربانی ہے جو سراسر کرامت پر

Marfat.com

یعنی تثلیث کے قائلین کے حق میں فرمایا ہے، قریب ہے کہ آسمان و زمین پھٹ جائیں کہ یہ خدا کی اولاد بناتے ہیں ــــــ جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے تو اولاد کیسے ہو؟ تو اس سے امکان کے ضمن میں احتمال ہو سکتا ہے کہ اگر اس کے بیوی ہو تو اولاد ہونا ممکن ہے ــــــ معاذاللہ اس صورت میں صرف اس قدر ہی نہیں کہ امکان کذب اور خُلفِ وعید ہی پر بس ہو۔ بلکہ ہر فضل جزوی کی نفی کُل کی نفی پر دلالت کر سکتی ہے۔ مثلاً موت اور صم و بکم وغیرہ۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

تعریف کذب:

سب سے پیشتر جس چیز کی نسبت حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف کی جا رہی ہے اس کا علم ہونا چاہیے اور یہ دو نوع پر منقسم ہے: ایک کسی چیز کے وجود کے عدم میں اس کا ثبوت دینا۔ دوسرا اقرار یا وعدہ کرنا اور اس کے پورا کرنے پر قادر نہ ہونا یا عمداً وعدہ پورا نہ کرنا۔

پہلی نوع کذب کئی وجہ پر منقسم ہے:

(۱) کسی پر جھوٹا الزام دینا جس کو بہتان کہا جا سکتا ہے۔ خواہ کسی مطلب برآری کے لیے ہو، یا اس کو حسد کی وجہ سے نقصان پہنچانے کی خاطر ہو۔

(۲) دوسرا خود ستائی اور رعونت طبع کی وجہ پر نفسانیت کی رُو سے ہُوا کرتا ہے۔

(۳) تیسرا کسی مصیبت کو ٹالنے یا کسی حاکم کے سامنے باوجود ارتکاب جُرم کے سزا سے بچنے کے لیے انکار کی وجہ پر ہے۔

(۴) چوتھا لغویات اور شہوت زبان کی بدعادت سے ظہور ہُوا کرتا ہے۔

(۵) پانچواں کسی کے بچاؤ یا ہمدردی کی وجہ سے کذب کو استعمال کیا جاتا ہے جس میں کسی قدر خیر کا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح دشمن کو جہاد کے موقع پر دھوکا دینا، یا صحیح بات میں

Marfat.com

مبالغہ کرنا وغیرہ وغیرہ ہوا کرتا ہے۔

بہرحال کسی چیز کے عدم وجود پر حکم کرنے کے سوا نہیں ہے۔ یہ عوارضات انسانیہ ہیں جو عیوب ہیں۔ پھر خلفِ وعید کیسے جو وقوع کذب کو مستلزم ہے۔ وہ ذاتِ حق سبحانہ وتعالیٰ اِن تمام عوارضات سے مبرّا و منزّہ ہے۔ بلکہ ایسا شبہہ کرنا بھی روا نہیں ہے اور اس قسم کی نسبت ذاتِ پاک کی طرف کرنا کفر ہے۔ کذب انسان کے لیے گناہ ہے اور نفس کا شیوہ ہے

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

نیک صفاتِ انسانیہ جو سراسر عنایتِ الٰہی اور عطائے غیر متناہی (جن کا اتحاد معنوی اور نسبت مولیٰ کریم کے ساتھ وابستہ ہے) ذات سے مماثلت نہیں رکھتی ہیں۔ مثلاً علم، کلام، حیات، قدرت، سماعت، بصارت، ارادہ۔ علم کو علیم سے، کلام کو کلیم سے، حیات کو حی سے، قدرت کو قدیر سے، سماعت کو سمیع سے، بصارت کو بصیر سے اور ارادہ کو مرید سے ایسا اتحاد معنوی ہے جس میں تمیز محال ہے لیکن یہ صرف ابدی ہیں اور ذاتِ مولیٰ کریم ازلی اور ابدی۔ باوجود ابدی ہونے کے انسان کی صفات ذاتیہ کو (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) ذاتِ اقدس سے کوئی مماثلت نہیں ہے۔ بلکہ ایسا خیال کرنا بھی شرک ہے۔ اور وہ اس لیے کہ انسان کی صفات مقام و محل کے رُو سے تقسیم کے سوائے علم نہیں رکھتیں۔ اور اس ذوالجلال والاکرام کی صفات ذاتیہ کی تقسیم محال۔ سمیع ہیں مگر کان نہیں رکھتے۔ بصیر ہیں مگر آنکھ نہیں کلیم ہیں مگر زبان کے محتاج نہیں۔ حی ہیں لیکن اس کے لیے کسی ظرف کی احتیاج نہیں۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔ بلکہ ہر ایک صفت اپنی صفت کی بھی مقید نہیں ہے۔ واصفِ کُل لامحدود ہیں یعنی سمیع ہیں تو سارے ہی سمیع ہیں، اور بصیر ہیں تو کل۔ اسی طرح سب صفات میں کُلّیت کا حکم رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اپنی صفات کی ضد نہیں رکھتے۔ بلکہ ہر ایک صفت دوسری کی ضد نہیں،

Marfat.com

تقسیم و تقسیم سے مبرا ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝ (پ ۲۵۔ س ۱) — نہیں ہے مانند اس کے کوئی چیز اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

سمیع و بصیر تو ہیں لیکن کسی چیز کی مثل سماعت و بصارت نہیں ہے۔ مثلاً حی بھی ہیں اور قدیر بھی ہیں۔ قادریت حیٰ کے منافی نہیں ہو سکتی اور حی قدرت کے یعنی اس بات پر وہ ذات قادر نہیں ہے کہ مر سکے۔ کیونکہ صفت حی قدرت رکھتی ہے اور قدرت صفت حی۔ بلکہ ہر صفت ذاتیہ ذات سے منفک نہیں ہے۔ نہ ہوتی ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ دراصل صفات ذاتیہ ذات ہی ہیں۔ غرض صرف اتنا ہے کہ ذات کی صفت ہیں نہ کہ ذات۔ لیکن ذات سے کسی صورت منفک نہیں ہیں۔

صفات ذاتیہ کے سوا ذات باری تعالیٰ میں کسی صفت بالفعل کا دخل نہیں ہے۔ بلکہ صفت مرید کا ظہور صفت بالفعل ہے یعنی مشیتِ ایزد متعال کا ایسا ارادہ ذوالجلال و الاکرام کی طرف اور اس سے امر یعنی کُن کا ظہور فیکون کے لباس میں عیاں۔

اوپر گزر چکا ہے کہ ذاتِ معلّی کی صفت بالفعل ہو یا صفت بالذات اپنی صفت کی ضد نہیں رکھتی، جیسا کہ نص قطعی سے ثابت ہے۔ ان صفات کے سوا قہّار، جبّار و مثلہما اسمائے الٰہی جن کا شانِ نزول ہمارے حال کی موافقت پر ہوا، تمام مخلوق کے لیے شامل نہیں ہے۔ چونکہ میرا مقصود اس ضمن میں طول دینا نہیں ہے اس لیے صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ صفت بالفعل جس کی نسبت مخلوق کی طرف ہے تضاد کے رد کرنے کے لیے بحث و تنقید کی ضرورت ہے جو کسی قدر اختصار کے ساتھ ہو چکی ہے۔ اب صرف اس قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ ان اوصاف سیئہ کی نسبت مولیٰ کریم کی طرف قادریت کے میدان میں جائز کی

Marfat.com

ضرورت رکھتی ہے یا نہیں؟

تعجب تو یہ ہے کہ صریح نص کے خلاف ذات باری تعالیٰ کی طرف خُلفِ وعید اور کذب کو منسوب کیا ہے۔ حالانکہ قرآن الحمید میں ارشادِ مولیٰ کریم لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ[۱] بالکل صاف اور عیاں ہے۔ تو جس فعل سے وہ ذوالجلال والاکرام بیزار ہوں اس کے لیے مشیّت ایزدِ متعال اور امکان قطعاً روا نہیں ہو سکتا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَادِ۔[۲] معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قادرِ مطلق کی قادریت کو سمجھا ہی نہیں محض اپنے زعم کے ڈھانچہ میں قادریت کو اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[۳] کی رُو سے ایسا ڈھالا ہے کہ معانی اصل کے خلاف ہو گئے۔ ورنہ قادرِ مطلق کی قدرت کی حقیقت اس کے خلاف کی مقتضی ہے۔ کیونکہ ہر قسم کا جھوٹ اور وعدہ خلافی جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، قادریت کے منافی ہے۔ اور وعدہ کا پورا نہ کرنا اور کسی کمزوری یا ڈر یا بچاؤ یا حیلہ کی وجہ سے جھوٹ بولنا کمال عجز کی دلیل ہے۔ تو جس ذاتِ معلّیٰ کے لیے قدرت اور مشیّت اتم ہو، اس قادرِ مطلق کے لیے ایسا امکان یا احتمال کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسا اشتباہ سراسر نادانی اور جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ ارشادِ مولیٰ کریم اپنے امر اور فعل کے لیے اظہر من الشمس ہے اور اس اشتباہ و امکان کے رد کرنے کے لیے بیّن دلیل ہے۔

اے بھائی! مولیٰ کریم تجھے نیک سمجھ عطا فرمائیں اور اپنے علم کی دولت سے مالا مال کریں۔ وعدہ کے ایفا کا انتظار اس کے کرنے یا نہ کرنے تک ہوا کرتا ہے۔ اگر مطابق وعدہ ایفا ہو گیا تو سچ، ورنہ جھوٹ۔ لیکن اس لم یزل ولایزال کے کسی وعدہ کے لیے انتظار کی گنجائش نہیں۔

---

[۱] لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی جھوٹوں پر۔ [۲] پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے بُرے اعتقاد سے

[۳] بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

Marfat.com

کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: کَانَ وَعْدُہٗ مَفْعُوْلًا یعنی جو وعدہ ہوا اس کا ایفا ہوگیا۔ تو اس صورت میں اس قادرِ مطلق کی قدرت کے لیے خلفِ وعید کس حساب میں ہو سکتا ہے، اور اس کا امکان یا احتمال کہاں؟

دوسرا امکانِ کذبِ باری تعالیٰ:۔ کذب کی تعریف اوپر گزر چکی ہے کہ کسی چیز کے عدم وجود پر حکم کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی انہی معانی کے مترادف ہے۔ جیسا کہ فرمایا: اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ہ یعنی جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔ عوام کے لیے یا دوسرے لفظوں میں مخلوق کے لیے کسی چیز کے عدم وجود پر حکم کرنا اور اس کو ثابت کرنا کذب ہُوا کرتا ہے۔ لیکن اُس عزیز الحکیم کا کسی شے کے لیے ارادہ کرنا یا اس کو عدم وجود کی صورت میں ثابت کرنا یعنی اس پر حکم کرنا کَانَ اَمْرُہٗ مَفْعُوْلًا کا مقتضی ہُوا کرتا ہے۔ تو اب تو رِ ایمانی کے ترازو میں غور و فکر کے اوزان سے موازنہ کرنا بعید از تحقیق نہ ہو گا کہ بے مثل و بے مثال کی قادریت کے میدان میں کذب کا امکان کیسے ہو سکتا ہے؟

قادرِ مطلق کی قدرت کا ظہور امر کی صورت میں چار نوع پر ظہور پذیر ہے:

(۱) روح کا وجود میں داخل ہونا، جو قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے مصداق ہے۔

(۲) قدرتِ اذن، جو امر کے مترادف ہے، اپنے خاص بندوں خصوصاً انبیائے کرام میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اجرا رکھا۔ یعنی دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے، اور اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے جواز رکھا ہے۔ یعنی اپنی قدرت اجازت کو ان دو پاک ہستیوں میں ودیعت فرمایا ہے۔

(۳) کُنْ کی صورت میں کسی چیز کی طرف امر کرنا۔

Marfat.com

(۴)، کلام کی صورت میں احکام تعلیم قصص جو عبرت کے مترادف ہیں۔ اور تعریف توحید و مثلها کی صورت میں ہوتا ہے جن کی تفصیل میں بہت طول ہے اور اس جگہ مقصود نہیں ہے

اوپر گزر چکا ہے کہ ذات مولیٰ کریم کی صفات خصوصًا صفات بالذات کی ضد نہیں ہے۔ وہ لم یزل ولا یزال اس تغیر سے پاک ہے۔ اب **سوال** صرف یہ ہے کہ جب صفات کی ضد کا وجود عدم کا مقتضی ہے۔ تو کلام جو صفت بالذات ہے اور ضد نہیں رکھتی ہے خواہ وہ امر کی صورت میں فاعل ہو، یا کسی اور فعل کی وجہ پر، فاعل حقیقی کی ذات کے تابع مشیت ایزد متعال کے مرید ہونے کی رو سے قطع نظر اس سے کہ وہ صدق ہے یا کذب، اپنے فعل کی نفی نہیں ہو سکتی۔ اور وہ اس لیے کہ اپنے وصفِ تام میں (جس طرح بھی ہو) اپنے فعل میں قاصر ہونے کی وجہ سے قدرتِ تامہ میں نقیض واقع ہوتا ہے، اور یہ محال ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا اور حقیقت کے میدان میں یہ امر حق اور صحیح ہے کہ وہ قادرِ مطلق ہر فعل پہ قدیر ہے یعنی اس کی صفت ذاتیہ کے فعل کی صورت میں نفی روا نہیں ہے۔ ورنہ قادرِ مطلق کی قادریت کی قدرت میں نقص لازم آئے گا۔ اور یہ محال ہے۔

یا عام فہمائش کے لیے کھلے لفظوں میں یوں قیاس کرنا چاہیے کہ کلیم صفت بالذات ہر کلام کرنے پر قدرتِ تامہ رکھتی ہے۔ تو پھر خواہ فعل صادر ہو یا نہ ہو، صدق ہو یا کذب، اپنی صفتِ کلام میں قادرِ مطلق کے فعل کی نفی نہیں ہو سکتی ہے۔ اس لیے امکان کے میدان میں کسی کلام کی نفی نہیں ہو سکتی۔ ورنہ صفتِ کلیم میں نقص واقع ہو گا، جو مطلق محال ہے۔

جواب :

اوپر چند اقسام پر تعریف کذب گزر چکی ہے۔ جن کا اصل کسی چیز کے عدم وجود کے ثبت پر حکم کرنے کے سوا نہیں ہے۔ اور اس الہٰ واحد کا حکم ہر چیز کے عدم وجود پہ واقع ہوا ہے یعنی

Marfat.com

جب کچھ نہ تھا اور ہر چیز کا وجود عدم کے میدان میں معدوم تھا، قادرِ مطلق کی مشیت سے امر کُنْ صادر ہوتے ہی فَیَکُوْن کا ظہور ہوا۔ اب سمجھ نہیں آتی کہ اس بے زوال قادر ذوالجلال و الاکرام کی ذات کی طرف کذب کی نسبت کیسے ہوئی جبکہ اس کی ذات جلّ وعلیٰ کی قدرت کاملہ میں کذب کا وجود ہی پیدا نہ ہوسکا۔ نہ ہی ہے اور نہ ہی ہوگا۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا حل ضروری ہے تاکہ کسی اشکال کا شمہ بھی باقی نہ رہ جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ لفظ کُنْ یعنی "ہو جا" حکم کے مترادف ہے اور کسی چیز کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے (جس کی عدم موجودگی میں کذب ثابت ہوتا ہے) وجود کا ہونا فرض ہے۔ اور کُنْ یعنی امر عدم وجود کے ظہور کے لیے ہوا کرتا ہے۔ اس لیے "ہے" اور "ہو" میں فرق ثابت ہوتا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ عدم وجود سے پہلے ہر چیز کا متحقق بالذات ہونا لازم ہے جیسے قرآن حکیم سے بالکل عیاں ہے: اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ لَهٗ کی ضمیر سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز کا وجود بلکہ اصل قبل از ظہور ذات باری تعالیٰ میں متحقق ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کسی چیز کے وجود کی عدم موجودگی پر ثبت متحقق بالذات ہے اور امر کُنْ سے وجود کا ظہور عیاں۔ تو اس لم یزل ولایزل کا کسی چیز کے عدم وجود پر تصدیق کذب نہیں ہوسکتا۔ عدم وجود کی تصدیق تعریف کذب ہے اور مولیٰ کریم کے لیے کسی چیز کے عدم وجود کی تصدیق متحقق بالذات ہے۔ اور اسی کے لیے کُنْ جو امر کے مترادف ہے ظہور کا باعث ہے پس ثابت ہوا کہ عدم وجود کی تصدیق متحقق ہونے کی صورت میں حق ہے۔ اس لیے سادے لفظوں میں عوام الناس کی فہمید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ہر چیز کا علم اس ذاتِ باری تعالیٰ کو ہے۔ یا ہر چیز اس کے علم میں موجود ہے۔ جب چاہے اپنے حکم سے ظاہر کردے۔ پھر جبکہ ہر چیز اس کے

Marfat.com

علم میں ہے، تو تعریف کذب کس صورت میں صادق آ سکتی ہے؟ بلکہ اس کے امکان کا گمان امکانِ کذب باری تعالیٰ کے عدم وجود پر آتا ہے۔ اور یہ انہی کے کذب کی دلیل ہے جو کذب کی تعریف کے مترادف ہے۔

مکرّر

جبکہ ہر چیز کا وجود متحقق بالذات ہے اور ہر حکم لہٗ کی ضمیر کی وجہ پر کسی وجود کے لیے ہے، عدم پر حکم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ کسی وجود کے ظہور کے لیے مطابق تعریفِ کذب امکانِ کذب ہو سکتا ہے۔ لیکن کَانَ اَمْرُہٗ مَفْعُوْلًا کے ماتحت ظہور وجود ہونے کے بعد صدق ہو جاتا ہے۔ اور ہر شے کے متحقق ہونے کی وجہ پر عدم مفقود ہو جاتا ہے۔ اس لیے امکان کذب کا امکان ہرگز ممکن نہیں۔ نہ ہوا ہے، نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہو گا۔

ردِّ خُلفِ وعید

سوال: یہ مسلمہ امر ہے کہ اس قادرِ مطلق کے ایما یعنی کُنْ سے ہر چیز کا ظہور ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ لیکن یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اور یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ کی بساطِ عظیم پر:

لِکُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ ۝ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ
(پ ۱۳ - س ۱۳ - ۱۳: ۳۸ - ۳۹)

واسطے ہر ایک وعدے کے ایک تحریر ہے۔ مٹا ڈالتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے، اور نزدیک اس کے ہے اصل کتاب

کی قادریت کے تصرفات میں کسی چیز کا ثابت رہنا یا محو ہونا استقلال نہیں رکھتا ہے۔ اس لیے کسی تغیر و تبدل یا کھلے لفظوں میں خُلفِ وعید پر اس قادرِ مطلق کی قدرت بہر صورت قادر اور

Marfat.com

غالب ہے۔ کیا اس قادریت کی نفی ہو سکتا ہے؟

جواب :

قبل از ظہور ہر شے کا وجود ذاتِ باری تعالیٰ میں متحقق ہونا نص قطعی سے امکانِ کذب کے رد کے بیان میں ثابت ہو چکا ہے۔ تو جب ظہور کا ارادہ فرمایا، عالم امر کی طرف مرید ہوئے تو جو کچھ ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، اور جو کچھ ظہور پذیر ہو رہا ہے سب کا سب لوح میں محفوظ کیا گیا۔ اس میں کلام نہیں کہ اس لوحِ محفوظ میں جس کو چاہیں محو کر دیں، اور جس کو چاہیں ظاہر فرما دیں۔ لیکن جس کا ظہور ہو چکا ہے یعنی کَانَ اَمۡرُہٗ مَفۡعُوۡلًا[1] کی وجہ پر ہویدا کا حکم عمل میں آ چکا ہے، لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ[2] کے مطابق ہرگز محو نہیں ہو سکتا۔ خواہ اس کے فرع میں تغیر و تبدل (جو ہمارے حال سے عبارت ہے) ہوا کرے، اصل میں تغیر واقع ہونا محال ہے، بلکہ احاطۂ امکان سے باہر ہے، جیسا کہ پیدائش انسان جو متحقق بالذات تھا، هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡـًٔا مَّذۡکُوۡرًا[3] کے مقام سے عالم امر کی طرف جس کا ذکر قرآن شریف میں کئی جگہ میثاق وغیرہ سے ثابت ہے۔ اور وہاں سے عالم موجودات کی طرف جو آج کے دن بالکل عیاں ہے، ظہور ہو چکا ہے۔ خواہ یہ مومن ہو یا منافق، مسلم ہو یا کافر، دوست ہو یا دشمن، صاحبِ قرب ہو یا صاحبِ بُعد کسی حالت میں بھی معدوم نہیں ہو سکتا۔ جو زندگی من اللہ اس کو مل چکی ہے، یہ علیین میں ہو یا سجین میں۔ جنت میں ہو یا دوزخ میں، ہرگز منقطع نہ ہوگی، اور نہ ہو سکتی ہے۔ یَمۡحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ[4] کا حکم اس کے لیے نہیں رہا ہے۔ کیونکہ اس کا حکم قبل از ظہور ہی ہے۔ ہاں بعد از ظہور جن کے لیے

---

[1] ہے حکم اللہ تعالیٰ کا ہو جانے والا۔ [2] نہیں خلاف کرتا وعدے کا

[3] بیشک آیا ایک وقت انسان پر زمانے میں سے کہ نہ تھی کوئی چیز ذکر کی گئی۔ [4] مٹا دیتا ہے اللہ جو چاہتا ہے

Marfat.com

حکم فنا ہو چکا ہے۔ مثلاً دنیا و ما فیہا اور اس کے فنا و بقا میں اصل اور فرع کے منازل و مدارج میں بہت گفتگو ہے جس کا بیان کرنا اس جگہ مقصود نہیں ہے۔ اس لیے اصلی مطلب کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے۔

اے بھائی! مولیٰ کریم تجھے نیک سمجھ عطا فرمائیں، یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ کا تصرف قبل از ظہور دو وجہ پر ہے۔ ایک تو قبل از ظہور دنیا، کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ	اور جس وقت لیا اللہ نے عہد پیغمبروں کا البتہ جو
اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ	کچھ کر دوں میں تم کو کتاب سے اور حکمت سے پھر
جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ	آوے تمہارے پاس پیغمبر سچا کرنے والا اس چیز
لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ	کو کہ ساتھ تمہارے ہے البتہ ایمان لائیو ساتھ اس کے
ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ	اور ضرور مدد دیجیو اس کو۔ کہا کیا اقرار کیا تم نے اور
اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْہَدُوْا	لیا تم نے اوپر اس کے بھاری عہد میرا؟ کہا انہوں نے
وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ۔ فَمَنْ	اقرار کیا ہم نے کہا پس شاہد رہو اور میں ساتھ تمہارے
تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ	شاہدوں سے ہوں۔ پس جو کوئی پھر جاوے پیچھے
الْفٰسِقُوْنَ ۔ (پ ۳۔ س ۱۶)	اس کے پس یہ لوگ وہی ہیں بدکار۔

تو یہ وعدہ اور وعید جیسا اوپر گزر چکا ہے، صرف انبیاء و مرسلین ہی سے ہوا ہے۔ جو دوسرے عام انسانوں کے لیے روا نہیں ہے۔ کیونکہ ان پاک ہستیوں کے لیے ہر دو برزخ (قبل از ظہور وجود اور بعد از موت) ظاہر کی طرح ہیں، اور ان کو ہر دو سے علم کل ہوتا ہے۔ اور یہ دوسرے یعنی عام لوگوں کے لیے نہیں ہوتا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

وَمَا لَکُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالرَّسُوْلُ	اور کیا ہے واسطے تمہارے کہ نہیں ایمان لاتے تم ساتھ

Marfat.com

يَدۡعُوۡكُمۡ لِتُؤۡمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ وَقَدۡ اَخَذَ مِيۡثَاقَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝ (پ ۲۷ - ۱۱)

اللہ کے اور رسول پکارتا ہے تم کو تاکہ ایمان لاؤ ساتھ رب اپنے کے اور تحقیق لیا ہے قول تمہارا اگر ہو تم ایمان والے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ کی شرط محض ہمارے لیے ہے لیکن نبیوں اور رسولوں کے لیے مطلق روا نہیں ہے۔ ان کے لیے ءَاَقۡرَرۡتُمۡ اور اَقۡرَرۡنَا کی عبارت کافی ہے جو ان کے برزخ سے علم ہونے کی واثق دلیل ہے۔ ان آیات بینات سے مومنین کے لیے دو مفاد ظاہر ہوئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی رسول یا نبی مبعوث نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا اس لیے کہ یہ میثاق تمام انبیاء سے لیا گیا ہے لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ میثاق ان کی ذات کے لیے ہے جو تصدیق اور ایقان مرسلین پر مبنی ہے۔ اگر یہ میثاق تمام انبیاء کے لیے ہوتا تو لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ کی جگہ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهِمۡ ہوتا۔ لیکن بِهٖ کی ضمیر واحد اظہر من الشمس ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے، ہر ایک رسول کے لیے نہیں۔ اور یہ اسم باعتبار ضمیر کے مخصص ہے۔

دوسرے، وعدہ کی رو سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور از روئے وعدہ اب آپ جیسا کوئی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ قادر مطلق اپنے وعدہ کے ایفا پہ قدرت تامہ رکھتے ہیں، اور بموجب كَانَ اَمۡرُهٗ مَفۡعُوۡلًا ظہور ہو چکا ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ اس خلاق العلیم نے جیسا یہ سلسلۂ انبیاء و مرسلین ابتدا سے انتہا تک اور دنیا و ما فیہا بلکہ تمام موجودات کو پیدا کیا ہے، ایسی مخلوقات یعنی اس کی مثل لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں پیدا کر سکتے ہیں۔ بہر صورت اس امر پہ قادر ہیں لیکن موجودہ دنیا جس کی ابتدا سے

Marfat.com

انتہا تک کے لیے فیصلہ ہو چکا ہے' حدیث شریف جَفَّ الْقَلَمُ یعنی قلم سوکھ گیا ہے" کے مطابق اس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا ہے۔ اور ایفائے عہد کے مطابق لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ کی سنت کے موافق اب اس موجودہ دنیا میں یوم القیامۃ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا پیدا ہونا احاطۂ امکان سے باہر ہے۔ کیونکہ پھر میثاق النبیین کا فائدہ نہیں رہتا۔ تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک کے لیے لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ کا اقرار لیا گیا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستثنیٰ ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آسکتا۔

۲

دُوسرا، قبل از ظہور بعد از میدان دنیا، جو لوح محفوظ پر کتاب مرقوم سے منسوب ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ ؕ	ہرگز نہیں یوں، تحقیق عملنامہ بدکاروں کا البتہ بیچ سجین
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ ؕ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ؕ	کے ہے۔ اور کس چیز نے معلوم کروایا تجھ کو کیا ہے سجین۔
وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۙ	ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔ وائے ہے اس دن واسطے جھٹلانے والوں کے
كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ؕ	ہرگز نہیں یوں، تحقیق عملنامہ نیکو کاروں کا البتہ
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّیُّوْنَ ؕ كِتٰبٌ	بیچ علیین کے ہے۔ اور کس چیز نے معلوم کروایا تجھ کو
مَّرْقُوْمٌ ۙ یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ	کہ کیا ہے علیین۔ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔ حاضر ہوتے
(پ ۳۰ - ۳ - ۸)	ہیں اس پر مقرب خدا کے۔

اس کا وعدہ ہمارے اعمال کی وجہ سے حال کے رو سے ہے' اور یہ قانون قدرت اور قاعدۂ کلیہ عوام الناس کے لیے مقرر ہو چکا ہے۔ لیکن قبل از ظہور عمل اس ذات بے زوال کی شان کے لائق ہے کہ کسی گنہ گار کو اپنی رحمت سے بخش دے یا عدل کی رو سے عذاب کرے۔ لیکن اس سے

Marfat.com

خُلفِ وعید ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا، بلکہ ایفائے وعدہ کے موافق ہے۔ اور وہ اس لیے کہ ازروئے رحم اور عفو و کرم مومنین کے لیے ہے، اور باندازۂ معصیت عادل کے رُو سے سزا ہے۔ مطابق:

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	اور جو کوئی نہ ایمان لایا ساتھ اللہ کے اور رسول
فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ○	اس کے کے پس تحقیق تیار کیا ہے ہم نے واسطے
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط	کافروں کے دوزخ۔ اور واسطے اللہ کے ہے
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ	بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی بخشتا ہے واسطے
يَّشَآءُ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○	جس کے چاہے اور عذاب کرتا ہے جس کو چاہے اور
(پ ۲۶ - ۳ - ۱۰)	ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

اس سے بھی خُلفِ وعید ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پہلے وعید اُن لوگوں کے لیے ہے جو اللہ اور رسول پر ایمان نہیں لائے۔ ان کافروں کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ اسی کے لیے ہے آسمان و زمین کا ملک جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب کرے۔ تو جاننا چاہیے کہ اس مغفرت اور عذاب کی نسبت مشیت ذوالجلال و الاکرام کے ساتھ خلفِ وعید کے مترادف نہیں ہے۔ کیونکہ یہ محض اختیار ہے جس کا تصرف ترفیق کی رو سے میدان دنیا ہی میں ہے، اور معاد اس کا فی الاخرہ۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا	تحقیق جو لوگ کہ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان
ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ	لائے پھر کافر ہوئے پھر زیادہ ہوئے کفر میں ہرگز
اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ○	نہیں بخشے گا ان کو اللہ اور نہ دکھائے گا ان کو راہ
بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا	خوشخبری دے منافقوں کو ساتھ اس کے کہ واسطے

Marfat.com

اَلِیۡمًا ۝ (پ۔۵) ان کے عذاب ہے درد دینے والا۔

اور دوسری جگہ ساتھ ہی یوں ارشاد ہے:

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡکِ الۡاَسۡفَلِ تحقیق منافق بیچ درجے نیچے کے ہیں آگ سے اور

مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِیۡرًا ۝ ہرگز نہ پائے گا تو واسطے ان کے مددگار۔ مگر جنہوں نے

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَاعۡتَصَمُوۡا کہ توبہ کی اور صلاحیت کی اور مضبوط پکڑا خدا کو اور

بِاللّٰهِ وَاَخۡلَصُوۡا دِیۡنَهُمۡ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ خالص کیا دین اپنے کو واسطے اللہ کے پس یہ لوگ

مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ وَسَوۡفَ یُؤۡتِ اللّٰهُ ساتھ مسلمانوں کے ہیں اور شتاب دے گا اللہ ایمان

الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ۝ مَا یَفۡعَلُ والوں کو ثواب بڑا۔ کیا کرے گا اللہ عذاب کر کے تم کو

اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ اگر شکر کرو گے تم اور ایمان لاؤ گے تم۔ اور ہے اللہ

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیۡمًا ۝ (پ۔۶) قدردان جاننے والا۔

یہ تغیر و تبدل ہمارے حال کی وجہ ہی سے ہے جس کا تصرف غضبی ہو یا رحمی، میدان دنیا کے سوا نہیں ہے۔ اور سنت الٰہی اور قانون قدرت ہے جو فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ کے مطابق ظہور پذیر ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اور یہ وعدہ میدان دنیا میں ہمارے حال اور اعمال کی وجہ پر ہے۔ جن پر بات ختم ہو چکی ہے وعید تو ان لوگوں کے لیے ہے جو کافر، منافق اور مشرک ہیں اور جن کی مغفرت کا مطلق امکان نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا تحقیق جن لوگوں نے جھٹلایا نشانیوں ہماری کو اور

عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ تکبر کیا ان سے، نہ کھولے جائیں گے واسطے ان کے

وَلَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے بہشت

فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِی میں یہاں تک کہ داخل ہو جائے اونٹ بیچ ناکے سوئی

Marfat.com

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (پ ۸ ۔ ع ۱۲)

الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ۔ اور اسی طرح جزا دیتے ہیں ہم گنہ گاروں کو۔ واسطے ان کے دوزخ سے بچھونا ہے اور اوپر ان کے بالاپوش ہیں۔ اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم ظالموں کو۔

ان کے لیے نہ تو کسی کی سفارش ہی ہو سکے گی، اور نہ ہی ان کو کہیں سے مدد مل سکے گی جیسا کہ بزبان حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کے روز بجناب باری تعالیٰ اظہر من الشمس ہے:

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (پ ۷ ۔ ع ۶)۔

اگر عذاب کرے گا تو ان کو پس وہ بندے تیرے ہیں اور اگر بخش دے تو ان کو پس تحقیق تو ہی ہے غالب حکمت والا۔ فرمائے گا اللہ تعالیٰ یہ دن ہے کہ فائدہ دیوے گا سچوں کو سچ ان کا۔ واسطے ان کے بہشتیں ہیں۔ چلتی ہیں نیچے ان کے سے نہریں ہمیشہ رہیں گے بیچ اس کے ہمیشہ۔ راضی ہوا اللہ ان سے اور راضی ہوئے وہ اس سے یہی ہے مراد پانا بڑا۔

جن لوگوں کے لیے بات ختم ہو چکی ہے، یا وعید اتمام ہو چکی ہے، ان کے لیے سارے قرآن مجید میں مغفرت کی ایک آیت بھی نظر نہیں آتی۔ بلکہ روز ازل سے لوح محفوظ پر مقرر ہو چکا ہے، جو قانونِ الٰہیہ کے مترادف ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ

جاننے والا ہے غیب کا۔ نہیں پوشیدہ اس سے برابر ایک بھنگے کے بیچ آسمانوں کے اور نہ بیچ زمین کے اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا مگر بیچ کتاب بیان

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ	کرنے والی کے ہے۔ تو کہ بدلہ دیوے ان لوگوں کو کہ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ	ایمان لائے اور کام کیے اچھے۔ یہ لوگ واسطے ان کے
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَ	بخشش ہے اور رزق باکرامت۔ اور جن لوگوں
الَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ	نے سعی کی بیچ نشانیوں ہماری کے عاجز کرنے
اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ	والے ہو کر یہ لوگ واسطے ان کے عذاب ہے سخت
اَلِيْمٌ ۝ (پ ۲۲ - س ۳۴)	قسم سے درد دینے والا۔

جزا اور سزا کی نسبت خواہ چھوٹا عمل ہو یا بڑا، وعدہ اور وعید فرمائے ہیں جس کا خلاف نہیں ہو سکتا۔ ہاں میدان دنیا میں ہمارے عمل و حال کی وجہ پر تغیر و تبدل قرآن شریف سے ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے لیے عذاب مقرر ہو چکا تھا۔ لیکن انہوں نے بچوں کو دودھ پلانا بند کر دیا، کھانا پینا چھوڑ دیا۔ تضرع و زاری کو تہِ دل سے جاری کر دیا، تو مولیٰ کریم نے اس کے ظہور عمل کو ترک فرما دیا۔ یعنی يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ کی سنت کو از روئے رحم ان کے لیے جاری کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی فرما دیا ہے کہ قبل ازیں کسی قوم کے لیے ایسا نہیں ہوا ہے:

وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا	اور اگر آویں ان کے پاس سب نشانیاں یہاں تک کہ
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ	دیکھیں عذاب درد دینے والا۔ پس کیوں نہ ہوئی کوئی
اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ	بستی کہ ایمان لائی ہو پس نفع دیا ہو اس کو ایمان اس کے
يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ	نے مگر قوم یونس کی جب ایمان لائے کھول دیا ہم نے
عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ	ان سے عذاب رسوائی کا بیچ زندگانی دنیا کے اور
مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝ (پ ۱۱ - س ۱۰)	فائدہ دیا ہم نے ان کو ایک مدت تک

Marfat.com

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی کام مقرر ہونے کے بعد ایسا ہونا نادرات سے ہے۔

اے بھائی! خواہ عالم امر میں خواہ عالم شہود یعنی عالم دنیا میں جو موجودات کے مترادف ہے، خواہ عالم برزخ اور یوم القیامۃ کے میدان میں ہو، کام فیصل ہو جانے کے بعد یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ کی سنت منقطع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس لیے کہ قادریت کے میدان میں مشیت ایزدمتعال کے رو سے یُثۡبِتُ کا عمل ظہور پذیر ہو چکا ہے جس کے لیے یَمۡحُوا اللّٰہ یعنی محویت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ صرف قبل از ظہور عمل اس کا اجرا روا رکھا ہے۔ مذکورہ بالا عبارات سے جو امر ظاہر ہوا ہے، نادرات کے مترادف ہے لیکن اس کا عمل بھی ظہور سے پہلے ہی ہوا ظہور ہو جانے کے بعد ایسے نادرات کا ہونا بھی ناممکن ہے۔ ہاں، اپنے وقت معین پر یعنی قیامت کو فنا ہو جائے گا۔ جو تین وجہ پر متعین ہے:

(۱) بقا، بقا، بقا ——— ذات باری تعالیٰ۔

(۲) فنا، بقا، فنا ——— دنیا و ما فیہا۔

(۳) فنا، بقا، بقا ——— انسان، دوزخ، بہشت یعنی آخرت، و ما فیہا۔

بہرصورت ہر چیز کا متحقق بالذات ہونا اصل الاصول کی مانند ہے۔ دوسرا درجہ ظہور کے میدان میں عالم امر ہے جس کو کِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ سے منسوب فرمایا ہے، یا لوحِ محفوظ سے نامزد کیا ہے۔ تیسرا درجہ عالم دنیا ہے جس میں ظہور وجود اور آفرینش کا مقام ہے۔ تحقق بالذات کی بساط پر یَمۡحُوا اللّٰہ کا قدم بالکل کالعدم ہے۔ کیونکہ محویت کسی وجود کے لیے ہوا کرتی ہے اور اس مقام و محل میں کسی شے کا وجود ثابت نہیں ہے۔ کوئی چیز سوائے ذہنی وجود کے جو علم خداوندی کے مترادف ہے، نہ خارجی وجود رکھتی ہے نہ لفظی۔ تو پھر اس صورت میں محویت کہاں اور کس کی؟ دوسرا مقام نوری وجود میں مرقوم ہے جس کے لیے یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثۡبِتُ

Marfat.com

وَعِندَہٗ اُمُّ الکِتٰبِ وارد ہوا ہے۔ اور تیسرا مقام ظہور وجود نام ہے۔ جس میں سوائے فنا و بقا یعنی اصل اور فرع کے تغیر و تبدل کے سوا کسی محویت کی گنجائش نہیں ہے۔ ہر فنا فرع کے لیے ہے۔ اصل کو من اللہ بقا حاصل ہو چکی ہے لیکن یاد رہے کہ اس اصل کو جس کے لیے ہیں نے محویت کو روا نہیں رکھا ہے۔ عالم امر ہیں بھی اس کو محویت نہیں ہے اور یہ انسان اور عالم آخرت کے لیے ہی مخصوص ہے۔ باقی تمام اشیاء کے لیے ایسا نہیں ہے۔

اے بھائی! اس امر کی تفصیل کے لیے قرآن الحمید کی مثال بالکل عیاں ہے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں کہ یہ قرآن شریف لوح محفوظ سے عبارت ہے اور حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسٰی روح اللہ علیہ السلام تک جتنی کتابیں اور صحیفے اللہ جل شانہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں ان سب کا جامع ہے۔ اور مطابق مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ بہت سی عبارتیں بعینہٖ (خواہ زبان کا اختلاف ہی کیوں نہ ہو) موجود ہیں۔ احکام شریعت میں تغیر و تبدل ہوتا چلا آیا ہے جو منسوخ کے مترادف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں بھی احکام قرآن شریف میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے جو عمل کے میدان میں اظہر من الشمس ہے جو سراسر ہمارے حال اور استعداد کے مطابق اس عزیز الحکیم نے ایک اندازہ پر مقرر کر دیا ہے اور بعد از فیصل تکمیل فرما دی ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّ وَجَلَّ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ	آج کے دن پورا کیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ	اور پورا کی اوپر تمہارے نعمت اپنی اور پسند کیا واسطے
دِيْنًا ط (پ ۶ - ۵)	تمہارے اسلام کو دین۔

اس فیصلے کے بعد اس آیت بینہ کے نازل ہونے اور اس کا عمل ہو جانے کے بعد تغیر و تبدل منقطع ہو چکا ہے۔ اب یہ کبھی منسوخ نہ ہو گا۔ تو اس سے یہ مقصود حاصل ہوا کہ محویت کی حد کسی کام

Marfat.com

کے ظہورِ عمل اور قبل از وجود ہی روا ہو سکتی ہے، بعد میں روا نہیں ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ بعض آیات بعد از ظہورِ عمل منسوخ کی گئیں۔ چاہیے تھا کہ بعد از ظہورِ عمل محو نہ ہوتیں؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ نسخ اور چیز ہے اور محو اور۔ نسخ باوجود عمل منقطع ہونے کے وجود رکھتا ہے۔ کیونکہ جن آیات کو نبی کریم نے منسوخ کر دیا ہے ان کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔ دوسری آیات اور ان میں کوئی فرق نہیں۔ منسوخ اور غیر منسوخ ہونے کی صورت میں اصل کلام میں کوئی فرق نہیں۔ سب کا سب قرآن مجید ہی ہے۔ صرف نسخ ہے نہ کہ فرقِ اصل۔ اور محو ہونا (وجودِ نوری ہو یا شہودی) مفقود ہو جانا ہے۔ اس لیے منسوخ آیات محویت کا حکم نہیں رکھتیں۔

مکرر غور اس امر میں لازم ہے کہ متحقق بالذات ہر چیز بلا ظہور روجود ہے اور عالم امر میں مرقوم اور عالم شہود میں ظہور اتم۔ ہر چیز کا اصل الاصول من اللہ ہی ہے، اور اس خالق موجودات نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر چیز کو خلقت کیا ہے۔ یعنی اپنی قدرت سے عالم امر کی طرف اور وہاں سے موجودات کی طرف نزول فرمایا ہے۔ گویا عدم سے ہستی کی طرف، نابود کو بود کی جانب، مرکز سے دائرہ کی طرف، ہستی کو وجود اور مخفی کو ظہور کی طرف مبذول کیا ہے۔ جس کے لیے محویت کا نام مفقود ہو چکا ہے۔ ہاں فرع جو اصل کے تابع ہے تغیر و تبدل کا محل ہے۔ لیکن اصل کے لیے تغیر روا نہیں ہے۔ جیسے متحقق بالذات سے عالم وجود تک ہر چیز کا نزول فرمایا ہے، اور پھر اس کو اپنی طرف لے جانے پر قادر ہے اور اس کا عمل ہو رہا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۰ (پ۔ ۲) ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف پھرنے والے ہیں

اے بھائی! جب اس خالق کائنات، موجد موجودات نے حضرت انسان کو پیدا کر کے ملائکہ کو سجدہ کرنے کا حکم صادر فرمایا تو سب سجدے میں گر پڑے مگر ابلیس اکڑ بیٹھا۔ حکم ہوا کہ میری

Marfat.com

درگاہ سے مذءوم ومدحور ہو کر نکل جا۔ تو اس نے قیامت تک کے لیے مہلت کی درخواست کی، جو منظور کی گئی۔ اب باوجود مغضوب و ملعون ہونے کے اور سخت عداوت و مخالفت کرنے کے وعدہ کے مطابق قیامت سے پہلے محویت تو درکنار اس کو فنا بھی نہیں ہوگی۔ اور یہ سنتِ الٰہی ہے جس کے لیے ارشاد ذوالجلال والاکرام نہایت تاکید کے ساتھ ہو رہا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ہ (یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں خلاف کرتا وعدے کا)۔ اگر اس کے برخلاف سارے قرآن شریف میں کہیں ایک دفعہ بھی ارشاد ہوا ہو کہ میں اپنے وعدہ کے خلاف کرنے پر قادر ہوں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے وعدہ کے خلاف کرنے پر قادر ہے۔

سوال:

یہ مسلمہ امر ہے کہ اس لم یزل ولا یزال، بے مثل و بے مثال نے نہ تو کبھی اپنے وعدہ کا خلاف کیا ہے اور نہ ہی کبھی کرے گا لیکن اس قادرِ مطلق کی قادریت مشیت کے میدان میں قدرت تامہ رکھتی ہے کسی فعل سے عاجز نہیں ہے۔ بہرصورت بہر وجہ قادرِ مطلق ہے کیونکہ کسی فعل پر صفت قادریت کی نفی جزو کی نفی ہے، اور کسی جزو کی نفی کل کی نفی ہوا کرتی ہے اور یہ محال ہے اور قدرت تامہ میں نقیض واقع ہوتی ہے۔

جواب:

اس میں کلام نہیں کہ قدیر اس ذوالجلال والاکرام کی صفت بالذات ہے، جس کی ضد نہیں ہے اور اس کی ضد عجز ہے، جیسا کہ سوال میں تحریر ہے۔ اب تو رایمانی کے ترازو میں موازنہ کرنا امر موجب ہدایت و ایقان ہوگا کہ قدرت خداوندی کا تصرف دو جانب پر متصرف ہے۔ ایک تو خلفِ وعید پر، اور دوسرا ایفائے عہد پر۔ ایفائے عہد کے لیے تو قرآن مجید میں کئی وجہ پر صاف ذکر فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا خلاف نہیں

Marfat.com

کرتا۔ اور دوسری وجہ پر سارے قرآن شریف میں ایک دفعہ بھی ذکر نہیں ہوا ہے کہ میں اپنے وعدہ کے خلاف پر قادر ہوں۔

(۲) اوپر "ردِ امکانِ کذب" میں گزر چکا ہے کہ اس بے مثال کا کوئی فعل بھی ہمارے فعل کی مثل نہیں ہے۔ ہمارے وعدہ کے ایفا کے لیے انتظار کی ضرورت ہے۔ اگر وقت معینہ پر ایفا ہو گیا تو اس میں ہم صادق ہوئے، ورنہ کاذب۔ لیکن اس قوی عزّ عزیز کا وعدہ کسی ایفا کا منتظر نہیں ہے بلکہ مطابق ارشادِ عزیز الحکیم (کَانَ وَعْدُہٗ مَفْعُوْلًا) اس کی شان کے لائق ہے۔ اب ذرا عقل و ہوش کے ترازو میں غور و فکر کے اوزان سے موازنہ کیجیے کہ جس کی قادریت کا یہ عالم ہو اس کے احاطۂ قدرت میں خُلفِ وعید کا گمان کب ہو سکتا ہے؟

رہا یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اور یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (یعنی کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے) کی بساط پر کسی فعل کی نفی نہیں ہو سکتی ——— معلوم ہوتا ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی مشیت اور ارادے اپنے ارادوں اور خواہشوں کی مثل ہی سمجھ رکھے ہیں۔ اور یہ سراسر خطا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کی تعریف اس ذاتِ واحد ہی کے لیے ہے۔ کسی صفت میں اس سبحانہٗ و تعالیٰ کو اپنی مثل جاننا شرکِ عظیم ہے۔ اس ذوالجلال والاکرام کی مشیت اور ارادے عیوب کی طرف حاکم نہیں ہوا کرتے اور نہ ہی کبھی ہوں گے۔ وعدہ کا خلاف کرنا عیب ہے۔ اور مولیٰ کریم تمام عیوب سے پاک ہیں۔ کما قال اللّٰہ تعالیٰ:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز	جو پہنچتی ہے تجھ کو بھلائی سے پس خدا کی طرف سے
وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ	ہے اور جو پہنچتی ہے تجھ کو برائی سے پس نفس
نَّفْسِكَ ط (پ۵۔ س۴)	تیرے سے ہے۔

تو کسی عیب کے لیے اس قادرِ مطلق کی قادریت کو منسوب کرنا اور ایسا اعتقاد کرنا کہ کرتے تو

Marfat.com

نہیں لیکن کر سکتے ہیں، سراسر جہالت اور ذات پاک پر الزام کے سوا نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ اپنی تعریف میں لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ کا ارشاد فرماتے ہیں۔ اب ایسا گمان کرنا کہ اونگھ اور نیند کرتے تو نہیں لیکن کر سکتے ہیں اور اس بات پر قادر ہیں، ورنہ قادریت میں نقص وارد ہوتا ہے، تو اس جہالت کا کیا ٹھکانا۔ کہ تمام ممتنعات اور سیئات پر اس ذات پاک کو قادر سمجھ لیا جائے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْاِعْتِقَادِ السُّوْءِ۔ اور یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ جو فعل اس ذات پاک کے لائق نہیں ہیں وہ ان پر قادر بھی نہیں ہیں۔ قدرت تو صرف ممکنات کے ساتھ مختص ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ قادر تو ہوں لیکن چونکہ وہ عیب ہیں اس لیے ان کو کرتے نہیں ہیں۔ اس کی فہمائش کے لیے خداوند کریم ذوالجلال والاکرام نے اپنے کلام پاک میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْۤ	اور زمین میں یقین والوں کے لیے بہرے نشانات
اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (پ ۲۶ ع ۱۸)	ہیں، اور تمہارے نفوس میں، کیا تم نہیں دیکھتے؟

آیاتِ الٰہیہ میں سے ہمارے نفسوں میں روح جس کو امر الٰہی سے تعبیر فرمایا ہے، نشان ہے۔ عنصری وجود کے لیے سِنَہ و نوم یعنی اونگھ اور نیند کو روا رکھا ہے جو اس کے لیے سراسر آرام اور راحت ہے، اور حواس ظاہری کا تعطل اور غفلت کے مترادف ہے۔ لیکن رُوح کے لیے نیند نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے لیے نیند کی احتیاج نہیں ہے۔ یا کھلے لفظوں میں یہ صفت روح میں ہے ہی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (بوجہ روحانیت غالب ہونے کے) نیند کا غلبہ ہماری مثل نہ تھا۔ یعنی آپ کی نیند باعث غفلت نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نیند مبارک کبھی آپ کے لیے ناقض وضو نہ ہوئی۔ تو اس سے یہ مقصود حاصل ہوا کہ اس سبحانہ تعالیٰ کے لیے ایسی نسبت کا گمان بھی خطا کے سوا

Marfat.com

نہیں ہے جبکہ اس کے امر یعنی صفت کے لیے بھی روا نہ ہو۔ بلکہ اس میں اس چیز کا وجود ہی نہ ہو تو اس مالک حقیقی کے لیے امکان کہاں کا؟

اس میں کلام نہیں کہ مولیٰ کریم کی صفت بالذات کی ضد نہیں ہے۔ جیسے قدیر اور حیّ دو صفات ذاتیہ ہیں۔ قدرت حیات کے مخالف نہیں ہو سکتی اور حیات قدرت کی نفی نہیں کر سکتی۔ تو اس صورت میں کوئی جاہل یہ کہے کہ آپ نہ تو کبھی مرے ہیں اور نہ ہی کبھی مریں گے لیکن چونکہ موت یعنی منتقل ہونا ایک فعل ہے، اور کسی فعل کی نفی یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ کی قادریت کے منافی ہے اس لیے مر سکتے ہیں۔ تو کہنا ہی پڑے گا کہ ایسی تنقید کا جو جہالت کے دریا میں مستغرق ہو علاج نہیں ہے۔ اور وہ اس لیے کہ موت یعنی منتقل ہونا کسی وجود سے یا ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف جاگزیں ہونا ہمارے لیے مولیٰ کریم کی طرف سے روا ہے۔ جیسے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بُت میں نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ یعنی حیات کو عالم امر سے وجود کی طرف مبذول کرنا اور پھر اس سے انتقال کی صورت میں عالم برزخ کی طرف لے جانا اور وہاں سے یوم القیمۃ میں مقیم کرنے کے بعد اپنی طرف لے جانا، یہ سب منازل اور مدارج خداوندی فعل سے وابستہ ہیں۔ یہ تغیر و تبدل رُوح کے آنے اور جانے کے سوا نہیں ہے۔ خواہ اس کو انتقال کہیں یا موت سمجھیں، ہمارے جسم ہی کے متعلق ہے لیکن روح میں (جو اس کا اصل ہے، سوائے اس کے کہ یہ جس محل و مقام میں ہو اسی کا حکم رکھتا ہے) کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ کیونکہ تغیر فرع کے لیے ہوتا ہے، اصل تغیر کا محل نہیں ہے۔ تو رُوح کا مرسل کرنا اور لے جانا ہم میں خداوندی فعل ہے اس لیے اس مقام و محل کے رُو سے مخلوق کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن کچھ ہو، رُوح کے لیے موت (جس کو عوام فوت ہونے سے تعبیر کرتے ہیں) روا نہیں ہے، اور نہ ہی کبھی ہو گی۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ روح یا دوسرے لفظوں میں انسان

Marfat.com

کے لیے (جس سے اصل انسان مراد ہے) موت جس کی مراد یہاں مفقود ہونا یا بالکل نیست و نابود ہونا ہے، روا نہیں ہے۔ بلکہ بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ نہ تو یہ اضطراری وجہ پر ہو سکتا ہے نہ اختیاری۔ بلکہ اس کی تخلیق میں نابود ہونے کا وجود ہی نہیں رکھا گیا ہے۔ اب انصاف کے میدان میں حق کا طالب ہونا بعید از مقصود نہ ہوگا کہ فعل خداوندی جو مخلوق کے مترادف ہے، اس کا یہ حال ہے کہ وہ مر نہیں سکتا تو اس ذات معلّی کے لیے ایسے فعل کے امکان کا گمان جس کا وجود ہی اس سُبحانہٗ و تعالیٰ کی قدرت کی بساط پر ہونا ممتنعات سے ہو، کیسے روا ہو سکتا ہے؟ بلکہ ایسا گمان کرنا سراسر نادانی اور جہالت ہے۔

گو اس لم یزل ولا یزال، لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[1] کے لیے کوئی مثال روا نہیں ہو سکتی۔ تاہم فہمید کے لیے کچھ بیان ہے کہ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ[2] کے مطابق، قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ[3] کی سنت کے موافق ہر ایک چیز جس کا اصل فعل خداوندی کے سوا نہیں ہے۔ اور اصل اصول وہ ذات پاک ہی ہے، ممکنات و ممتنعات ہر چیز اس کے اصل کے خلاف کی مقتضی نہیں ہے۔ مثلاً آگ کے شعلہ سے پانی کا ٹپکنا اور پانی سے آگ کا شعلہ، یا لکڑی سے معدنیات اور معدنیات سے لکڑی کا پیدا ہونا، یا روشنی سے اندھیرے کا وجود اور اندھیرے سے روشنی کا وجود ظاہر ہونا ناممکن اور محال ہے۔ یہ حال تو مخلوق کا ہے جو محدث ہے کہ ہر ایک کی خلقت کے خلاف صفات کا ظہور ہونا روا نہیں ہے۔ اور یہ آیاتِ الٰہیہ کا ثبوت ہے۔ اب نورِ ایمانی کی روشنی میں صاف نظر آئے گا کہ اس مالک کائنات، خالق موجودات، ہر عیب سے پاک، بے مثل و بے مثال ہماری زعمی قادریت سے مبرّا، ہمارے وہم و گمان سے ورا کی طرف کسی عیب مثلاً خلف وعید

---

[1] نہیں ہے مثل اس کی کوئی چیز۔

[2] زمین میں نشانات ہیں یقین رکھنے والوں کے لیے۔

[3] کہہ ہر کوئی اپنی شکل پہ (بناوٹ کے مطابق) عمل کرتا ہے۔

Marfat.com

یا کذب وغیرہ کی نسبت گمان کرنا سراسر خطا بلکہ کفر ہے۔ کیونکہ اس ذات پاک بابرکات میں کسی عیب کا پایا جانا جس سے ایسے افعال کا ظہور ہو مطلق محال ہے۔ اس لیے ایسے امکان کا گمان کرنا سراسر ظلم عظیم ہے۔

سوال تو یہ ہے کہ مولیٰ کریم لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ کے مطابق نہ تو خلاف وعدہ کرتے ہیں، نہ ہی کبھی کیا ہے اور نہ ہی کبھی کریں گے۔ لیکن مشیت کے میدان میں اگر اپنے اختیار یا قدرت کاملہ سے کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس امر کی طاقت اور قدرت اپنی ذات بابرکات میں رکھتے ہیں یا نہیں؟ کیا اس بے زوال کی قدرت کسی فعل سے عاجز بھی ہے یا ہر کام پر قادر ہے؟

جواب:

تعجب ہے کہ جس قدر سوالات اس مسئلہ میں کیے گئے ہیں ان کے جوابات پر شاید غور سے کام نہیں لیا گیا۔ ورنہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس بے مثل و بے مثال کی کوئی صفت بھی ہماری صفات کی مانند نہیں ہے۔ ہمارے وعدہ کے لیے کسی مدت وعدہ پر ایفا کا انتظار ہوا کرتا ہے۔ اگر اس وقت پر ایفا ہو گیا تو سچ، ورنہ جھوٹ۔ لیکن اس عزیز الحکیم کے وعدہ کے لیے ارشاد مولیٰ کریم کَانَ وَعْدُہٗ مَفْعُوْلًا[1] کا مقتضی ہے۔ خواہ اس کے عمل میں تاخیر ہو لیکن اس کے ہونے کے فیصلہ میں کوئی گنجائش انتظار کی نہیں ہوا کرتی۔ اب فیصل شدہ اس قادر مطلق کے فعل میں تغیر کا امکان سمجھنا سوائے جہالت کے نہیں ہے۔ رہا قادریت کا سوال، تو کئی وجہ پر جواب تو اس کا ہو چکا ہے۔ تاہم یہ ناتواں اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ[2]۔

عزیزا! مولیٰ کریم تجھے نیک سمجھ عطا فرمائیں، اس ذاتِ احد کی صفات بالذات جو باوجود

---

[1] ہے وعدہ اس کا پورا کیا گیا

[2] اور نہیں ہے توفیق مجھے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔

Marfat.com

تابع ذات ہونے کے ذات سے ایسا اتصال رکھتی ہیں کہ دراصل وہ ذات ہی ہیں، سات ہیں :

حَیٌّ ۔ قَدِیْرٌ ۔ مُرِیْدٌ ۔ کَلِیْمٌ ۔ سَمِیْعٌ ۔ بَصِیْرٌ ۔ عَلِیْمٌ ۔

یہ ذات سے منفک نہیں ہیں ۔ نہ ہی کبھی ہوئی ہیں اور نہ ہی کبھی ہوں گی ۔ جس طرح ذات معلیٰ قدیم ہے اسی طرح یہ بھی قدیم ہیں ۔ صَرف کے لحاظ سے یہ صفات صفت مشبّہ ہیں جس سے مقصود اتصال فی الذات کے سوا نہیں ہے ۔ اور تمام افعال خداوندی جو توحید فی الخلق کے مترادف ہیں، الی الخلق فاعل ہیں ۔ اور یہ صفت بالذات مُرِیْد کی تحریک کے تابع ہیں ۔ گو ہر ایک صفت ذوالجلال والاکرام اپنی صفت کی بھی مقیّد نہیں ہے ۔ ہر صفت واصفِ کل لامحدود ہے تاہم ہماری فہمید کے لیے یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ صفت مُرِیْد بدوں قدرت اور قدرت بدوں حیات کے فعل کی طرف راجع نہیں ہیں، اور ان پر علم کا احاطہ وسیع ہے ۔ اور امر جو کلیم کی صفت کے تابع ہے اس سے کُنْ فَیَکُوْن کا ظہور ہے ۔ اور سماعت و بصارت اپنے فعل کی سامع اور معائنہ کرنے والی ہیں ۔ باوجود حقیقت کے میدان میں ان صفات کے واصفِ کل لامحدود ہونے کی صورت میں تقسیم محض فہمید کے لیے روا رکھی گئی ہے ۔ جس سے یہ مقصود حاصل کرنا بعید از تحقیق نہ ہوگا کہ ان میں کی ہر ایک صفت ایک دوسرے کی ضد نہیں ہے، اور نہ ہی ان تمام صفات کی کوئی ضد ہو سکتی ہے ۔ کیونکہ وہ ذات معلیٰ اس سے پاک اور بری ہے مثلاً ذوالجلال والاکرام سمیع و بصیر اور کلیم ہیں ۔ تو یہ نہ ہوا ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے کہ کبھی صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کے مصداق بھی ہوں ۔ اور ایک دوسرے کی ضد کی نفی اس وجہ پر ہے کہ حیّ بھی ہیں اور قادر بھی ۔ لیکن قدرت مطلق کبھی اس امر کی مقتضی نہیں ہو سکتی ہے کہ مر بھی سکیں، یا مرنے کی قدرت ہی رکھتے ہوں ۔ اور یہ اس لیے کہ یہ حی کی ضد ہے ۔ اور وہ سُبحانہٗ و تعالیٰ اپنی ہر صفت پاک میں ضد سے مبرا و منزہ ہیں ۔ اب نور ایمانی کے میزان میں غور و فکر کے صحیح اوزان سے موازنہ

Marfat.com

کرنا بعید از انصاف نہ ہوگا کہ ایسی قادریت کے امکان کا گمان جو ذات باری تعالیٰ کی صفت بالذات کی ضد ہو، سوائے جہالت کے مطلق روا نہیں ہو سکتا۔

ان سات صفات بالذات کے علاوہ دوسری سب کی سب صفات بالفعل ہیں۔ جن کا تصرف الی الخلق معروف ہے۔ ان کی نسبت دو وجہ پر متحقق ہے۔ ایک تو الی الخلق ہے جس کی نسبت خالق موجودات کی طرف ہے۔ اور دوسری جس کی نسبت من اللہ خلق کی طرف ہے لیکن ایسی نسبت الی اللہ حرام ہے۔ مثلاً قَدِیْر صفت مشبہ ہے جو اُس ذاتِ احد سے منفک نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ اس کا اثبات ذات کے ساتھ بلا واسطہ ہے۔ بلکہ ایسا اتصال ہے جس کی تمیز محال ہے۔ گویا قدیر ہیں تو مطابق واصفِ کُل جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے لا محدود ہیں۔ قدیر ہیں تو سارے ہی ہیں یعنی سراسر قدرت ہی ہیں۔ اور اسی طرح پر ہر ایک وصف ہیں ہیں۔ اور قادر ہونا کسی غیر پر قدرت رکھنا یا قابو پانا ہوتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ جس کے معنی مسلمہ ہیں کہ "یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں"۔ چونکہ اس جگہ لفظ قَدِیْر استعمال ہوا ہے اس لیے جاننا چاہیے کہ اللہ جل شانہ اپنی صفت لایزال میں قدیر ہیں، اور عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ کی رو سے قادر یعنی صفت بالذات کی رُو سے تو قَدِیْر ہیں اور صفت بالفعل کے لحاظ سے قَادِر۔ چونکہ ایسے صفات کے دو رُخ ثابت ہیں اس لیے اب ان صفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اوپر کی دلیل کے موافق ہیں یعنی جو نسبت محض خلق کی طرف ہے وہ ذات معلّٰی کے لیے حرام ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ	وہی ہے اللہ جو نہیں کوئی معبود مگر وہ، بادشاہ ہے
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ	بہت پاک، سلامت سب عیبوں سے، امن دینے والا
الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ	نگہبان، غالب، زبردست، تکبر والا۔ پاکی ہے اللہ

Marfat.com

اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ	کو اس چیز سے کہ شریک لاتے ہیں۔ وہی ہے اللہ پیدا
الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی	کرنے والا، درست کرنے والا، صورتیں بنانے والا واسطے
یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ	اسی کے ہیں نام اچھے۔ پاکی بیان کرتے ہیں واسطے
الْاَرْضِ ج وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝	اس کے جو کچھ بیچ آسمانوں کے اور زمین کے ہیں اور
(پ ۲۸۔ س ۱۶۔ سورہ حشر)	وہی ہے غالب حکمت والا۔

ان صفات میں سے مَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ اور عَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ اور عَزِیْزُ الْحَکِیْمُ تو ذات باری تعالیٰ کے لیے ہے جن کی نسبت مخلوق پہ مالک ہونا، دوسرا حادث وعیوب سے پاک ہونا، اور مخلوق کو پیدا بر حکمت کرنا اور اس پہ غالب ہونے کے سوا نہیں ہے۔ اور ان صفات کی نسبت ذوالجلال والاکرام کی طرف ہے۔ جو کسی حال میں بھی مخلوق کی جانب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ممتنعات سے ہے۔ باقی صفات میں سے خَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ کی نسبت مخلوق کی جانب ہے خالق کی طرف سے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ خالق تو ہیں مخلوق نہیں ہیں، باری ہیں لیکن خود پیدائش نہیں ہیں۔ مصور تو ہیں لیکن خود تصویر نہیں ہیں۔ اور ان کے لیے اسماء الحسنٰی ہیں، سیئہ نہیں ہیں۔ اس کی نسبت خواہ تابع صفت بالفعل ہو یا صفت بالذات، سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کسی صورت میں روا نہیں ہے۔ اسماء الحسنٰی سے یہ مقصود حاصل کرنا بعید از ایقان نہ ہوگا کہ ہر اسمائے الٰہیہ سے اس کے تحت ہیں یا اس کی صفت کے مطابق معانی اور افعال ہوا کرتے ہیں۔ جیسے خالق کو مخلوق سے اور رازق کو مرزوق سے نسبت ہے اب جاننا چاہیے کہ صفات بالفعل جو دراصل صفات بالذات ہی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ صفات بالفعل تابع صفات بالذات ہیں اور صفات بالذات تابع ذات۔ تو ان تمام صفات میں یہ مقصود حاصل کرنا لازم ہے کہ جن صفات بالفعل کی نسبت ربّ العالمین کی

Marfat.com

طرف ہے اور جن کی نسبت من اللہ خلق کی طرف ہے، کیا فرق ہے اور اس فعل سے مفاد کیا ہے؟
جاننا چاہیے کہ جن صفات بالفعل کی نسبت ذات کی طرف ہے وہ غیر کی طرف ہرگز روا نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ جب غیر نہ تھا تب بھی ان صفات کی قدرت ذات معلیٰ میں جیسی کہ اب ہے موجود تھی۔ اور جونسی صفات جن کی نسبت حدث کے مترادف ہے مخلوق کے لائق ہیں اور ان کی نسبت ذاتِ معلیٰ کی طرف کرنا کفر اور جہالت کے سوا نہیں ہے کیونکہ مولیٰ کریم خالق تو ہیں، اور مطابق یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ جیسی چاہیں مخلوق پیدا کر سکتے ہیں لیکن اس قدرت کی نسبت یعنی عمل اپنی ذات کے لیے روا نہیں ہے۔ کیونکہ مخلوق محدث ہے جو تغیر کا محل ہے اور اس کی نسبت ذات باری تعالیٰ کی طرف حرام ہے۔
علیٰ ھٰذا القیاس مولیٰ کریم کا وعدہ کسی مخلوق ہی سے ہے خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔ لیکن اس کے خلاف یا ایفا کی نسبت مخلوق کی طرف، ہرگز نہیں ہے بلکہ محض اپنی ذات پاک کی طرف ہے۔ اور وعدہ خلافی ایک صریح عیب ہے، اور مولیٰ کریم تمام عیوب سے پاک ہیں اور قدرت اس امر کے منافی ہے کہ وعدہ خلافی کا ارتکاب ہو سکے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ذات میں اس کی قدرت کا بھی اعتقاد رکھنا سراسر جہالت بلکہ کفر ہے۔ کیونکہ جس طرح قدرت کے میدان میں صفت بالذات کے خلاف کا امکان ناممکن ہے اسی طرح خُلفِ وعید بھی اسی کے مترادف ہے۔ اور یہ اس لیے کہ قُدُّوس مولیٰ کریم کی اعلیٰ صفات سے ہے جس کے معانی تمام عیوب سے پاک اور مقدس ہونے کے ہیں۔ اگر زعمی قادریت کی وسعت کے لحاظ سے خلفِ وعید کے امکان کے جواز پر یقین کیا جائے جو سراسر عیب ہے تو صفت قدوس ذات باری تعالیٰ میں تغیر واقع ہو گا۔ اور یہ محال ہے۔ اس صفت قدوس کی نسبت مخلوق کی طرف کسی وجہ پر بھی منسوب نہیں ہے۔ کیونکہ مخلوق تغیر و حدوث کا محل ہے اور اس ذات پاک کی صفات میں تغیر روا نہیں ہے۔

Marfat.com

مکتوب

یہ کہ ذات سبحانہ وتعالیٰ میں بدوں عرفِ الٰہیہ کے غور وفکر کرنا جہالت ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ ذات کے لیے مخلوق میں غور وفکر کرو تاکہ مقصود حاصل ہو۔ اور ذات پاک میں تدبر سے کام نہ لو۔ کلام الٰہی بھی اس حدیث شریف کی تطبیق کرتا ہے۔ جیسا اوپر گزر چکا ہے وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ یعنی کیا تم اپنی جانوں میں نہیں دیکھتے۔

عزیزا! عزیز الحکیم اپنی حکمت کاملہ سے تجھے حصّہ نصیب کریں، جاننا چاہیے کہ خالق مخلوقات موجدِ موجودات نے کس تدبیر پر مخلوق کو پیدا کیا ہے اور کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ کی سنت کیسی زبردست واقعہ ہوئی ہے جس کا مطابق لَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا تغیر و تبدل محال ہے۔ مثلاً پانی سے آگ اور آگ سے پانی، بھاپ سے جمادات اور نباتات سے معدنیات۔ علیٰ ھٰذا القیاس لطیف سے کثیف اور کثیف سے لطیف کا فعل سرزد ہونا مطلق ناممکن ہے اب نورِ ایمانی سے یہ معلوم کرنا بعید از تحقیق نہ ہوگا کہ سوائے اُن افعال کے جو باری تعالیٰ کی ذات کے لائق ہوں امکان کا گمان کرنا جہالت اور نادانی ہے۔

بار بار سوال خداوندی قدرت اور طاقت ہی پر ہو رہا ہے کہ کسی فعل کو فاعل حقیقی کریں یا نہ کریں، طاقت رکھتے ہیں۔ وہ قدیر اپنی قدرت کاملہ میں قادر اتم ہیں یا نہیں؟ اس لیے اب میں اس لم یزل ولایزال بے مثل و بے مثال ہی سے توفیق مانگتا ہوں تاکہ اسی کی طاقت اور قدرت سے اس مشکل کو حل کروں۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ قدیر ایک صفت بالذات ہے جس کی کوئی ضد نہیں ہے۔ بہر حال اور بہر وجہ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اور یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ کے رو سے قادر ہیں۔ جن کا تصرف حقیقت کے میدان میں تین نوع پر منقسم ہے: (۱) تصرف فی الذات (۲) تصرف فی الامر

Marfat.com

(۳) تصرف فی الخلق۔

۱۔ تصرف فی الذات: الآن کما کان، ذات کے لیے ذات میں نہ تصرف نہ تحریک اور نہ کسی قسم کا تغیر و تبدل۔ صفت بالذات محض تابع ذات، متبوع کے لیے تابع کا تصرف حرام۔

۲۔ تصرف فی الامر: یعنی عالم امر کی تخلیق، جب صفت "مرید" کو ذات باری تعالیٰ نے ظہور کے میدان میں اپنی مشیت سے تحریک کی تو عالم امر کی طرف رجوع فرمایا اور جیسا کہ چاہا اپنے تصرف سے ہویدا کر دیا۔ اور اس میں تصرف روحی کا اجرا رکھا ہے۔ مثلاً لوح محفوظ اور قلم و رقم کتاب سطور سب کے سب نوری وجود میں ثابت ہیں۔ اور قدرت از تصرف بھی ان کے لیے ان کے مقام و محل اور وجود کے موافق ہی متصرف ہوا ہے۔

۳۔ تصرف فی الخلق: اظہر من الشمس ہے جس کی تخلیق عالم شہود میں خاکی وجود سے واقع ہوئی ہے جو کئی نوع پر منقسم ہے۔ تاہم تصرف دو وجہ پر ہے۔ ایک سرشتی اور دوسرا اضافیہ جو تقدیر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ تو خواہ سرشتی ہو یا اضافیہ، ہر دو کی قدرت اور طاقت بہرکیف من اللہ ہی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سرشتی توفیق میں انسان قدریہ کے موافق ہے یعنی کسی قدر اختیار من اللہ روا ہے۔ اور اضافیہ میں جبریہ کے مطابق ہے اور یہ محض تصرفات خداوندی سے ہے جس میں آدمی مجبور اور لاچار ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝	ہم نے پیدا کیا ہے تم کو پس کیوں نہیں مانتے تم۔
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ	یعنی دوبارہ اُٹھنا۔ کیا پس دیکھا تم نے جو نطفہ ڈالتے
تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝	ہو تم۔ کیا تم پیدا کرتے ہو اس کو یا ہم پیدا کرنے
(پ۲۷۔ س۱۵)	والے ہیں؟

Marfat.com

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ کیا پس دیکھا تم نے جو بوتے ہو تم. کیا تم کھیتی کرتے ہو اس کو یا ہم کھیتی کر دیتے ہیں ؟ (پ۲۷ - ۱۵)

یعنی نطفہ رحموں میں ڈالنا تمہارا کام ہے لیکن بچہ بنانا میرا کام ہے۔ اور تخم زمین میں دینا تمہارا کام ہے اور اُگانا اور پرورش کرنا میرا کام ہے۔

اب جاننا چاہیے کہ نطفہ یا بیج وجودی نظام کے رو سے وجود سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کو ہمارے فعل سے متعلق فرمایا ہے۔ اور اس کی پرورش چونکہ روحانی ہے اس لیے روحی تصرف کو جو قادریت کے مطابق ہے، اپنے فعل سے منسوب کیا ہے۔ درحقیقت سرشتی توفیق بھی اس ذوالجلال والاکرام ہی کی طرف سے ہے، اور موجد موجودات وہی خالق کائنات ہے، تاہم تقسیم کو محل و مقام کے رو سے اسی کی جانب نسبت دی ہے۔ اور اعمال کے رو سے تغیر حال کی وجہ پر جب اضافیہ تصرفات کا اجرا ہوتا ہے تو خواہ وہ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کی وجہ سے غضبی صورت ہو یا فرماں برداری کے رو سے رحمی، مطابق فرمان ایزد متعال:

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۔ (پ۲۴ - ۱) جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے پس نہیں ہے واسطے اس کے کوئی ہدایت دینے والا اور جسے اللہ ہدایت دے پس نہیں واسطے اس کے کوئی گمراہ کرنے والا۔

کا تصرف قدرتِ خداوندی سے ہوا کرتا ہے۔ اب اس میں تو کلام نہیں کہ سرشتی توفیق سے ہو یا اضافیہ تصرف سے، سب کا سب اس فاعل حقیقی کے فعل سے ہے۔ زیادہ طول دینا اس جگہ مقصود نہیں تفصیل سے تقدیر کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے۔ مقصود اس جگہ طاقت اور قدرت کے اثبات پر ہے، اور اثبات قدرت ذات بلا ثبت ماسوائے بے مثال و بے زوال اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ ہے۔ اور ہر قدرت اس قدیر کے تابع اور مسخر ہے جو غَالِبٌ عَلٰى كُلِّ غَالِبٍ کے مصداق ہے۔

Marfat.com

لیکن ذاتی تصرفات کے بغیر ہر مقام و محل پر قادریت صفت بالفعل کے مترادف ہے۔
جیسا اوپر گزر چکا ہے کہ عالم امر میں تصرفات روحی ہیں اور عالم شہود میں تصرفات اجسادی اور وہ اس لیے کہ جب کچھ نہ تھا مولی کریم اپنی ذات میں سوائے صفت بالذات کے کوئی ظہور نہ رکھتے تھے۔ جب ظہور چاہا تو اپنی قدرت کاملہ سے عالم امر کی طرف مرید ہوئے اور وہاں سے عالم موجودات کی طرف ظہور اتم فرما دیا۔ اس سے یہ مقصود حاصل کرنا لازم ہے کہ خواہ عالم امر ہو یا عالم اجساد، معیت خداوندی کے سوا نہیں ہے، جو کل تصرفات اور قدرت کا مالک ہے، جیسا کہ فرمایا ہے:

هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔

گو یہ معیت ذات سے صفت بالذات اور صفت بالذات سے صفت بالفعل کے منازل کی وجہ پر ہے لیکن اُس ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کے لیے ان منازل کی رو سے قُرب و بُعد کا باعث نہیں ہے چنانچہ دوسری جگہ کلام پاک میں فرمایا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ کیا نہ دیکھا انہوں نے طرف پرندوں کے اوپر اپنے پَر
وَّيَقْبِضْنَ ۔ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَٰنُ کھولے ہوئے اور سمیٹ لیتے ہیں۔ نہیں تھام رکھتا
إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ ۔ (پ ۲۹ ۔ ع ۲) ان کو مگر رحمٰن۔ یقیناً وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

یعنی پرندوں کے فعل کو اپنے فعل کی جانب صریح نسبت فرمائی ہے جو عین قدرت ہی ہے۔
لیکن یاد رہے کہ اس سے ذات کو حلول نہیں ہے، اور حلولیوں کے سب قول باطل ہیں:

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

مطابق قول بزرگے "جو حدث کو قدم سے نہیں پہچانتا یعنی اس کے فرق کو نہیں جانتا وہ اپنے سب اقوال میں جاہل ہوتا ہے"۔

Marfat.com

عزیزا! مولیٰ کریم تجھے نیک سمجھ عطا فرمائیں، محل و مقام کے لحاظ سے بہر صورت اور بہر وجہ تمام طاقتیں اور تمام قدرتیں اس قادرِ مطلق ہی سے ہیں۔ لیکن ان افعال کو جو حدث کے لائق ہیں، قدم کی طرف منسوب کرنا سراسر جہالت ہے۔ مثلاً اولاد کا پیدا کرنا مطابق ارشاد ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ فعل خداوندی سے وابستہ ہے جس کا مقام و محل مخلوق کے سوا روا نہیں ہے۔ لیکن ذات پاک سے ذات سبحانہٗ و تعالیٰ کے لیے ایسی قدرت کا جاننا کفر اور شرک ہے:

تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡہُ وَ	نزدیک ہیں آسمان کہ پھٹ جائیں اس سے اور
تَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَ تَخِرُّ الۡجِبَالُ	پھٹ جائے زمین اور گر پڑیں پہاڑ کانپ کر۔
ہَدًّا ۙ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ۚ	اس سے کہ دعویٰ کیا انہوں نے واسطے اللہ کے
وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّتَّخِذَ	اولاد کا، اور نہیں لائق واسطے رحمٰن کے یہ کہ
وَلَدًا ؕ (پ ۱۶ ۔ ع ۹)	پکڑے اولاد۔ (سورۂ مریم، آیت نمبر ۹۰ تا ۹۲)

یا فرمایا ہے لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوۡمٌ۔ یعنی اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی۔ اب یہ خیال کرنا کہ سوتے تو نہیں۔ لیکن اگر چاہیں تو قدرت کے منافی نہیں ہے۔ تو اس نادانی کا کیا علاج ہے؟ اونگھ کرنا یا سونا وجود کے لیے موجب راحت ہے اور رُوح کو اس فعل یعنی نیند کی احتیاج نہیں ہے۔ تو ایسی قدرت جو مخلوق میں نہ پائی جانی ثابت ہے۔ اس کی نسبت خالقِ کونین کی طرف کیا ہوگی؟

اب ذرا نورِ ایمانی سے مطابق سنت اللہ جل شانہٗ کے فکر کرنا غیر مفید نہ ہوگا کہ اُس قادرِ مطلق کی قدرت کا ظہور عالمِ روحانیت اور عالمِ شہود میں اظہر من الشمس ہے، جو تغیر کا محل ہے۔ اور ذات سبحانہٗ و تعالیٰ میں تغیر روا نہیں ہے۔ تو ایسی قدرت کا گمان جو محدث کے لائق

Marfat.com

ہو، اس کی نسبت حق تعالیٰ کے لیے حرام ہے۔ ان صاحبان پر سخت تعجب ہے جنہوں نے اس ذاتِ پاک کی قادریت کو ہر فعل نیک و بد پر روا رکھا ہے۔ اور معیار یہ رکھا ہے کہ قادریت کے کسی جزکی نفی قادرِ مطلق کی قدرتِ تامہ میں نقیض واقع ہونے کی مقتضی ہے۔ اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ اس لم یزل ولایزال کو اپنی مثل خیال کر رکھا ہے اور یہ سراسر نادانی اور جہالت ہے جس کی وجہ حدث سے قدم کو نہ پہچاننا ہے۔

عزیز! عالمِ موجودات سے عالمِ محسوسات لطیف اور وسیع ہے۔ اور عالمِ محسوسات سے عالمِ معلومات لطیف اور وسیع تر ہے، اور عالمِ معلومات سے عالمِ معروفات لطیف در لطیف اور وسیع ہے، جو عالمِ امر کے مترادف ہے۔ اور ذاتِ باری تعالیٰ ان تمام عوالم سے بدرجہا بالاتر لطیف در لطیف در لطیف ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ	نہیں پاتی ہیں اس کو آنکھیں، اور وہ پاتا ہے سب نظروں
الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ (پ ۷)	کو۔ اور وہی ہے باریک بین خبردار۔

آنکھ وجود میں لطیف ہے، اور اس (آلۂ نظر) میں نورِ بصارت لطیف تر۔ علیٰ ھذا القیاس ان تمام عالموں کو ایک دوسرے سے قریب ہونے کے لحاظ سے رشتہ تو ہے لیکن لطیف ہونے کے رو سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ کیونکہ موجودات پر محسوسات کا احاطہ تو ہے لیکن محسوسات پر موجودات کا احاطہ نہیں ہے۔ اسی طرح محسوسات پر معلومات کا احاطہ ہے لیکن محسوسات کو معلومات پر احاطہ مشکل۔ کیونکہ علم کی حس محسوسات میں نہیں ہے لیکن محسوسات سے علم کو احساس ہوا کرتا ہے۔ ایسا ہی معلومات پر عالمِ معروفات کا احاطہ وسیع تر ہے۔ عارف عالم ہوتا ہے اور عالم عارف نہیں ہوتا۔ یعنی ان تمام عالموں کو جو محاط کے درجہ پر ہیں، محیط کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے، اور محیط ان پر لطافت کے رو سے

غالب ہے۔ محیط کی قدرت محاط پر ہر لحاظ سے ممکن ہے لیکن محاط محیط پر قدرت نہیں رکھتا ہے اس لیے محیط کا فعل کسی محاط کی مثل نہیں ہو سکتا۔

گو اس بے مثل کے لیے کوئی مثال درست نہیں آسکتی تاہم فہمید کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں۔ بموجب ارشاد اللہ جل شانہٗ (فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ) غور کرنا لازم ہے کہ ہمارے نفوس یا ضمیر یا وجود میں سوائے رُوح کے کوئی چیز نہیں ہے۔ سب قدرت اور طاقت وجود میں روح ہی سے ہے۔ ہر قسم کی حرکات و سکنات اور افعال اسی سے صادر ہو رہے ہیں۔ عالم شہود کی زندگی سے موت تک بحکم خدا روح ہی رب الوجود ہے یعنی تمام نشو و نما اسی سے ہے۔ جسمانیت کا محافظ و رہنما، اس کشتی بے حس کا ناخدا، تمام اثرات کا حامل، روحانیت کے میدان کا شجر، وجود میں داخل ہونے سے باعث زندگی، اور خارج ہونے کی صورت میں موجب موت اور عفونت و پراگندگی ہے۔ وجود میں بمنزلہ فاعل حقیقی ہونے کے باوجود اس کو وجود سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ وجود سے بدرجہا لطیف تر ہے۔ وجود مثل جامہ کے ہے اور یہ صاحب جامہ۔ سوائے اُن افعال کے جو محض روحانیت سے مناسبت رکھتے ہیں، وجودی افعال مثلاً کھانا، پینا، سونا اور مباشرت وغیرہ جن سے اثبات وجود ہے، گو روح کے بغیر ان کا تصرف وجود میں مطلق ناممکن ہے تاہم روح کو ان افعال سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یا ان کی کوئی احتیاج نہیں ہے یعنی افعال وجودی کا سوائے وجود کے ظہور ہونا اس کی ذات سے محال ہے باوجود قدرت رکھنے کے ایسے افعال کا وقوع اس کے احاطۂ امکان سے باہر ہے۔

رُوح کلام الٰہی کے لحاظ سے امر الٰہی ہے جو قبل از ظہور متحقق بالذات اور بعدہٗ عالم روحانیت میں مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے رو سے امر، اور اب محل و مقام کی وجہ پر مخلوق کا حکم رکھتا ہے۔ جب

Marfat.com

مخلوق کا اپنی سرشت میں یہ حال ہے تو خالق کائنات بے مثل و بے مثال جس کی نسبت سوائے صفت بالفعل کے مخلوق کے ساتھ روا نہیں ہو سکتی کیا گمان ہو سکتا ہے؟ بمصداق ؎

جو کچھ قیاس اور گماں وہم میں آئے

اس سے بھی ورا بلکہ ورا سے بھی ورا ہے

جو گمان بھی ہم کریں گے ہم خود ہی ہوں گے، نہ کہ خدا جل و علیٰ۔

انسان ماخذ فی الضمیر کے سوا معرفت الٰہی میں مطلق جاہل ہے، اور ان صاحبان کی غلطی کا سبب بھی یہی ہے۔ اس لیے سوائے قرآن الحکیم کی دلیل کے چارہ نہیں ہے۔ عزیزا! دیکھ اور فکر کر۔ تاکہ حقیقت تجھ پر ظاہر ہو کہ اللہ جل شانہٗ نے ہر مقام و محل کے مطابق اپنے فعل کی کس طرح تصریح فرمائی ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ	کیا نہ دیکھا تو نے کیونکر کیا پروردگار تیرے نے
الْفِيْلِ ۞ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ	ہاتھیوں والوں کے ساتھ؟ کیا نہ کر دیا مکر ان کا بیچ گمراہی
تَضْلِيْلٍ ۞ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا	کے؟ اور بھیجے اوپران کے پرند جانور جماعت جماعت
اَبَابِيْلَ ۞ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ	پھینکتے تھے ان پر پتھر کنکر سے۔ پس کر دیا ان کو
سِجِّيْلٍ ۞ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ	مانند بھوسے کھائے ہوئے کے۔
مَّاْكُوْلٍ ۞ (پ۳۰ - ع۲۲)	(سورۃ الفیل)

یعنی فعل کو فاعل حقیقی نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، اور مقام و محل کے رو سے ابابیل کو لازم کیا ہے۔ کیونکہ عالم اسباب میں سنت اللہ اسی طرح جاری ہے، اور تا قیامت اسی طرح جاری و ساری رہے گی۔ دوسری جگہ فرمایا ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ج	بھلا تم نے اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا کہ وہ سایہ کو

Marfat.com

وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ج ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ٥ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ٥ (پ ۱۹ ع ۳)

کس طرح دراز کرکے پھیلاتا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ٹھیرا رکھتا پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل ٹھیرایا پھر ہم نے اس کو اپنی طرف آہستہ آہستہ کھینچ لیا۔

یہ پہلی دلیل سے بھی زیادہ روشن اور صاف ہے کہ سایہ کا بڑھانا، ٹھیرانا، اور سمیٹنا سب اپنے فعل کی طرف منسوب فرمایا ہے لیکن ساتھ ہی فرمادیا ہے کہ اس کا رہنما ہم نے سورج کو بنایا ہے یعنی بظاہر دیکھنے میں تو سایہ کی حرکات وسکنات آفتاب کی حرکت کے تابع ہیں لیکن فاعل حقیقی اللہ جل شانہٗ ہیں۔ اب یہ مسلمہ امر ہے کہ سایہ سورج کی ضیا کے سامنے اوٹ کے باعث ہے۔ اگر آفتاب نہ ہوتا تو سایہ کا وجود ہونا ناممکن تھا۔ آج اگر سورج (جو مخلوق ہے) بحکم خدا فنا ہو جائے تو کہاں کا سایہ اور کیسی حرکات وسکنات؟ تو سمجھنا چاہیے کہ مولیٰ کریم کا ہر فعل مقام ومحل کے رو سے اسی کے موافق ہوا کرتا ہے۔ رُوح کے مرسل کرنے اور واپس لے جانے کے لیے اسی کے موافق ملک مؤکل کیے ہیں اور عالم شہود میں اپنے تصرفات اور فعل کے لیے موجودات ہی میں برگزیدہ فرمائے ہیں۔ اور ہر قسم کے تصرفات اس فاعل حقیقی ہی کی طرف سے منصرف ہیں۔ خصوصاً انسان کے ذکر میں جس کا بیان قرآن الحکیم میں اظہر من الشمس ہے۔ خواہ توفیق یعنی سرشتی وجبریہ ہو یا اضافیہ ہر فعل کے موجد اللہ جل شانہٗ ہی ہیں۔ سرشتی توفیق وہ ہے جو انسان کی سرشت میں مرسل کی گئی ہے۔ مطابق:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ٥ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ٥ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ٥ (پ ۳۰ ۔ ع ۱۶)

پس جی میں ڈالی اس کے بدکاری اس کی اور پرہیزگاری اس کی تحقیق مراد کو پہنچا جس نے پاک کیا اس کو۔ اور بیشک نامراد ہوا جس نے گاڑ دیا اس کو۔

Marfat.com

یہ آزمائش کے میدان میں امر و نواہی کی وجہ پر اعمال کے رُو سے ہے۔ اور اضافیہ صورت وہ ہے کہ آزمائش اور فیصلہ ہو جانے کے بعد تصرف الٰہی (خواہ غیرت کی رو سے ہو خواہ رحمت کی وجہ پر) انسان کے لیے حلال ہو جاتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ	پس جس کو ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ ہدایت کرے اس کو
صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ یُّرِدْ	کھول دیتا ہے سینہ اس کا واسطے اسلام کے اور
اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا	جس کو ارادہ کرتا ہے یہ کہ گمراہ کرے اس کو کرتا ہے
حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ	سینہ اس کے کو تنگ بند۔ گویا کہ زور سے چڑھتا
كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى	ہے بیچ آسمان کے۔ اسی طرح کرتا ہے اللہ ناپاکی
الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ	اوپر ان لوگوں کے کہ نہیں ایمان لاتے۔ اور یہ ہے
رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا ۝ (پ - ۸)	راستہ پروردگار تیرے کا سیدھا۔

جس کے دو رُخ ہیں۔ ایک تو بندہ سے خداوند کریم کی طرف، اور دوسرا خداوند عزّ وجل کی طرف سے بندہ کی جانب۔ بندہ سے رب العزۃ کی طرف سوائے فرماں برداری اور مجاہدہ کے نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بندہ کی طرف تصرفات عنایت، رحمت اور ہدایت ہے جیساکہ آیت شریف میں بیان فرمایا ہے کہ جس کے لیے ہم ہدایت کا ارادہ کرتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتے ہیں، اور جس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتے ہیں۔ تو اب معلوم ہونا چاہیے کہ سرشتی توفیق میں تو فضل خداوندی توفیق کی وجہ پر ہے اور اضافہ صورت کی رو سے تصرف الٰہی ثابت ہو رہا ہے۔ اب کہا جا سکتا ہے کہ خواہ مقام و حال کی وجہ سے کسی صورت پر ہو، اس خالق کائنات، موجد موجودات کے تصرفات ہی سے ہے۔ اس سے یہ مفاد حاصل کرنا سراسر موجب ہدایت ہوگا کہ سرشتی توفیق

Marfat.com

جس کے آزمائش کے میدان میں دو رُخ ہیں: فرماں برداری اور نا فرمانی۔ اور کلام پاک سے اس کا فیصلہ یوں فرمایا ہے:

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ز وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ط (پ۔ ۵)

جو کچھ پہنچتا ہے تجھ کو بھلائی سے بس خدا کی طرف سے ہے، اور جو کچھ پہنچتا ہے تجھ کو برائی سے پس وہ نفس تیرے سے ہے۔

چونکہ سیئات میں (جن کو انسان کی طرف منسوب فرمایا ہے) کسی قدر انسان کو مختار کیا ہے، اس لیے اس کی نسبت خلاف کلام اللہ مولیٰ کریم کے فعل کی طرف کرنا ظلم عظیم ہے۔ ایسا ہی ان افعال کی نسبت جو عیب ہیں، اللہ تعالیٰ کے فعل کی طرف منسوب کرنا کفر ہے۔ کیونکہ سُبحانہٗ تعالیٰ کی تعریف مَلِكِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ ہے، اور قادریت کے میدان میں ایسی نسبت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسُوب کرنا قدوسی صفت کی ضد ہے اور وہ ذات معلّٰی ضدوں سے پاک ہے۔ ہاں غیرت کے روسے نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ[1] کی وجہ پر فعل خداوندی کا تصرف مسلم ہے جس کی نسبت قادریت کے میدان میں سنت اللہ کے موافق ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تمام تصرفات ہمارے حال کی وجہ پر صفت بالفعل سے وابستہ ہیں۔ گو صفت بالفعل کا واسطہ صفت بالذات کے ساتھ ہے لیکن صفت بالفعل کے سوا ذات سے ان اوصاف کو کوئی نسبت نہیں ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اور اس کی فہمائش کے لیے اوپر رُوح اور جسم کی مثال گذر چکی ہے۔ یعنی وجودی افعال (کھانا، پینا، سونا وغیرہ) کوئی فعل روح کے سوا نہیں ہے۔ لیکن بایں ہمہ رُوح ان تمام عوارضات سے

---

[1] پھیرتے ہیں ہم اس کو جدھر وہ پھرتا ہے اور ملائیں گے ہم اسے دوزخ کو۔

Marfat.com

مبرا و منزہ ہے۔ تو مقام غور ہے کہ اس لم یزل و لایزال، بے مثل و بے مثال کے لیے مخلوق کی سی نسبت کرنا کونسی قادریت کو ثابت کرنے کے لیے روا ہوگی؟ اب اس امر سے خوف کرنا چاہیے کہ ان افعال کی نفی جو ذات سبحانہ' و تعالیٰ کے ہرگز لائق نہیں ہو سکتی، قدرت اور طاقت کی نفی پر قیاس کی جا رہی ہے ـــــ ہیہات۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ میں بغیر معرفت الٰہی کے کلام جہالت کے سوا نہیں ہے اور یہاں معرفت تو در کنار، معلوم ہوتا ہے کہ علم ذات باری تعالیٰ کے نہ ہونے کی وجہ سے قادرِ مطلق کی قادریت کو اپنی ہی قدرت اور طاقت پر قیاس کر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلف وعید کی قدرت کے قائل ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہ عیب ہے جو اس قدوس کی شان کے لائق نہیں۔ نہ معلوم کہ عیب تو در کنار، جو مخلوق کے نزدیک کار ثواب اور روحانیت کا ثمر اور اعلیٰ مقصود ہے وہ بھی ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے مطلق روا نہیں ہے۔ مثلاً عبادت کرنا، عاجز ہونا، ثواب کا طالب ہونا، مجاہدہ کرنا، فَفِرُّوْا اِلَى اللهِ[1] کے راستہ صراط المستقیم پر چلنا، قربِ خداوندی کے لیے سعی کرنا، ذکر اور فکر کرنا، ندامت کے ساتھ توبہ کرنا۔

اب ذرا گوش ہوش سے پنبۂ غفلت کو ہٹا اور چشم بصیرت کو کھول، اور طلب حق کے قدموں کو ادب کی بساط پر رکھ کر تحقیق کے ترازو میں نور ایمانی کے اوزان سے موازنہ کر کے دیکھ کہ جس کی شان میں لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ[2] کا فرمان ہے، اس کے لیے کسی فعل کی مناسبت و مماثلت کسی مخلوق سے روا ہو سکتی ہے؟

---

[1] پس دوڑو طرف اللہ کی۔ [2] نہیں ہے مثل اس کی کوئی چیز۔

Marfat.com

اِنسان ازلی سعید ہے

سوال:

قرآن حکیم میں فرمان مولیٰ کریم ہے:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ	اور البتہ بیشک پیدا کیے ہم نے واسطے دوزخ کے
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا	بہت جنوں سے اور آدمیوں سے۔ واسطے ان کے
يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا	دل ہیں کہ نہیں سمجھتے ساتھ ان کے اور واسطے ان کے
يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا	آنکھیں ہیں کہ نہیں دیکھتے ساتھ ان کے اور واسطے
يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ	ان کے کان ہیں کہ نہیں سنتے ساتھ ان کے۔ یہ لوگ
بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ	مانند چارپایوں کے ہیں، بلکہ یہ لوگ زیادہ تر گمراہ
الْغٰفِلُوْنَ ۝ (پ ۹ - ع ۱۲)	ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں غافل۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس خالق موجودات نے اکثر آدمیوں اور جنوں کو جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس آیت سے لازم آتا ہے کہ یہ رنگ آمیزی ازل ہی سے مشیت ایزد متعال کے موافق قدرت کی بساط پر گُل کاری کی مقتضی ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ چون و چرا کرے۔

جواب:

مَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ! اس مسئلہ کا انحصار ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ پر ہے۔ یعنی پیدا کیا ہے ہم نے واسطے جہنم کے۔ اس میں کلام نہیں کہ لغت کے لحاظ سے ذَرَاْنَا کے معنی سوائے آفرینش

Marfat.com

یعنی پیدائش کے نہیں ہیں۔ اسی لیے سب مفسرین اسی پر ہیں اور یہ بالکل بجا و درست ہے۔ لیکن ذرانا اور خلقنا میں بڑا فرق ہے۔ ہر خلقنا عدم سے ہستی کی طرف ظہور کے لیے منسوب ہوا ہے۔ جب اس خالق کائنات نے انسان کی تخلیق کا ارادہ کیا تو فرمایا:

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝ — میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔

اور اس کو خلقت اول سے نامزد کیا ہے۔ بعدہٗ جب جنس سے جنس کی تخلیق منظور ہوئی تو یوں ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ	اور تحقیق پیدا کیا ہم نے آدمی کو ستی ہوئی یعنی بچی
مِّنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً	مٹی سے۔ پھر پیدا کیا ہم نے اس کو ایک قطرہ منی
فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا	کا بیچ جگہ مضبوط کے۔ پھر پیدا کیا ہم نے منی کو لہو جما
النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ	ہوا۔ پس پیدا کیا ہم نے لہو جمے ہوئے کو بوٹی گوشت
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا	کی۔ پس پیدا کیا ہم نے بوٹی کو ہڈیاں۔ پھر پہنا دیا
فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ	ہم نے ہڈیوں کو گوشت پھر پیدا کیا ہم نے اس کو
خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ	پیدائش اور پس برکت والا ہے اللہ بہتر
الْخٰلِقِیْنَ ۝ (پ۱۸ - ع۱)	پیدا کرنے والوں کا۔

اس تخلیق کو خلقًا اٰخر سے موسوم فرمایا ہے۔ خواہ خلق اول ہو یا خلق آخر، بہر کیف اس خالق یکتا کے فعل حقیقی کے سوا نہیں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو تخلیق عدم سے ظہور کی طرف پیدا ہوئی ہے اور بلا تصرف و دخل ماسوی اللہ واقع ہوئی ہے وہ خلق اول ہے۔ اس پر ذُرِّیَّة کا لفظ مطلق نہیں آسکتا۔ اور نہ ہی وہ کسی کی ذُرِّیَّة (اولاد) ہے۔ اور جو تخلیق کسی جنس سے بحکم خدا ظہور میں آئی ہے یہ خلق آخر ہے۔ گو مشیت ایزد متعال

Marfat.com

کی قدرت کاملہ کے ضمن میں یہ بھی مخلوق ہے۔ لیکن اس کے لیے ذُرِّیَّۃ ہی کا حکم بجا و درست ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ	اور جب لیا پروردگار تیرے نے بیٹیوں آدم کے سے
مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ (پ ۹ ع ۱۳)	پیٹھوں ان کی سے اولاد ان کی کا یعنی عہد

تو اس سے معلوم ہوا کہ ذریت بمنزلہ فرع کے ہے اور خلقت اول بمنزلہ اصل۔ ذریت بمعنی اولاد کے ہے اور ہر خلقت اول اس سے مبرا ہے۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ ہر چیز جس کا ظہور ہو چکا ہے' اور جو کچھ ظاہر ہونے والا ہے' اس ذات پاک کے علم میں متحقق بالذات ہے۔ جب ظہور چاہا تو عالم امر کی طرف مرید ہوئے' یعنی عالم امر میں ظہور اول کا ارادہ فرمایا اور وہاں سے عالم شہود میں ظہور تام کر دیا۔ اب ان ہر دو تخلیق یعنی روحی و اجسادی کا ذکر قرآن کریم اظہر من الشمس ہے۔ جس سے ازلی بدبخت اور شقی تو درکنار ایک لفظ بھی اس قسم کا نہیں پایا جاتا جو یہ ثابت کرے کہ ہم نے روز ازل ہی سے کچھ جنوں اور انسانوں کو جہنم کے لیے خلقت کیا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس تمام بنی نوع انسان کا ازلی مومن ہونا پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی عہد الست کے متعلق فرمایا ہے:

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ	اور کیا ہے واسطے تمہارے کہ نہیں ایمان لاتے ساتھ
الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ	اللہ کے اور رسول پکارتا ہے تم کو تو کہ ایمان
وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ	لاؤ ساتھ رب اپنے کے اور تحقیق لیا ہے قول تمہارا
مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (پ ۲۷ ع ۱۷)	اگر ہو تم ماننے والے۔

صاف ظاہر ہے کہ اگر تم باور کرنے والے ہو تو یہ حق ہے کہ عالم ارواح میں ہم تم سب میثاق لے چکے ہیں۔ اور یہ ناسعت اور تعجب کے رو سے ارشاد مبارک ہو رہا ہے کہ "تم کو کیا ہو گیا ہے

Marfat.com

جبکہ تم روز میثاق میں میری وحدانیت اور ربوبیت کا اقرار کر چکے ہو تو پھر کیوں ایمان نہیں لاتے ہو؟ تو اب نور ایمانی سے دیکھنے سے صاف نظر آئے گا کہ اس آیت سے تمام بنی آدم کا ازلی بدبخت نہیں بلکہ ازلی سعید ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ رہا تخلیق اجسادی یعنی عالم دنیا میں کا ظہور، سو ذرا گوش ہوش سے پنبۂ غفلت کو وا کر کے کلام الٰہی کا ارشاد سن تاکہ یہ عقدہ کماحقہٗ حل ہو جائے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا — پیدائش خدا کی کو جو پیدا کیا لوگوں کو اوپر اس کے۔

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (پ ۲۱-۷) — نہیں بدلنا ہے واسطے پیدائش خدا کی کے۔

گو موقع و محل کے رو سے اس خلقت کو میدان دنیا ہی کا تجر کہا جاتا ہے۔ لیکن دراصل یہ فطرت انسانیہ عالم ارواح ہی سے انسان کے لیے ودیعت کی گئی ہے جو روح اور اس کے اصل کے سوا نہیں ہے۔ یہ وجود محض لباس کی مانند ہے۔ خلقت روحی ہو یا جسدی ہر چند آفرینش میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اصل اور فرع کا سا حال ہے۔ فرع تغیر کا محل ہو سکتا ہے لیکن اصل میں تغیر روا نہیں ہے۔ حدیث شریف اس پر گواہ ہے:

کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُّوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ وَ — ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور ماں باپ

اَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ — ہی اس کو یہودی بنا لیتے ہیں یا نصرانی بنا لیتے ہیں

یُمَجِّسَانِهٖ — یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

مولیٰ کریم نے انسان کی فطرت اور سرشت کو اپنی صفت سے نسبت دی ہے اور اس کی خلقت کو دِیْنُ الْقَیِّم فرمایا ہے جو مطابق لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ہرگز تبدیل نہ ہو گی۔ اب نور ایمانی کی روشنی میں معائنہ کرنے سے معلوم ہو گا کہ اس عزیز الحکیم نے انسان کی خلقت کو عین دین بنایا ہے، یا اس کی فطرت کو عین دین پر بنایا ہے۔ تو پھر ازلی بدبخت ہونے کا الزام فطرت

Marfat.com

سرشت اور خلقت کی وجہ پر ذوالجلال والاکرام کی طرف منسوب کرنا سوائے خطا کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ اور وہ اس لیے کہ آفرینش انسان کی ابتدا عالم امر سے ہوئی ہے۔ اور تمام سرشت کا حامل روح ہی ہے جو حیاتی کا اصل ہے۔ عالم روحانیت میں میثاق کی رو سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کی تعلیم وارد ہوئی ہے جس کے جواب میں قَالُوْا بَلٰی کی صدا قرار کی وجہ پر بلند ہوئی۔ پھر ہر چیز کے روبرو امانت پیش کی گئی۔ سب ڈر گئے لیکن مشیت ایزد متعال کی یاوری نے اسے اس کے حامل ہونے کی توفیق دی اور یہ بے بہا دولت اسی کے نصیب میں ہوئی۔ بعدہٗ میدان دنیا میں تعلیم و تلقین کے لیے دین الحق کے سمجھانے، صراط المستقیم پر چلانے، ضلالت سے بچانے اور اصل مقصود کو پانے کے واسطے پیغمبروں اور نبیوں کو مرسل کرنے کی سنت جاری کر دی۔ بتوسل ان پاک ہستیوں کے اپنے کلام پاک کا یوں ارشاد فرمایا:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنِ	پس اگر آوے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت
اتَّبَعَ ھُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی ○	پس جس نے پیروی کی ہدایت میری کی پس نہ گمراہ
وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ	ہوگا اور نہ ایذا کھینچے گا۔ اور جس نے منہ پھیرا یاد میری
مَعِیْشَةً ضَنْکًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ	سے پس تحقیق واسطے اس کے معیشت ہے تنگ اور
الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی ○ (پ ۱۶ - ع ۱۴)	اٹھائیں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا۔

سب سے پہلے آدم اور بنی آدم کے لیے یہی وحی ہوئی ہے۔ اب غور و فکر سے معلوم کرنا چاہیے کہ جس کی ابتدا ایقان و اقرار اور تصدیق و ایمان پر ہو، اور فطرت و سرشت اس کی دین پر، اور آزمائش کے میدان میں تعلیم اپنے کلام پاک اور صدور اطہر انبیاء سے ہو اس کے لیے اس تمام سلسلہ کے برعکس بلاوجہ و بلاحجت ازلی بدبخت اور شقی کی نوشت بھی تقدیر کی بساط پر تحریر

Marfat.com

ہو چکی ہو، کہنا ہی پڑے گا کہ یہ بالکل محال ہے۔ کیونکہ یہ سارے قرآن شریف میں ذَرَاْنَا لِجَہَنَّمَ کے سوا ایک آیت تو درکنار ایک لفظ بھی بلا حجت کہیں پایا نہیں جاتا۔ اور اس آیت کو بھی ان معنوں پر محمول کرنا مفہوم کی غلطی ہے ورنہ کلام الٰہی میں اختلاف واقع ہوگا جو مطابق فرمان مطلق روا نہیں ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ط وَلَوْ کَانَ مِنْ	کیا قرآن مجید کو غور سے نہیں سمجھتے ؟ اور اگر یہ خدا
عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا	کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بے حد
کَثِیْرًا ۰ (پ ۵ - ۸)	اختلاف پاتے۔

قرآن حکیم کے معانی تطبیق کے معیار پر ہی صحیح ہو سکتے ہیں۔ اور یہ معجز نمائی قرآن حکیم ہے۔ اس لیے نفس آیت مبارک میں تحقیق کی بساط پر غور و تعمق سے معائنہ کرنا ازحد ضروری ہے۔ عزیزا! جاننا چاہیے کہ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَہَنَّمَ کی علت اور حجت لَہُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَہُوْنَ بِہَا پر ہے۔ اور وہ اس طرح پر کہ جس جگہ لَکُمْ یا لَہُمْ کی ضمیر آتی ہے صلہ اس کا منفعت ہوا کرتا ہے۔ جیسے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا یعنی جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لیے ہے۔ یعنی تمہارے نفع کے لیے ہے۔ یا تمہاری خاطر ہے۔ اسی طرح لَہُمْ قُلُوْبٌ ہے کہ "واسطے ان کے دل تو ہیں" تاکہ ان سے سمجھیں، فائدہ اُٹھائیں، ہدایت حاصل کریں لیکن لَا یَفْقَہُوْنَ بِہَا وہ اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ اسی طرح لَہُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِہَا ہے کہ آنکھیں تو مرحمت فرمائیں لیکن وہ دیکھتے نہیں۔ اور لَہُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِہَا کہ ہم نے ان کو قوت سماعت تو عنایت کی تھی کہ اس سے سنیں لیکن وہ سنتے نہیں۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ ط وہ لوگ چارپایوں کی مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی گمراہ۔ پس ثابت ہوا کہ خلقت اور سرشت میں (روحانی ہو یا جسمانی) ہر

Marfat.com

فطرت کو ان اوصاف سے مزین فرمایا ہے، ان انعامات سے سرفراز کیا ہے لیکن وہ مصداق قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ باوجود ان تمام عنایات کے ناشکری میں گرفتار ہو گئے۔ دل رکھتے تھے مگر نہ سوچا۔ آنکھوں والے تھے مگر اندھا رہنا پسند کیا، ان کے کان تو تھے مگر جان بوجھ کر نہ سنا۔ تو مطابق اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ اس غفلت کے باعث ازروئے غیرت بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کی وجہ پہ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی کے رُو سے تصرف اضافیہ کے تحت میں ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ کے مستحق ہوئے۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى	اسی طرح ثابت ہوئی بات پروردگار تیرے کی
الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝	اوپر ان لوگوں کے جو فاسق ہوئے۔ یہ کہ وہ نہیں
(پ ۱۱۔ سورہ ۹)	ایمان لائیں گے

بات ان پر ختم ہو گئی، حجت اپنے اتمام کو پہنچی، ہمیشہ کے لیے دوزخ ان کے نصیب کر دی گئی، لیکن یہ الزام اس ذات پاک پر کہ ازل ہی سے وہ جہنم کے لیے پیدا کیے گئے، مطلق روا نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے ذَرَاْنَا اور خَلَقْنَا میں بہت بڑا فرق ہے جس کا کسی قدر ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ اب (مَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ) اس کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کچھ وضاحت کی جاتی ہے تاکہ یہ اشکال کماحقہٗ حل ہو جائے۔

اے عزیزہ! اوپر گذر چکا ہے کہ کسی چیز کا عدم سے ظہور خلق کی تعریف ہے اور باوجود خلق ہونے کے ذُرِّيَّة کی تعریف اولاد ہے۔ جیسے فرمایا:

مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ	آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے اور ان لوگوں سے
نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ	جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں)
(پ ۱۶۔ سورہ مریم)	سوار کیا اور ابراہیم اور اسرائیل (علیہما السلام) کی اولاد سے

Marfat.com

جو خَلْقًا اٰخَرَ کے مترادف ہے۔ خلقت، سرشت اور فطرت میں تو مطلق فرق نہیں ہے۔ فرق اس خلقت اور ذریت میں صرف اتنا ہے کہ ذریّۃ جو بمنزلہ اولاد ہے، تمام اثرات (تخمی، صحبتی، کسبی، مُلکی) سے از حد متاثر ہے۔ گو تمام اثرات کا حامل ہونا انسان اور اس کے اصل کے سوا نہیں ہے۔ یعنی اس کی خلقت اور سرشت اس عزیز الحکیم نے بحیداثرات کے قبول کرنے والی بنائی ہے۔ تاہم یہ صورت ذاتیہ ہے۔ اور ذریّۃ کے لیے ذاتیہ اور اس پر خارجی اثرات کا غلبہ از حد مسلمہ امر ہے۔ مثلاً ہندو کا بچہ اپنے والدین کے دین پر بلا ارادہ ہندو ہوا کرتا ہے یہودی کا یہودی، نصرانی کا عیسائی، اور بدھ مذہب کا بدھو۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔ گو یہ قاعدہ کلیہ نہیں تاہم اکثریت اسی پر ہے اور حکم اکثر پر ہوا کرتا ہے۔ بعض تو صحبت (نیک یا بد) سے متاثر ہو کر بالکل ویسے ہی ہو جاتے ہیں۔ بمصداق ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند

صحبتِ طالح ترا طالح کند

صحبت کا ورک اس قدر غالب ہے کہ بعض اوقات تخمی اثرات پر بھی غلبہ پا جاتا ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

پسر نوح با بداں بنشست خاندان نبوتش گم شد

سگِ اصحابِ کہف روزے چند پئے مرداں گرفت مردم شد

نیز ملکی اثرات کئی وجہ پر ہیں لیکن اس جگہ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ مختلف زبانوں اور رنگوں کا فرق فی القرآن المجید:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	اور نشانیوں اس کی سے ہے پیدا کرنا آسمانوں کا
وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ	اور زمین کا اور اختلاف بولیوں تمہاری کا اور

Marfat.com

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ۝ (پ۲۱ ۔ س۱۰) رنگوں تمہارے کا تحقیق بیچ اس کے البتہ نشانیاں ہیں واسطے عالموں کے۔

بالکل عیاں ہے جو مختلف ملکوں کی بود و باش کے اثرات کا نتیجہ ہے۔

رہا کسبی، تو یہ دراصل تخمی اور صحبتی اثرات ہی کا نتیجہ ہوا کرتا ہے جس کے بیان میں بہت طول ہے اور تفصیل کے لیے ایک الگ کتاب درکار ہے جو اس جگہ مقصود نہیں ہے اس لیے یہاں صرف حصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اتنا ہی کافی ہے کہ انسان ما خذ فی الضمیر کے سوا کچھ کر نہیں سکتا اور جو فعل اس سے سرزد ہوتے ہیں انہی کا بندہ ہوا جاتا ہے اور انہی میں اس کی ترقی ہوتی رہتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ہر شخص اپنی کمائی کے بدلے میں رہن ہے۔

آہستہ آہستہ میدان آزمائش میں اس کی عادت ہو کر طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔

آمدم برسر مطلب:

بریں وجہ نیک ہو یا بد، مسلم ہو یا کافر، مومن ہو یا منافق، اس کی فطرت میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوتا ہے سوائے اس کے کہ اگر اس کی فطرت راستی پر صراط المستقیم کو حاصل کر کے فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ[1] کی سعادت سے فائز ہوئی، اور اس رحیمؒ و ودود نے اس کی یاوری کی تو وہ مقصود سے مسرور ہوئی اور قرب خداوندی، مشاہدۂ الٰہی اور لقائے لامتناہی سے محفوظ کر دی گئی، اور فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا[2] کا مژدہ اس کے لیے مبارک باد دینے والا ہوا۔ اور جن بدبختوں کی سعی ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[3] کے مطابق دنیا میں گمراہ ہو گئی، بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ[4] کے رو سے

---

[1] پس دوڑو طرف اللہ کی
[2] مراد پائی بہت بڑی مراد
[3] گم ہو گئی سعی ان کی زندگانی دنیا میں
[4] بسبب اس چیز کے کہ کماتے تھے۔

Marfat.com

ان کو بُعد اور حجاب میں مبتلا کر دیا۔ یا دوسرے لفظوں میں انہوں نے وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ کے موافق خود یہ مقام حاصل کر لیا۔

یاد رہے کہ ان ہر دو مقامات (اعلیٰ اور اسفل) میں فطرت کی رو سے کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی ہے۔ صرف بُعد و قُرب کا معاملہ ہے۔ حجاب اور مشاہدہ کا سا حال ہے۔ حجاب سراسر جہنم کا اصل ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ (پ ۳۰ - ۸) — ہرگز نہیں یوں، یقیناً وہ اپنے پروردگار سے اس دن البتہ حجاب میں ہوں گے۔

سب عذابوں کا اصل، سب نعمتوں سے محرومی اور سب مصائب کی جڑ ہے۔ اور قُربِ الٰہی مشاہدۂ لامتناہی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ اور وہ اس لیے کہ انسان کا معاملہ اپنے ربِ کریم کے ساتھ محبت کا ہے۔ کلامِ الٰہی اس پر شاہد ہے۔ اور محب کے لیے اپنے محبوب کے حجاب سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہوتا۔

اس سارے بیان کا ماحصل یہ ہے کہ خلقتِ انسانیہ بمنزلہ جبریہ کے ہے یعنی اس میں کسب کو کسی قسم کا مطلق دخل نہیں ہے۔ اور ذَرَأَنَا انسانی تصرف کے سوا نہیں ہے۔ اور ذَرَأَنَا صرف اولاد کے لیے مخصوص نہیں بلکہ زراعت وغیرہ بھی اس میں شامل ہے۔ چنانچہ قرآنِ مبین میں فرمایا ہے :

(۱) وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا (پ ۸ - ۳) — اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کیے ان میں اسے حصہ دار ٹھیرایا

(۲) وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا — اور وہ جو تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا مختلف

۱؎ اور اللہ تعالیٰ نے ظلم نہ کیا اور لیکن آپ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں

Marfat.com

اَلْوَانُہٗ (پ ۱۴ - ۵) رنگوں میں۔

(۳) وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلایا اور

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ (پ ۱۸ - ۵) اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

تو اس سے یہ مقصود حاصل کرنا ضروری ہے کہ جس طرح زمین میں بیج بونے سے بحکم خدا اور تصرف و قدرتِ خداوندی سے اگتا اور بار آور ہوتا ہے اسی طرح مملکتِ انسانیہ یعنی زمینِ قلب میں بھی جو تخم بویا جاتا ہے وہی نشوونما پاتا ہوا ثمر تک پہنچ جاتا ہے۔ بمصداق ؎

از مکافاتِ عمل غافل مشو

گندم از گندم بروید جو ز جو

تو خواہ زمینِ قلب ہو جو عالمِ مثال کے مترادف ہے یا ارض الدنیا جو عالمِ شہود یعنی موجودات میں سے ہے، ہر دو کی خلقت میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ ہاں تجربہ سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ اچھی اور شیریں زمین جب کسی عارضہ (مثلاً سیم وغیرہ یا کسی اور وجہ سے کڑوی ہو جاتی ہے تو اس میں خود بخود بلا تخم ایسی تاثیر پیدا ہو جاتی ہے کہ کڑوی اور نمکین جڑیاں مثلاً لانی وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح عالمِ مثال کے میدان میں یا مملکتِ انسانیہ کی زمینِ قلب میں بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کے عمل نیک یا بد کی وجہ سے ایمان یا کفر کا شجر پیدا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اپنے ثمر تک پہنچ جاتا ہے۔ بایں ہمہ غور و تعمق سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ خلقت یا فطرت میں تو کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوا محض کسب کی رُو سے قُرب اور بُعد کا باعث ہو گیا جس سے ایمان اور کفر کے ماتحت مومن اور کافر بن کر جنتی اور جہنمی ہونے کا مستحق ہوا جس کی علت سراسر کسب اور عمل ہی ہے۔

سوال: اس میں کلام نہیں کہ ظہور کے میدان میں علت عمل نیک و بد ہی ہے لیکن

Marfat.com

ذَرَأنَا لِجَهَنَّمَ یعنی پیدا کیا ہم نے اکثر جنوں اور انسانوں کو واسطے جہنم کے کسب اور عمل سے مبرا ہے۔ بلکہ نَا کی ضمیر سے مولیٰ کریم نے اسے اپنے فعل کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

جواب:

اوپر گزر چکا ہے کہ خَلَقْنَا اور ذَرَأنَا میں بڑا فرق ہے۔ خَلَقْنَا محض تصرف الٰہی سے ہے اور ذَرَأنَا کسب انسانی سے۔ رہا یہ کہ اس کی نسبت اس خالق حقیقی نے اپنی ذات کی طرف رکھی ہے، اور یہ بالکل بجا و درست بلکہ حق ہے لیکن یہ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ[1] کے مطابق بلا حجت نہیں ہے۔ جیسے کہ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ[2] کی نسبت تو فاعل حقیقی کی طرف ہے، اور حجت اس کی اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا[3] ہے۔ اسی طرح لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ[4] کی نسبت تو قادرِ مطلق کی طرف ہے۔ لیکن بموجب عدۂ روز ازل پیروی ابلیس کما قال اللہ تعالیٰ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ[5] حجۃ بالغہ اظہر من الشمس ہے۔ نیز نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ[6] دست قدرت کے تصرف کے سوا نہیں جو سراسر فاعل حقیقی کے فعل کے مترادف ہے، لیکن حجت اس کی مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ[7] ہے جو بالکل عیاں ہے۔

خبردار ہونا چاہیے کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی چیز نہ بدلنا یہی سیدھا دین ہے)

ے۱ پس واسطے اللہ کے ہے حجت پہنچی ہوئی۔

ے۲ مہر کی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر۔

ے۳ بیشک جو لوگ کافر ہوئے۔

ے۴ ضرور بھریں گے ہم جہنم کو جنوں اور آدمیوں سب سے۔

ے۵ تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے۔

ے۶ مسلط کرتے ہیں اس کے لیے شیطان پس وہ اس کا ساتھی ہے

ے۷ جو شخص آنکھیں موندے رحمٰن کی یاد سے۔

Marfat.com

اس بات پر شاہد ہے کہ مولیٰ کریم نے انسان کو دین القیم پر خلقت فرمایا ہے، کسی کو ازلی بدبخت نہیں بنایا ہے۔ ورنہ اس آیت کریمہ کا فائدہ نہیں رہتا ہے۔ گو سنت الٰہی کے مطابق نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی کی بساط پر عرضی صورت کا تصرف ظہور پذیر ہے جو سراسر غیرت کی بنا پر بُعد و قُرب کا باعث ہے۔ تاہم فطرت یعنی خلقت لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کے موافق تغیر و تبدل کا مقتضی نہیں ہے۔ اسی طرح لَقَدْ ذَرَاْنَا بھی ہے۔ جس کی علت لَا یَفْقَهُوْنَ بِهَا، لَا یُبْصِرُوْنَ بِهَا اور لَا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ہے۔ قُلُوْبٌ و اَعْیُنٌ اور اٰذَانٌ خلقت کے مترادف مذکور ہے اور غفلت بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کی وجہ پر اس سے محروم رہنا ذَرَاْنَا کے موافق ہے، جو سراسر کسب اور عمل بد کے مطابق ہے۔ گو نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی کی زبردست سنت کے موافق اس فاعل حقیقی کے سوا نہیں ہے لیکن فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ کے مطابق یہ سراسر کسب ہی کا نتیجہ ہے۔ اور جو حدیث شریف میں دو کتابوں کا ذکر ہے جن میں اہل دوزخ اور اہل جنت کے نام درج تھے، اس کا بیان پہلے "تقدیر انسان" اور "قضا و قدر" کے عنوانوں کے تحت میں گزر چکا ہے۔

حلف بالقرآن

یہ مسلمہ امر ہے کہ سوائے ذات ذوالجلال والاکرام کے کسی مخلوق کی قسم اُٹھانا جائز نہیں ہے اور نہ ہی ایسی قسم کا کفارہ ہے۔ کیونکہ حلف جو بمنزلہ ضمانت، ہیبت اور شہادت کے ہوا کرتی ہے۔ بغیر اللہ جل شانہ کے کوئی اس لائق نہیں ہے۔ وہی خالق موجودات، مالک کائنات، وارث زمین و آسمان ہے جس کے ید قدرت میں ہر مخلوق کا نفع و زیان ہے۔ فَيَغْفِرُ لِمَنْ

Marfat.com

یَشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ کی شان اسی کو زیبا ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو یہ طاقت اور قدرت نہیں۔ اس لیے کوئی من دون اللہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کی حلف اُٹھائی جائے۔ لیکن سوال حلف بالقرآن کا ہے جس کے غیر مخلوق ہونے پر اتفاق ہے۔

بعض اس کے مخلوق ہونے کے قائل ہوئے اور خلیفہ مامون رشید کے وقت میں یہ مسئلہ کافی سے زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔ بلکہ غیر مخلوق کہنے والوں کو سخت سزاؤں کا متحمل ہونا پڑا۔

گو یہ مسئلہ غیر ضروری اور عمل کے میدان میں بے معنی خیال کیا جاتا ہے جس کی تفصیل لاحاصل اور عوام الناس کے لیے فائدہ سے زیادہ نقصان کے خطرے کا باعث ہے۔ لیکن علمائے دین اس بنا پر کہ اعتقاد کے تالاب میں یہ تھوڑی غلاظت ایک دن اسے متعفن کر دے گی جو ہلاکت کا باعث ہو سکتی ہے، دین حق کی آواز کو بلند کرتے ہوئے تحقیق کے میدان میں اُتر آئے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسے بزرگ اعلائے کلمۃ اللہ کے "جرم" کی سزا میں سخت ترین تکالیف کو آبِ حیات سمجھتے ہوئے سختی کے پیمانہ میں صبر و استقلال کے ساتھ پی گئے۔

آج یہ مسئلہ غیر ضروری کا پہلو بدلتا ہوا سخت اشکال کو اپنے دامن میں اُٹھائے ہوئے بحث کے میدان میں حق کا طالب ہے۔ گو اس میں نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ کلام کرنا غیر مفید نہیں لیکن جس مرض کے علاج میں نمک اجوائن ہی کفایت کر سکے اس کے لیے مروارید حل کرنا لایعنی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے اس بیان میں میرا مذہب نہایت اختصار کے ساتھ ہے۔

تعریف مخلوق: مخلوق وہ ہے جو ارادۂ الٰہی کے امر سے ہویدا ہو۔ یعنی کُنْ سے فَیَکُوْن

Marfat.com

کا لباس پہنے اور حدث کا وجود اس پر ثابت ہو۔ اور یہ صفات قدیمہ کے فعل کا ظہور ہے۔ جیسے کُنۡ امر فَیَکُوۡنُ فعل۔ اور یہ صفت بالفعل مولیٰ کریم ہے جس کا اثبات امر کے تابع ہے۔

تعریف غیر مخلوق: غیر مخلوق وہ ہے جو حُدوث سے پاک ہو، وجود کی قیود سے مبرا و منزّہ ہو، اور کسی امر الٰہی کے فعل کے ظہور کا مظہر نہ ہو۔ یعنی کُنۡ سے فَیَکُوۡن کے محل کا مترادف نہ ہو ——— تو یہ صفات بالذات مولیٰ کریم ہی ہیں، جو سوائے ذات ذوالجلال و الاکرام کے کوئی مبدأ نہیں رکھتیں۔ بلا واسطہ کسی تحریک کے صفات بالذات ہیں۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ایک خالق اور ایک مخلوق۔ اب یہ ایک تیسری چیز کا اثبات کن معنوں میں ہے؟ کیونکہ یہ محال ہے۔ شرح عقائد نسفی میں ہے کہ:

اِنَّ الصِّفَاتِ لَیْسَتْ عَیْنًا وَّلَا غَیْرًا یہ صفات نہ غیر ذات ہیں اور نہ عین۔

دراصل نصاریٰ کے عقائد کے خلاف یعنی تثلیث کو رد کرنے کے لیے اور صفات کو عین ذات قرار دینے اور تعدد کے خوف سے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے تمیز کے میدان میں بلا وجود اس برزخ کو روا رکھا ہے۔ جس سے مقصود اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کی ذات احد کے ان صفات کو متصف کے معنوں پر بیان کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا ہے کہ یہ اس کے غیر نہیں ہیں۔ گویا عین ذات ہی ہیں جو بلا تقسیم و تقطیع ذات سے متصف ہیں۔ اور وہ سات ہیں:

حَیٌّ۔ قَدِیۡرٌ۔ مُرِیۡدٌ۔ كَلِیۡمٌ۔ سَمِیۡعٌ۔ بَصِیۡرٌ۔ عَلِیۡمٌ۔

ان صفات ذاتیہ کا فعل سرزد ہو یا نہ ہو، کسی حال اور کسی صورت میں یہ ذات بابرکات سے منفصل اور معدوم نہیں ہو سکتیں۔ جیسے حیات کو حیّ سے، قدرت کو قدیر سے، ارادہ کو مرید سے، کلام کو کلیم سے، سماعت کو سمیع اور بصارت کو بصیر سے ایسا تعلق ہے جو کسی زمانہ میں نہ منفک ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ ان صفات ذاتیہ کو ذات سے ایسا واسطہ ہے کہ گویا یہ عین ذات ہیں۔

Marfat.com

اس میں کلام نہیں کہ قرآن شریف کے کاغذ، قلم، دوات، کاتب، سب کے سب مخلوق ہیں۔ اور یہ کلام اللہ کی صحت اور ظہور کے اسباب ہیں نہ کہ کلام۔ کیونکہ اسباب بمنزلہ فرع کے ہیں اور کلام اصل۔ ہر فرع اصل کی طرف راجع ہوا کرتا ہے جو اصل کے سوا نہیں ہے۔ اور اصل فرع کے سوا ہو سکتا ہے۔ فرع اختلاف کا محل ہے اور اصل میں اختلاف روا نہیں ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝ عَلَىٰ قَلْبِكَ (پ ۱۹ ع ۱۵) اترا ہے ساتھ اس کے روح الامین (جبرئیلؑ) تیرے دل پر

اور اس نزول کے ظہور کے اسباب مختلف ہیں۔ مثلاً عربی، عبرانی اور سُریانی مختلف زبانیں۔

گو مثالیں یہاں بیگانگی ہیں اور اس بے مثال لم یزل ولایزال کی ذات اور صفات کے لیے کو مثال درست نہیں آ سکتی لیکن فہمائش کے لیے اس کے سوا کیا چارہ ہے۔ چنانچہ ارشاد مولیٰ کریم

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۝ وَفِي اور بیچ زمین کے نشانیاں ہیں واسطے یقین کرنے والوں کے

أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ (پ ۲۶ ع ۱۸) اور بیچ جانوں تمہاری کے کیا پس نہیں دیکھتے تم؟

اظہر من الشمس ہے۔ جس میں نشانات الٰہیہ کو خداوند کریم نے دو حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ حصہ اول موجودات فی الارض میں، اور دوسرا خود انسان کی ذات میں۔

(۱) دیکھو، پانی ایک اصل ہے۔ عربی میں مَاء کہلاتا ہے، فارسی میں آب، انگریزی واٹر اور پنجابی پانی۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ یہ اصل کے مختلف لباس اور وجود ہیں جو علم و عرف کے لیے پہنائے گئے ہیں۔ ہر ایک شکل و صورت مختلف ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے بالکل نہیں ملتی۔ لیکن اصل ایک ہے جس میں اس اختلاف سے کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا کسی عارضہ کی وجہ سے شکل تبدیل کرنا، مثلاً حرارت پہنچنے کے سبب سے بھاپ بن جانا، اور بخارات کا آسمان کی طرف چڑھ کر بادل کی شکل اختیار کرنا اور پھر سردی پہنچنے سے مینہ بن کر اپنی اصلی حالت پر لوٹنا، یہ تمام منازل و مدارج اصل معانی کے خلاف کے مقتضی نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

(۲) اسی طرح نشانات الٰہیہ ﴿فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ﴾ کے مطابق جو صفات ذاتِ انسان میں موجود ہیں ان سب صفتوں اور طاقتوں کا اصل روح ہی ہے۔ اسی کی طاقت سے سماعت و بصارت، حیات و تکلم، علم و ارادے اور قدرت رکھتا ہے۔ جو اپنے اپنے محل پر ﴿کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ﴾ کی صفت پر کام کرتے ہیں۔ جب بحکم خدا روح پرواز کر جاتی ہے تو یہ تمام افعال فوت ہو جاتے ہیں، آلات حسّی رہ جاتے ہیں جو وجود میں بمنزلہ فرع کے تھے۔ لیکن اصل جو روح تھی اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس کی صفات (سماعت و بصارت وغیرہ) کی تقسیم و تقطیع باقی رہ جاتی ہے۔ گو دوسرے وجود یعنی عالم روحانیت میں تقسیم و منازل درست ہیں لیکن اس مسئلہ سے غیر متعلق ہیں۔ تاہم ہر وجود اجسادی و روحی کے مدارو منازل کا محل فرع ہی ہے نہ کہ اصل۔ اصل کے لیے صفات کی تقسیم محال ہے۔ ورنہ ﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ﴾ کے جواب میں ﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ﴾ کا فرمان صادر نہ ہوتا۔ ان تمام مدارج روحی و اجسادی پر انسان ہی کا لفظ بولا جاتا ہے جو بہر وجہ اصل کے تابع ہے یعنی وجود کو روح سے، فرع کو اصل سے، عرض کو جوہر سے، مفصل کو مجمل سے، اسم کو مسمّٰی سے، تلفظ کو معنی سے، ظہور کو سر سے اور دائرہ کو مرکز سے ایسا اتحاد ہے جس کی تمیز کسی حالت میں انفصال اور انقطاع نہیں رکھتی۔

عام فہمائش کے لیے جہان بھر میں بے شمار مثالیں موجود ہیں، صرف گوش ہوش اور چشم بینا درکار ہے۔ مثلاً ہر پودے کا اصل اس کا تخم ہے، جو وجود اور روح رکھتا ہے۔ اور اس میں پودا اپنی ہر شکل رکھتا ہوا نظروں سے مستور رہے۔ جب بحکم خدا تعلق ارضی سے نشو و نما کے تغیر سے ظہور کی طرف مبذول ہوتا ہے تو اپنے برگ، ٹہنیوں، پھول اور پھل کا حامل ہو جاتا ہے۔ جڑ سے لے کر پھل تک روح اور اس کے ہر وجود کا تعلق ایسا بلا فصل ہوتا ہے جس کی تمیز محال ہے۔

اسی طرح کلام الٰہی جو بلا واسطہ محض صفات ذاتیہ ذوالجلال والاکرام سے ہے اور وجود کلام

Marfat.com

یعنی قرآن شریف میں تفریق محال ہے۔ اور نہ ہی کسی صورت اور شکل اختیار کرنے سے یہ مخلوق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب کلام کا ظہور نہ تھا تو وہ ذات باری تعالیٰ کے علم میں متحقق تھا جب ظہور کا ارادہ فرمایا اور اپنے علم کو کلام پاک کا لباس پہنانا چاہا، تو اس کو لوح محفوظ کی طرف منسوب فرمایا۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ یہ عالم امر کے متعلق ہے جو موجودات فی السماوات والارض سے بدرجہا بالاتر ہے۔ لوح لغت میں پہن یا تختی کو کہتے ہیں۔ لیکن یہ پہن یا تختی عقل کے تصور اور احاطہ میں ہرگز نہیں آسکتی۔ کیونکہ عقل کا ادراک عالم محسوسات و معلومات تک ہے۔ عالم معروفات جو عالم امر سے وابستہ ہے عقل و ادراک اس سے جاہل ہے۔ اس لیے عالم معلومات میں اس کو صرف مثالی صورت سے سمجھ لینے کے سوا چارہ نہیں۔ اور وہ اس طرح پر ہے کہ انسان کا قلب جو روح کا مرکز ہے (جس کو امر الٰہی سے تعبیر کرنے میں کلام نہیں) اس کے ارادہ سے کلام الٰہیہ کو اخذ کر کے قوت حافظہ کے سپرد کر لینا بمنزلہ لوح محفوظ کے ہوتا ہے۔ اب وہ حافظ قرآن جو الٓمٓ سے وَالنَّاس تک کا حامل ہے، جس کے سینے میں تمام قرآن مجید محفوظ و مصئون ہے، جہاں سے چاہے اس لوح محفوظ سے بغیر ان ظاہری آنکھوں کے بصارت روحی سے پڑھ کر سنا سکتا ہے اور اس کے لیے حروف و الفاظ اور شکل و صورتِ عبارت کی احتیاج نہیں ہوتی۔

لیکن اس مثال سے یہ بیّن فرق معلوم کرنا لازمی ہے کہ وہ لوح محفوظ کسی دل، دماغ یا حفظ کی محتاج نہیں۔ محض عالم امر میں جو اس قادر مطلق کے ارادہ پر منحصر ہے، بلا کسی قیود و حدود کے نوری لباس میں کلام نفسی کے مدارج و مراتب پر متعین ہوتی ہے۔

پھر جب اس لم یزل ولا یزال نے اپنے کلام پاک کو عوام کی فہمائش کے لیے ظاہری لباس

Marfat.com

میں منزہ تر فرمانے کا قصد فرمایا تو روح الامین کے توسّل سے قلبِ اطہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف نازل فرمایا۔ تب وہ کلام اللہ لحن وصوت کے تغیر و تبدل سے قرأت کے مدارج پر حروف والفاظ کی شکلیں اختیار کرتا ہوا عبارت کی صورت میں الواح و قرطاس یا چمڑے وغیرہ پر منقوش ہو کر قرآن مجید کے اسم سے موسوم ہوا۔ اب اس قرآن مجید کو محض مصحف یا مخلوق تصوّر کرنے والے کو ذرا نورِ ایمانی سے موازنہ کرنا لازم ہے کہ گو لوحِ محفوظ پر یا وہاں سے قلبِ اطہر انبیاء پر بحکمِ خدا القا ہوتا رہا، الفاظ و عبارت سے مبرا و منزہ ہے لیکن کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ (خواہ نوری ہو یا بشری)، کا ارشاد اظہر من الشمس ہے۔ خواہ وجود نوری ہو خواہ اجسادی، قرأت و کتابت کی نفی کسی حالت یا صورت میں نہیں ہو سکتی۔ دیکھو ارشاد مولیٰ کریم:

وَالطُّوْرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِیْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝ (پ ۲۷۔ س ۳) — قسم ہے طور کی، اور کتاب لکھی ہوئی کی بیچ جھلی کھلی ہوئی کے۔

اس کتاب اور سطروں کے متعلق (جسے قرادت کا محل ہی کہا جائے گا) فرمان ہو رہا ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ (پ ۳۰۔ س ۲) — شتاب پڑھائیں گے ہم تمہیں کہ تم کبھی نہ بھولو گے

تو یہ کلام اللہ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، علیمٌ خبیر ذو الجلال والاکرام کے علمِ کُل سے لوحِ محفوظ کی طرف اور وہاں سے قلبِ اطہر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوتا ہوا حروف و الفاظ کی شکل اختیار کر کے میدان قرطاس میں قرآن کے اسم سے موجودہ صورت میں آج ہمارے روبرو ظاہر ہے۔ جس کے لیے هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ کی شہادت اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ[1] اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا[2] کافی ہے۔ مزید تصدیق کے لیے دوسری جگہ مفصّل ارشاد کس کرّ و فر سے حق کا اظہار فرما رہا ہے:

---

[1] ہم نے وحی کیا تیری طرف یہ قرآن۔ [2] بیشک ہم نے نازل کیا ہم نے اوپر تیرے قرآن نازل کرنا۔

Marfat.com

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ	اور اگر قرآن ہوتا کہ چلائے جاتے ساتھ اس کے پہاڑ یا
اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ	کاٹی جاتی ساتھ اس کے زمین یا بلائے جاتے ساتھ
الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا ؕ	اس کے مُردے تو بھی ایمان نہ لاتے۔ بلکہ واسطے
(پ۱۳ - س۱۳)	اللہ کے ہے حکم سب۔

تو جو شخص حلف بالقرآن اُٹھاتا ہے اس کا مدعا ان تختیوں، کاغذوں اور حروف سے نہیں ہوتا بلکہ وہ اصل کلام اللہ کی حلف دیتا ہے نہ کہ محض فرع کی۔ اگر اس حلف سے الفاظ و حروف یا اسبابِ ظہورِ قرآن شریف کے وجود کی قید لازم آتی ہے تو جو شخص اللہ جلّ شانہ کی حلف اُٹھائے، اندریں صورت چاہیے کہ اس کا مدعا بھی اسی اسم معلّٰی کے حروف تک محدود تصور کیا جائے جو اَلف، لام اور ہا کے حروف سے مرکب ہو کر لفظ کا لباس پہنے ہوئے صفحۂ قرطاس پر منقوش ہوتا ہے۔ جو عین ذات ذوالجلال والاکرام نے عرف اور ظہورِ اسم ذات کے لیے اسباب مرتب فرمائے ہیں اور جن میں مدعا صرف صحت صوت اور ثبات اسم ذات ہے۔ سب کے سب مخلوق ہی ہیں۔ اور اگر اسم اور عبارت کی تخلیق محض ثباتِ ذات بابرکات کے لیے سمجھی جائے تو اختلاف اُٹھ جاتا ہے۔

سوائے اسم ذات کے صفاتی اسماء مثلاً رحمٰن، رحیم، کریم بلکہ تمام اسماء الحسنٰی جو ہر ایک صفت فعلیہ سے موصوف ہیں، سب صفات ذاتیہ مثلاً قدرت اور ارادہ کے فعل کا ظہور ہیں جو اصل ذات ہی ہیں اور اسی کے تابع امر ہیں۔ گو صفات فعلیہ کا تعلق بھی صفات ذاتیہ سے اتصال عینی ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ صفات فعلیہ کا مبدا صفات ذاتیہ سے وابستہ ہے۔ اور صفات ذاتیہ کا ذات سے ایسا اتصال ہے جو کسی واسطہ کا محتاج نہیں۔ لہٰذا کلام اللہ تعالیٰ کو ذات پاک سے ایسی معیت ہے جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ

Marfat.com

اس لیے حلف بالقرآن یعنی حلف بالکلام (جو عین صفات ذاتیہ کے ساتھ متصف ہے) حقیقتاً
اللہ تعالیٰ کی حلف ہے جس میں شک کرنا یا کلام اللہ کو مخلوق جاننا سراسر نادانی ہے۔ نَعُوذُ
بِاللّٰہِ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَاد۔ بقول شخصے ؎

صفات را بہر ذات می جویم
ذات را بہر صفات می جویم

جو شخص کلام ذوالجلال والاکرام کو ماسوی اللہ جانتا ہے وہ کلام اللہ کے مخلوق ہونے کا
قائل ہوتا ہے۔ صفات ذاتیہ اور ان کے اصل کو نہیں پہچانتا اور محض اسباب ظہور پر نظر رکھتا
ہوا اصل ذات سے جاہل ہوتا ہے۔ وہ ذات معلّٰی ان حدوث سے پاک ہے مع اپنی تمام
صفات کے جن کی صفتیں کسی کی مانند نہیں ہیں۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ[1]
اور جو کچھ کوئی کم فہمی کی وجہ سے اپنی عقل و سمجھ کے ترازو سے موازنہ کرتا ہے وہ ذوالجلال و
الاکرام اس سے پاک اور بلند و برتر ہے۔ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا کَبِیْرًا[2]

تمت بالخیر

کتبہ العبد المذنب، راجی الرحمۃ، محمد یوسف خوشنویس، کان اللہ تعالیٰ لہ
ساکن حضرت کیلیانوالہ شریف۔ ضلع گوجرانوالہ۔ ۱۵ اپریل سنہ ۱۹۶۷ء / ۱۳۸۷ھ

---

[1] نہیں ہے مثل اس کی کوئی چیز اور وہ خوب سننے دیکھنے والا ہے۔

[2] پاک ہے وہ اور بلند اس چیز سے کہ کہتے ہیں بہت بلند اور بہت بڑا۔

Marfat.com

شجرۂ طیبہ

نقشبندیہ مجددیہ مکان شریفیہ

اے خدا بہرِ حبیبِ خویش حضرت مصطفیٰ ۔۔۔ مقتدائے اولیاء وافتخارِ انبیاء

از پئے صدیق و سلماں قاسم و جعفر ولی ۔۔۔ وز برائے بایزید و بوالحسن ہم بو علی

وز برائے یوسف و عبدِ خالق عارف باخدا ۔۔۔ بہرِ محمود و علی و خواجہ بابا پیرِ ما

بہرِ خواجہ نقشبند و ہم علاؤ الدین پیر ۔۔۔ خواجہ یعقوب ہم احرار زاہدِ بے نظیر

بہرِ درویش محمد باقی باللہ الصمد ۔۔۔ شیخ احمد پیشوا معصوم وز عبد الاحد

وز سعید حضرت خواجہ حبیقی پارسا ۔۔۔ از پئے شیخ محمد وز زکی باخدا

حضرت خواجہ محمد حاجی احمد شاہ حسین ۔۔۔ وز امامِ باعلی مشکل کشا را نورِ عین

وز برائے پیرِ با پشت پناہِ اہلِ دین ۔۔۔ حضرت صادق علی مقبول رب العلمین

مظہرِ انوارِ حق حضرت امیر الدین را دا ۔۔۔ وز برائے حضرت شبیر محمد باصفا

حضرت نور الحسن آن مقتدائے اہلِ دیں ۔۔۔ باد یا رب در جہاں روشن چو خورشید سما

کن غریقِ بحرِ عرفان حقیقت اے خدا

غیرِ تو ہرگز نہ بینم، بگذرم از ماسوا

Marfat.com

خاتمہ

الحمد للہ والمنۃ کہ آج "الانسان فی القرآن" کی کتابت ختم کرکے اپنے اس اہم فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔ اور مزید شکر یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی میں دوسری مرتبہ اس ناچیز کو اس کی کتابت کرنے کا موقع عنایت فرمایا ہے۔

عام قاعدہ کے مطابق مقدمہ اور خاتمہ مصنف خود ہی لکھتا ہے لیکن اس متبرک کتاب کی یہ سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو بخش دی ——— حالانکہ اپنی کم علمی کی بنا پر مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ ان میں لکھا کیا جاتا ہے۔

بہرکیف کتاب کو آپ نے پڑھ لیا اور تمام مضامین آپ کی نظر سے گزر چکے۔ اور جو اثر انہوں نے آپ کے دل پر چھوڑا ہے اسے آپ خود ہی خوب جانتے ہیں ——— "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" ——— تاہم اُمید ہے کہ غور و تعمق فکر سے مطالعہ کرنے والے صاحب ایمان حضرات کے لیے بہت حد تک باعث رُشد ہدایت ثابت ہوں گے۔ ورنہ کلام الٰہی کے فیصلہ کے مطابق فُسّاق طبیعتیں اور زیغ رکھنے والے دل تو قرآن مجید کی آیاتِ بیّنات سے بھی بجائے فائدہ اور ہدایت کے اُلٹا نقصان اور گمراہی حاصل کرتے ہیں:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ	پس ایپر جو لوگ ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ یقیناً وہ حق ہے ان کے رب سے۔ اور ایپر جو لوگ کہ کافر ہوئے پس کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے ساتھ اس مثال کے۔ گمراہ کرتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور نہیں گمراہ کرتا ساتھ اس کے مگر فاسقوں کو

اور میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس مرض سے محفوظ رکھ کر نیک سمجھ عطا فرمائے، اور اپنے ارادہ خیر سے صراط المستقیم پہ چلنے کے لیے سب کا سینہ کھول دے ——— آمین۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ مضامین کی ترتیب میں مَیں کس حد تک کامیاب رہا ہوں۔ بہر حال اپنی عقل و فہم کی حد تک

Marfat.com

میں نے ان میں ربط اور تسلسل کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور اگر حضور [illegible]
علیہ اپنے دست مبارک سے ان کی ترتیب و تدوین فرماتے تو شاید کچھ اور [illegible]
لیکن مجھے اس کے سوا چارہ کار نظر نہ آیا کہ ان کو الگ عنوان کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر [illegible]
اگر اس بارہ میں مجھ سے کوئی سہو ہوئی ہو تو برادران طریقت اور اہل علم حضرات فراخ دلی [illegible]
اس سے درگزر فرمائیں۔

اس سلسلہ میں ایک سہو کو میں نے خود بھی محسوس کیا۔ وہ یہ کہ "انسان ازلی سعید ہے" کے زیر عنوان مقالہ الہیات کے ماتحت نہیں ہونا چاہیے تھا، بلکہ اس کا مقام دوسرے باب یعنی عالم شہود میں تھا۔ لیکن یہ اس وقت محسوس ہوا جب میں اپنی دانست کے مطابق پہلے حصے کو مکمل کر چکا تھا اور کاپیاں پریس میں جا چکی تھیں۔ اگر سارے مقالے کو پہلے پڑھ لیتا تو یہ سہو نہ ہوتی۔ دوسرے ایڈیشن میں عمداً اسے جوں کا توں رہنے دیا گیا تاکہ کتاب سابقہ ایڈیشن سے مختلف ہو جانے کی وجہ سے اس میں تصرف نہ سمجھا جائے۔

جیسا کہ دیباچہ میں عرض کیا جا چکا ہے حضور رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو پہلے کتابی شکل میں تحریر نہ [illegible] بلکہ یہ مختلف مقالات اور مکتوبات تھے جنہیں بعد میں کتابی شکل دی گئی۔ جب اس کی کتابت شروع ہوئی تو آپ نے [illegible] کہ الحمد شریف کے لیے شروع میں چند صفحات چھوڑ دیے جائیں۔ اور آپ بستر علالت پر انتہائی کرب کے باوجود مولوی غلام رسول صاحب کو الحمد شریف کی مختصر تفسیر لکھاتے رہے اور اس طرح سے اپنے آخری وقت تک حق المقدور تبلیغ دین کے فرض کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ابھی آپ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک پہنچے تھے کہ مالک الملک جل و علیٰ نے پاس بلا لیا ـــ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ـــ لیکن آپ کی یہ تبلیغ دین ظاہراً و باطناً دونوں طریق سے جاری [illegible] اور یہ کتاب مبارک آپ کی تبلیغی مساعی کا ایک شعبہ ہے جو ان شاء اللہ العزیز قیامت تک جاری رہے گا اور جویان حق کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ برادران طریقت کے لیے یہ کتاب ایک بے بہا [illegible] گزشتہ کی بہترین یادگار [illegible]

ایک خیال یہ تھا کہ الحمد شریف کو جہاں آپ نے چھوڑا ہے وہیں [illegible] اور آپ کی تحریر میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائے۔ اور بعض احباب کا خیال یہ تھا کہ تشنگی ایک نقص [illegible] لیکن یہ اب کیسے ہو ـــ بالآخر برادر محترم سید منیر حسین شاہ صاحب نے (جو حضور رحمۃ اللہ علیہ [illegible] برادران طریقت میں سب سے زیادہ محظوظ ہوئے) واردات قلبی سے اس کو پورا کر دیا اور بقول ان کے یہ حضور ہی کے فیض روحانی کا نتیجہ ہے ـــ دیکھیں جو وہی انداز بیان ہے اور وہی طرز تحریر۔ وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

خاکسار [illegible]

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com